

انیسویں صدی کا ہندوستان

لطف اللہ کی آپ بیتی



انیسویں صدی کا ہندوستان

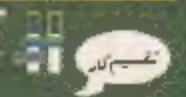
لطف اللہ کی آپ بیتی

ترجمہ ڈاکٹر مبارک علی



تاریخ پبلیکیشنز

فکشن کلاؤس



www.PKPublications.com



انیسویں صدی کا ہندوستان

لطف اللہ کی آپ بیتی

ترجمہ: ڈاکٹر مبارک علی

تاریخ پبلیکیشنز

بک سٹریٹ 39-مرگ، لاہور، پاکستان

e-mail: tarikh.publishers@gmail.com

This is an Urdu translation of
Autobiography of Lutfullah
 a Mohamadan Gentleman and His transactions
 with his fellow creatures
 Edited by: Edward B. Eastwick
 (Third Edition)
 London 1858

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب :	لطف اللہ کی آپ بیتی
ترجمہ :	ڈاکٹر مہارک علی
اچھام :	عمیر احمد خاں
پبلشرز :	چتر پابلی کیشنز، لاہور
کیوزنگ :	گلشن کیوزنگ اینڈ پرائنٹرز، لاہور
پرکڑ :	سید محمد شاہد عیسیٰ، لاہور
مرداقی :	راہل خیر
اشاعت :	2013ء
قیمت :	440 روپے

تقسیم کنندہ:

گلشن ہاؤس، گزٹڈ 39، ٹولک 33، لاہور۔ فون: 37237430-042-37249215

گلشن ہاؤس، 52/53، بیرنگر، لاہور۔ فون: 2780608-022

گلشن ہاؤس، خوشی، عرفان، قیام آباد، لاہور۔ فون: 32803058-021

گلشن ہاؤس

• لاہور • حیدر آباد • کراچی

E-mail: info@glshouse.com

اس کتاب کو میں اپنے عزیز دوست

منیر احمد شیخ

کے نام کرتا ہوں کہ جن کی بے وقت موت نے

ہم سب کو غم زدہ کر دیا۔

فہرست

- 9 دیباچہ
- 11 تعارف
- 14 لطف اللہ کا خط کرنل ولیم - ایچ - سائمنس کے نام
- 15 ایڈورڈ - بی - ایسٹ وک کا دیباچہ
- 17 پہلا باب
- میری پیدائش اور والدین - میرے باپ کی ولادت - میری ماں کی میرے بھائی کے ہاں پیدائش - گھٹ اور میرے بچا زاد بھائیوں کی ولادت - میری شرارتیں - ملا کو پریشان کرنا اور سکول ماسٹر کو بحال کوڑھ دینا - دھواں گھر کا مالک - راجا رام ٹیکہ - دل پر امن - بچپن کا نانا بھائی - میرے بچپن کا خاتمہ -
- 33 دوسرا باب
- 1810ء میں سیاسی صورتحال - فرنگیوں کے بارے میں افواہیں - بمیل واگو - ان کو قتل کرنے کا طریقہ - ہندو کا سفر فرنگیوں سے پہلی ملاقات - تختہ کی رسومات - اثرات - انہیں کا سفر - میری ماں کی دوسری شادی - میرے سوئیے باپ کے گھر - شرمیا کے چاہیوں کا حاصوہ لوٹ مار -
- 46 تیسرا باب
- میرے سوئیے باپ کی بدتمیزی کی وجہ - نامبارک دن شہید کرنا - ہندوستان کے لوگوں کی تہذیب پر حق - گوالیار میں شرمیا کے دربار میں جانا - تھارے تھکات کا ازالہ - میرے باپ کا اس کی ملازمت کرنا - میرے ساتھ کالہاڑ سلوک - میرا گوالیار سے فرار - جو تھک کے ساتھ - اگرچہ اکبر -

میری بلند دلوں کے صیب کے ہاں ملازمت۔ سبھی جانتے تھے کہ وہاں کو دیکھ کر
کے گھٹے کا طرز۔ وہاں بھی میرے سب کی سب کی فوج۔ مس پوری
جنگ۔ اچھے سے کھراہت۔ سوئی اور انھوں کے ساتھ سم جلی۔ جنگ میں
میں سیاحت۔ راز کا قاش ہونے لگیوں کا صہار۔ میرا چہرہ کا ٹیکڑی مقرر
ہوئی۔ جلیوں کی دولت اور قتل جام۔ میرا قرار صحت پڑھے شاعری سے ملاقات۔
میری ہاں کی وقت۔ دھارا پر میں ملازمت۔ رات کا ستر۔ پیچھے کا صہ۔ سر
چان لکھ۔

جلیوں کے انجٹ کے ہاں بطور عشق۔ یقیناً چہرے کے پاس۔ مگر پارک کی صہ
ایک صہ سوار کی گشتی۔ مٹائی جھڑپ کا لعل۔

دن کا صہ۔ کر ص ماکڑ۔ مک کے بارے میں خیالات۔ کچھیں جگہ ٹولڈ۔
مڈلوی۔ فلسفیانہ خیالات۔ کیا میں انگریزی پڑھا۔ بچوں کا قتل کرنا۔ دوا کر
کے سندوی والو۔ قلعہ پر قبضہ۔ کئی وار کی پہاڑیوں میں ستر۔ آگوری۔ کوکو۔
سورت۔ پارسی قبرستان۔

بہن۔ قلی کے کپڑے انارٹ۔ زکریا کی صہ۔ کشی کا صہ۔ پان ویل۔ پات۔
پارتی۔ ستار۔ اورنگ زیب کا کامدہ اور تخت خاں کا صہ۔ میری شادی اور
بچپن۔ ایک روٹھی۔ سنی۔ ہندو لہجہ۔ سورت کو دیکھی۔ مہلی زبان کا صہ۔
یوہرا لڑکے کا صہ۔ جنت کا صہ۔ ڈیلج۔ بے ایٹ دگ۔ اس کا صہ میں جتا
ہوتا۔ انکڑ آر۔ عزرائیل کی صہ۔ آگریہ ہندو۔ ایٹ دگ کا لارڈ کبیر کا ہادی
گورڈ مقرر ہوتا۔ ہندو۔ آریہ۔

لوہے پر۔ پانی۔ پھکڑی۔ اچھو۔ سورت کو دیکھی۔ لوہے کی ملازمت۔ درہار کی
مادشیں۔ میری برطانیہ۔

کالہیا داڑ کے پویشل انجٹ کے ہاں ملازمت۔ مگر کے پرمن۔ ایٹ دگ کی
ملازمت کرتا۔ مسٹر اسکین کا صہ دیکھ۔ فیروز قلعہ ساقیوں کا پاتا۔ سارا۔ رابکوت
چھوڑا۔ لواگر کا جام۔ دھول۔ جوڑا ہندو کا گورڈ۔ ہندو صوں کا ہمارے ہمارے
میں سوچتا۔ ٹھنڈا۔ ٹھنڈا کا بیان۔

شیر مہ۔ تین السوں کا بیل کر مر جاتا۔ اچھوں کا صہ قبول کرنا۔ فوج کا شمار
پور جاتا۔ تاد شاہ اور قلی کے صہ۔ سون۔ سستا کھانا۔ شمار پور۔ بلوچی ڈاکو۔
مخ محمد غوری۔ سکھ۔ خیر پور۔ میر ستم۔ لیرے۔ ناکہ اور پولیس انجٹ۔ گری
کی قلی۔ چھو کے کالے کا طرز۔ نوٹ مار۔

ارک ڈوکی۔ خان گزہ ہ حملہ۔ شمار پور کا نیا گورڈ۔ مسٹر بوس قلی۔
صہ الرحمن اور اس کی شہباز یافتہ قلم۔ عورتوں کا صہ۔ چھرا پاد کا صہ۔
سورت جانے کی چھلی۔ چھرا پاد کا صہ۔

چھرا پاد کا غلام گورڈ۔ سورت کو دیکھی۔ لوہے کی جٹی لڑکی ولایت۔ مسٹر جلی کی
ملازمت۔ لوہے آف کسے۔ لوہے آف سورت کی ولایت۔ اس کی جائیداد کی
طبیعی۔ اس کے دادا میر چھرا جلی کا سفر انگلستان کا ارادہ۔ مجھے بحیثیت ٹیکڑی
مقرر کرنا۔

شیرہاں باب

جلوت کا سفر۔ شمالی لوگ۔ خون۔ کعب کا حرکت کرنا۔ حضرت خوا کی قبر۔
انگریزوں کی خود غرضی۔ آبرہ۔ محمد علی۔ مسٹر لارک۔ گھ۔ حردوں کی مہل دیان۔
اسکدریہ۔ کیا حضرت عمر نے اسکدریہ کا کتب خانہ چلایا تھا؟۔ جیرالڈ۔

چودھواں باب

ساؤ تھامس۔ لندن۔ ہمدرد دوست۔ مسٹر لاقلم۔ مسٹر پیس فورڈ۔ لندن کی سیم۔
ادوی۔ مسٹر جرج۔ لارڈ دہلی۔ ہندوستان کو واپسی۔

وہاچہ

جیسا کہ آپ کو اس کتاب کے مطالعہ کے بعد معلوم ہو گا کہ یہ یادداشتیں لطف اللہ سے
اس کے انگریز دوستوں نے لکھوائیں تھیں۔ اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا
جاسکتا ہے کہ 1858ء تک اس کے تین ایڈیشن چھپ چکے تھے۔ شاید یہ کتاب اس کے بعد
بھی چھپی ہو یا 1857ء کے ہنگامہ کے بعد ہندوستان کے بارے میں انگریزوں کا جو رویہ ہوا
اس کی کتاب کی مقبولیت نہ رہی ہو۔

چونکہ لطف اللہ نے انگریزی زبان میں مہارت حاصل کر لی تھی اس لئے یہ فرض کیا گیا
جاسکتا ہے کہ یہ کتاب انگریزی ہی میں لکھی گئی ہوگی۔ اس کی تصحیح بعد میں اس کے
دوست مسٹر ایسٹ وک نے کی اور اسے لندن سے چھپوایا۔ کینٹن ایسٹ وک جو عرصہ تک
مشرق میں رہا اور اس نے سندھ پر "انڈیائی لیوز آف انڈیا" LEAVES OF EGYPT
"DRY" کے نام سے کتاب لکھی ہے جس کا اردو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔ اس کتاب کی
نوٹ کاپی کی فراہمی کے لئے میں کام سومرا کا شکر گزار ہوں۔ پروفیسر فرید الدین کتبیوں کی
مصلحت میں پیش معاف رہے ہیں اس لئے وہ بھی شکر یہ کے حق دار ہیں۔

مہارک علی

مئی 1996ء

لاہور

تعارف

انیسویں صدی کا ہندوستان ایک انقلابی دور کو لے ہوئے تھا۔ ہندوستان کا یہ معاشرہ جو ایک طویل عرصہ سے گھبرا ہوا تھا، نئے حالات سے اس میں تبدیلیاں آ رہی تھیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی آہستہ آہستہ اپنے اقتدار کو پینسا رہی تھی اور اس کے ساتھ ہندوستان درہندوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ ایک ہندوستان برطانوی علاقہ تھا کہ جہاں نوآبادیاتی نظام اپنی جڑیں مضبوط کر رہا تھا۔ دوسری طرف راجاؤں، نوابوں اور سرداروں کا ہندوستان تھا کہ جہاں قدیم روایات و ادارے دوسری قسم کی تصویر پیش کرتے تھے۔ ایک طرف جدیدیت کا حمل تھا جسکی بنیاد علم و جذبہ اور ترقی پر تھی (دوسری طرف انتہاء و افراط تھی اور یہ ترقی کی کیفیت تھی۔ نوآبادیاتی نظام اپنا منہ کھولے اس قدیم ہندوستان کو آہستہ آہستہ گل رہا تھا۔ ریاستوں کو ختم کیا جا رہا تھا۔ ان پر بعد ہو رہا تھا۔ طبیبی کا ٹٹل جاری تھا۔ راجہ و سردار اور نواب بھجوری و لاچاری کے عالم میں ہتھیار ڈال رہے تھے، سپاہیوں پر و غلط کر رہے تھے، اور خود کو اس نظام کی حفاظت میں دے رہے تھے۔ حکمران طبقوں کی یہ بھجوری اور لاچاری اس نظام کی وجہ سے تھی کہ جو صدیوں سے فرسودہ ہو چکا تھا اور جسے تبدیل کرنے کی انہوں نے کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ سائنس، ٹیکنالوجی، نور گھری مروج کی غیر موجودگی میں ان کے اسلحہ خانہ میں ایسے کوئی ہتھیار نہ تھے کہ جن سے وہ جنگ کر سکتے۔ اس لئے اکثریت نے خود کو حالات کے حوالہ کر دیا۔ کچھ نے مزاحمت کی اور خود کو لاکر لیا۔

لفظ اللہ کی آہ آہی اسی ہندوستان کی ہے کہ جہاں ایک طرف قدیم روایات و ادارے اپنی دلکشی کے ساتھ موجود ہیں، تو دوسری طرف ان کی افادیت کے ختم ہونے کا احساس بھی ہے۔ پھر اگر بڑی طور طریق و عادات اور طریق حکومت کا نقشہ بھی اس میں نظر آتا ہے وہ اس ملک پر کہ جس کی حکومت ان کے ہاتھوں میں ہے اسے سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہاں کی زبانیں سمجھ رہے ہیں۔ تاریخ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ یہاں کی قدیم ادبیات کو جمع کر رہے ہیں اور یہاں کی ثقافت سے آگہی حاصل کر رہے ہیں۔

لہذا ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستانی ملازموں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو رہا ہے جو ان کے

ساتھ تھک کر رہا ہے۔ اس ملازمت میں اور مقامی حکمرانوں کی ملازمت میں فرق ہے۔ یہاں ملازمت میں حفظ ہے۔ پابندی سے تنخواہ کی ادائیگی ہے اور سخت کا صلہ ہے۔ دوسری طرف دربار کی سازشوں اور خوشامد کی وجہ سے ملازموں کے لئے ترقی دے گئے جو بڑے کے مواقع ملے ہیں۔ اس لئے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستانی ملازموں کا طبقہ سب سے زیادہ ان کے مفادات کا تحفظ کرتا ہے۔

ہندو کے بارے میں لطف اللہ کے مشاہدات بڑے دلچسپ ہیں۔ خاص طور سے معاہدے کے بارے میں۔ یہ معاہدہ خود انگریز لکھ لیتے ہیں اور میوں کے سامنے پیش کر کے انہیں اس کی شرائط تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ میران حیدر آباد اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ معاہدہ ان کے حق میں نہیں مگر وہ انتہائی مجبوری اور لاچارگی کے عالم میں نکل آتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے وہ اس پر دھچکا کر دیتے ہیں۔ دوسری طرف عام رعایا کی جانب سے جو تاثر ہے وہ یہ کہ وہ نہ تو برطانوی حکومت سے خوش ہیں اور نہ اس معاہدہ اور اس کی شرطوں سے۔ برطانوی طاقت کے آگے یہ بے بسی تقریباً کسی ہندوستانی حکمرانوں میں نظر آتی ہے۔

لطف اللہ نے اگرچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کی مگر وہ انگریزوں کی بے جا خوشامد کرتا نظر نہیں آتا ہے۔ جہاں اسے ان افسروں کا رویہ درشت لگتا ہے وہ اس کی خدمت کرتا ہے۔ اس پوری آپ بیتی میں وہ کہیں احساس کثرتی میں جھلا نہیں ہے بلکہ خود کو ان کے برابر سمجھتا ہے۔

اس آپ بیتی میں ان ابتدائی انگریزوں کی ہندوستان نظر آتی ہے کہ وہ وہ لوہا ہوائی نظام کو استحکام دینے میں لگے ہوئے تھے۔ ہندوستان میں موسموں کی طبعی علاقوں کی اجنبیت، زبانوں کی ناواقفیت، رہائش کی مشکلات اور شدید بیماریاں ان سب کو برداشت کرتے ہوئے وہ اس نظام کی جڑیں مضبوط کر رہے تھے۔ آخر کیوں؟ قوم پرستی؟ حب الوطنی؟ عقلیت و بڑائی کا احساس؟ یہ وہ جذبات تھے کہ جو ان سے قربانی مانگ رہے تھے اور وہ خوشی سے اس قربان گاہ پر خود کو پیش کر رہے تھے۔ جہاں لوہا ہوائی نظام نے ہندوستان سے اپنی قیمت وصول کی وہیں انگریزوں نے بھی اپنی قربانیوں سے اس کو مضبوط و مستحکم بنایا۔ اس کی خاطر انہوں نے جلاوطنی کی زندگی گزار دی، خاندان و بچوں سے دور ایک اجنبی ملک میں رہے اور پھر یہ سب کچھ کس لئے؟ آخر کار اس سے پہلے بھی بڑی بڑی ہندو ہمایوں لوٹیں تھیں، سامراجی قوتیں کنویر ہو کر بھری تھیں، اور انسانی توانائی عقل و قدرت مگر دلوٹ مار میں ضائع ہوئی تھی۔ ایک

دار پھر یہی ہی ہوا۔ برطانوی سلطنت آخر کار سکر کراچی سرحدوں میں چلی گئی اور اپنے پیچھے تباہ و سالی باریں چھوڑ گئی۔

لطف اللہ کے ہاں نہ تو نڈال پر توجہ تھی ہے نہ اپنے نظام پر تنقید ہے اور نہ ہی برطانوی راج کی برکتوں کا ذکر ہے۔ یہ ایک سیدھا سادہ بیان ہے۔ ان واقعات کی تصویریں کہ جو اس نے دیکھیں۔ ان تجربات کا تجزیہ کہ جن سے وہ گزرا ہے اس سے لطف اللہ کی ہر تصویر ابھر کر آتی ہے وہ ایک دیانت دار، عالم، خوددار اور مخلصی شخص کی ہے کہ جسے اپنے وطن سے محبت ہے اور جو وطن کی مٹی ہی میں داپیں جانا چاہتا ہے۔

کتاب کے آخر میں لطف اللہ نے وعدہ کیا تھا کہ اپنی زندگی کا ہتھکڑیاں وہ دوسری جلد میں لکھے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاید حالات نے اسے یہ موقع فراہم نہیں کیا اور وہ بالآخر گمنامی میں رقت پا گیا۔ ہمیں اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں کہ وہ کب مرا اور کہاں دفن ہوا۔ مگر یہ کتاب اس کی یاد کو ضرور باقی رکھے گی۔

کرل ایلم - ایچ - سائنس - ایف آر - ایس ویمو
لندن

آرمیل ہتاب!

میں کمال لطف و مہمانی سے یہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جس کے بارے میں دس سال ہوئے میں نے آپ ہی کے گھر میں آپ سے ذکر کیا تھا۔ میں یہ کہنے کی جرات نہیں کرتا کہ یہ کتاب آپ جیسے استاد کے لائق ہوگی، لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اس میں جو سچائی چھپی ہوئی ہے اگر اسے آپ گرامر کی قلیوں سے آزاد کر دیں اور اسے اپنی عمرانی میں شائع کرا دیں تو یہ ان لوگوں کے تجربات میں اضافہ کرے گی کہ جو اس کے حفاظی ہیں۔ یہ عام قارئین کو بھی معلومات فراہم کرے گی۔ مجھے امید ہے کہ آپ وقت نکال کر اس کتاب کو پڑھنے کی دمت کریں گے۔

احرام کے ساتھ

لفظ اللہ

سورت

24 نومبر 1854ء

دیکھاچہ

اس کتاب میں ایک مقامی ہندوستانی کے واضح جذبات ہیں کہ جن کی روشنی میں وہ ہماری حکومت کا جائزہ لیتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ سوہودہ عمرانی دور میں (انتخاب 1857ء) اس کو دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ اس کتاب کا مصنف بمقابلہ دوسروں کے کم متعصب ہے۔ لیکن اس کی ہمدردی اپنے ہم لمبھوں اور ان کے رہنماؤں کی طرف اس کتاب سے پوری طرح ظاہر ہوئی ہے۔ اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ انگریزوں کو ہندوستان میں اجنبی سمجھا جاتا ہے تو یہ کتاب اس کی نفی کرتی نظر آئے گی۔ مختصراً یہ کہ ہمیں یہ مان لینا چاہئے کہ ہماری فوج میں اور ہندوستان میں کم ہی ایسے لوگ ہوں گے کہ جو یورپی ترقی کو اس طرح سے دیکھتے ہوں کہ جیسے اس کتاب کا مصنف۔

چٹا باب

مرد جمہرات 7 رجب 1217 کو جو کہ ہجری سنہ کے حساب سے 4 نومبر 1802ء ہوا اس
روز میں مالہ کے شردھاراگر میں پیدا ہوا۔ میرے والد کا تعلق ایک صوفی سلسلہ سے تھا
کہ جس کے چچا امجد شاہ کمال الدین اپنے وقت کے مانے ہوئے بزرگ تھے یہ مالہ کے
سرخن محمود علی (1434-1470) کے روحانی مرشد تھے۔ ان کی وفات کے بعد سلطان نے ان
کی قبر پر جو شر کے مٹلے دروازے پر واقع ہے ایک شاندار مقبرہ بنوایا۔ اس کے بالکل بالفاظیل
اس نے ایک اور موضع قہیر کرایا تھا تاکہ اس کو وہاں دفن کیا جاسکے۔ اس درگاہ کے برابر میں
ایک قدیم پتھر کا خانہ تھا کہ جسے سلطان کے حکم سے مسجد میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اس درگاہ
شریف اور اس کے متولین کے اخراجات کے لئے سلطان نے عین سو ایکڑ زمین وقف کر دی
تھی تاکہ اس سے ان عمارات کی مرمت ہو سکے اور ان کی دیکھ بھال کرنے والوں کا خرچہ
پورا ہو۔ اس کے علاوہ اس نے کچھ زمینوں پر دہلیہ میں ایک پانی ٹمکس لگا دیا تھا تاکہ وہ
بھی درگاہ کے اخراجات کے لئے کام میں آسکے۔

میرے نانا پیدائش کے ان مراعات سے 1706 تک قائمہ انقلابی مگر جب اورنگ زیب کی
وفات کے بعد مالہ پر مراہٹوں کا قبضہ ہوا تو انہوں نے جاگیر اور دوسری آمدنی کو ختم کر دیا۔
ہمارے گزارے کے لئے صرف دو ایکڑ بھوڑ دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک خاندان کو جس نے
تین صدیوں تک خوشحالی دیکھی تھی وہ غربت و لاجوردی کا شکار ہو گیا۔ اس کو مشرقی
استارے میں اس طرح سے کما جاسکتا ہے کہ دن کی روشنی ختم ہوگئی اور شام کے سامنے
بجھ گئے۔

میرا چچا جبکہ صرف 10 سال سا تھا اس وقت وہ علم حاصل کرنے کی تلاش میں
خیر پور روانہ ہوا اور کچھ سالوں میں اس نے مختلف علوم میں صدارت حاصل کر لی اور مذہبی
درس و تدریس کا پیشہ اختیار کر لیا۔ پندرہ سال کی عمر کو پہنچ کر اس نے واپس اپنے وطن
جسنے کی خواہش کی۔ لیکن بالائی صوبوں کی آب و ہوا و خوبصورتی اور دوستوں سے جدائی
اس کی رگوں میں عائل ہوئی اور اس طرح وہ مزید دس سال تک اور وہاں رہا۔ جب وہ

26 سال کا تھا۔ اس وقت اپنے باپ کے اسماء سے پہلے ہی اس نے اپنی شکل و صورت "کوسب آراب" اور ملنے سے اس قدر متاثر کیا کہ وہ اس کے ساتھ رہنے لگا۔ یہ وہی شخص ہے جو بعد گھری والی کو بھول گیا اور اس طرح اسے گھر سے دور دھکے دے کر چلے گیا اور گھر کے لئے جب وہ واپس آیا تو اس نے اپنے باپ کو دیکھا۔ یہ خبر سن کر وہ فوراً وطن روانہ ہوا اور پھر یہی ہی اس نے اپنی زندگی بسر کی۔

40 سال کی عمر میں اسے اپنی بیوی کی معرفت سے مل گیا۔ اس سے اس کی دو لڑکیاں تھیں۔ بڑی لڑکی کے متعلق اقوام نے جذبات سے واقف ہیں، انہیں اس بات کا اندازہ ہے کہ ہندو یا مسلمان دونوں اپنے ہم عمر خاتون کی بچہ کے لئے لڑکے کا ہونا کس قدر درد میں کرتے ہیں کیونکہ ان میں سے ایک لڑکے کا ہونا ایک شاعر کا ہے (اس کے نام ان رتوں میں دھو رہے تھے کہ وہ ابھی مستقل میں پوشیدہ ہیں۔ ان حالات میں اگر کوئی میرے باپ کے جذبات کا اندازہ لگاتا تو اسے معلوم ہوتا کہ وہ اپنی اس حالت پر کس قدر غمگین تھے کہ قسمت سے اس کے اپنے خاندان کا آخری وارث بنا کر چھوڑ دیا تھا۔ اگر اسے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ یقیناً بھی یہ خواہش نہیں کرتا کہ اپنے غم کو دوسری بیوی کی رفاقت میں کم کرے۔ لیکن اس کے دوستوں کے اصرار پر وہ اس بات پر مجبور ہو کر ایک سال کے اندر دو اپنے رشتہ داروں کو ختم کر دے اور ایک تیس سالہ لڑکی سے شادی کر لے کہ جو خوبصورتی، نیکی و پاک دامنی اور خاندانی وقار میں اس کے برابر کی تھی۔ گارتھین! یہ میری ماں تھی۔ آپ مجھے یقیناً متاثر کریں گے اگر میں اس کی تعریف و توصیف میں مبالغہ سے کام لوں اور اس کے لئے نیک جذبات کا اظہار کروں۔

شادی کے تین سال بعد میرے باپ کی دل تنہا پوری ہوئی اور میری پیدائش نے میرے والدین دونوں کے دوستوں کی خوشیوں میں اضافہ کیا لیکن ان کے علاوہ میرے باپ نے قریبی رشتہ دار بھی تھے۔ جو میری پیدائش سے بالکل حیرت زدہ تھے کیونکہ میرے زندہ رہنے کی صورت میں اس میں سلطان محمود کی دی ہوئی جاگیر کی آمد سے آدھا حصہ مجھے دینا پڑتا۔ اگرچہ اب یہ آمدنی کوئی گناہ نہیں دیتی تھی، تقریباً نو سو روپے اور اس میں میرا حصہ صرف نو سو روپے ہوتا۔ لیکن چاہے توڑی ہوئی ہو، یہ کسی کو گوارا نہیں ہوتا ہے۔ اس وجہ سے میرے رشتہ داروں میں میرے لئے نفرت و حسد کے جذبات پیدا ہو گئے۔ لیکن ان تلخ باتوں کو چھوڑ کر میں ان خوشگوار لحاظات کی طرف آتا ہوں کہ جن سے میرے

والدین مسرور ہوئے اور انہوں نے خدا تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا کہ جس نے انہیں یہ نعمت دی۔ اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے انہوں نے میرا نام مطلق اللہ رکھا۔ میری پیدائش کے دو سال بعد میری ماں نے ایک اور لڑکے کو جنم دیا۔ لیکن یہ قسمتی سے وہ صرف چھ مہینے زندہ رہا۔ جب میں چار سال کا ہوا تھا کہ میرے باپ کا انتقال ہو گیا اور وہ اپنے ہمسایہ گان میں نوجوان بیوہ اور مجبور یتیم کو بھروسہ کیا کہ جنہیں اپنی زندگی کے لئے سارے کی ضرورت تھی۔

اس وقت حقیقت میں ہماری حالت انتہائی افسوسناک تھی۔ میری ماں جو کہ دنیاوی طرحوں سے عقلی واقف نہیں تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس پر اچانک جو سختیاں نازل ہوئیں ہیں ان میں وہ کس سے مدد طلب کرے اور کس سے مدد کرنے کے بجائے یہ میرے قریبی رشتہ داروں کو ہماری موجودگی میں شریک تھے، وہ مدد کرنے کے بجائے یہ سوچنے لگے کہ ہماری ممکن جانی کا بندوبست کیسے کیا جائے۔ قسم بالائے قسم یہ کہ کسی دن میں سخت قحط پڑا کہ جس نے ہم لوگوں کی حالت اور مزید غراب کردی۔ قحط کی بدولت میرے ذہن میں آج تک اس طرح سے تازہ ہے کہ جیسے یہ ابھی کل ہی کی بات ہو۔

قحط کے دنوں میں خاصی تنہاؤ میں لوگ روزانہ بھوک کی شدت سے مر جاتے تھے۔ ان کی دھنیں تھیں کر شہر سے اہر لے جاتی جاتی تھیں اور انہیں تو کسی گڑھے میں دفن کر دیا جاتا تھا یا سوکے کوڑوں میں پھینک دیا جاتا تھا۔ اس تارکین قحط میں ایک واقعہ ایسا ہوا کہ جس سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ ایک انسان بھوک اور قحط کی وجہ سے کس حد تک گر سکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس واقعہ کو ضرور بیان کر دوں۔ مجھے یاد ہے کہ میں اپنے چچا کے ساتھ ایک غورٹ کو دیکھنے گیا کہ جس کی سڑا زار کشمیر کی جاری تھی۔ اس مشہور کے لئے اس کے چہرے کو ایک طرف سے سفید اور دوسری طرف سے کالا کیا گیا تھا اور اسے گھر سے پرانا بٹا گیا تھا۔ چونکہ مجھے اس کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ اس لئے میں اس کو اس حالت میں دیکھ کر حیرت ہوا۔ لیکن میری یہ خوشی توڑی ہی دیر میں ختم ہو گئی کہ جب مجھے یہ بتایا گیا کہ یہ غورٹ ایک قریبی گاؤں کی ہے اور اس کا نام یہ ہے کہ اس سے غورٹ کی شدت سے مجبور ہو کر اپنے ہمسایہ کے بچے کو مار ڈالا اور اس کے گوشت کو

تین اب میں اپنی کہانی کی طرف لوٹ کر آتا ہوں۔ میرے والد کے چہم کے بعد میری ماں نے اس بات کو مناسب جانا کہ ہم اپنے باپ کے گھر کو چھوڑ دیں کہ جہاں ہم

پتہ نام نہاد، رشتہ داروں کے ساتھ رہ رہے تھے اور جو حقیقہ طور پر ہماری تباہی پہنچے تھے۔
 لہذا ہم نالی اور ماسوں کے گھر چلے آئے کہ جسوں سے بڑن کر کوئی شے ساتھ نہ رہا۔
 کیا اور بعد میں بھی ہمارا بڑا خیال رکھا۔ ان رشتہ داروں کے تعلق میں ہم سے نہ تو کوئی
 جانبداری کے شکوکے تھے اور نہ ہی انی مخالفت کا عمل تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان سے ان
 پر بوجھ تو پڑا لیکن انہیں ہماری سب سے چارگی کا جو احساس تھا اس کی وجہ سے انہوں نے اس
 تکلیف کو برداشت کر لیا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میرے ماسوں نے مجھ میں اور اپنے
 بچوں میں کوئی فرق نہیں رکھا اور اگر فرق رکھا بھی تو نہ کہ وہ مجھ سے اور بچوں کے ساتھ
 میں برابر ہی محبت اور ہمدردی سے پیش آتے تھے اور یہی حال بہن میں کا تھا کہ جس کا
 میرے میرے ساتھ انتہائی شگفتہ تھا۔

ہمدردی کے اس ماحول میں ہم نے اپنا وقت بڑا خوشگوار گزارا۔ لیکن اس زمانہ میں
 یعنی برطانوی حکومت کے قیام سے پہلے ملک میں لاکھونیت کا دور دورہ تھا۔ سال میں دو بار
 نین بار یہ خبر پڑتی تھی کہ پڑاویوں نے قریبی علاقوں میں لوٹ مار اور قتل و غارتگری کا
 بازار گرم کر رکھا ہے۔ کسی قریبی راجہ و زمیندار نے حملہ کر کے شہر کو لوٹ لیا ہے اور
 لوگوں سے چرانے دھونے لگے ہیں۔ لوٹ مار کے اس خوف سے لوگ اپنے زیورات اور
 مقدس و زمین میں جا کر چھپ دیتے تھے۔ اس وقت شہروں پر حملہ ہوتا تھا تو اس وقت
 شہروں کی حالت ایسی ہوتی جیسے وہ وہاں کے رہنما ہوں کیونکہ جو کوئے قتل آدمیوں
 پر قلعہ سے پھینکے جاتے تھے وہ ان تک پہنچنے کے بجائے شہر میں گر جاتے تھے جس کی
 وجہ سے جانی و مالی نقصان ہوتا تھا۔ لہذا اگر دشمن شہر پر قبضہ کرے میں کامیاب نہ بھی ہو تو
 اس کی وجہ سے شہروں کو خاصی تباہی کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور اگر دشمن کامیاب ہو جاتا تھا
 تو پھر شہروں کو تشدد اور آفات سے دوچار ہونا پڑتا تھا کیونکہ حملہ آور ان سے مدفن
 خزانوں کے بارے میں معلومات دے سکتے تھے۔ اس مقصد کے لئے آیت کے مختلف طریقوں کو
 استعمال کیا جاتا تھا۔ ان میں سے عین سب سے زیادہ تکلیف دہ اور بے ایمان تھے۔

اس میں سے ایک یہ تھا کہ کسی شخص کو دسیوں سے ہاتھ کر نکلے سر بیٹے سورج کی
 روشنی میں کھڑا کر دیا جاتا تھا اور اس کے کانوں کو بندوق کی لہری سے چھید دیا جاتا تھا۔
 دوسرے طریقہ یہ تھا کہ سے دھوپ میں کھڑا کر کے اس کے سر پر گھو کے والے پردہ باندھ کر
 رکھا جاتا تھا اور پھر اس کے اوپر ایک ہماری بھرتی۔ یہ سب کے سر میں داخل ہو جاتے اور
 اسے تکلیف دے۔ تیسرا طریقہ یہ تھا کہ ایک عیب میں دیکھو اور صبح میں دیکھو مگر اس

کے حشر پر یا کھڑا دیا جاتا تھا جب وہ سانس لیتا تو یہ اس کے منہ اور ناک میں جاتا جس سے
 اس پر لہذا میں کھانسنے کا درد پڑتا تھا۔ آخر میں اس کا دم گھٹ جاتا اور اس کی موت واقعہ
 ہو جاتی۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے طریقے جن کو بطور تشدد و استعجاب کیا جاتا تھا اور جیسا کہ
 بعد میں میں نے پڑھا کہ یورپ میں چچ کا حملہ انکو بڑبڑان بھی تشدد کے لئے نئے طریقوں
 کو استعمال کرتا تھا۔ ان طریقوں کی وجہ سے انہیں کامیابی ہو جاتی تھی مگر پھر بھی ایسی
 حالتیں ہیں کہ جن میں دولت کی محبت زندگی پر غالب آگئی اور ان لوگ ایسے نکلے کہ جنہوں
 نے فاسوشی اور قوت برداشت کے ساتھ لاکھوں کو برداشت کیا۔ یہاں تک کہ آیت نے
 ان کی زندگیوں کا خاتمہ کر دیا مگر انہوں نے اس بات کو ترجیح دی کہ وہ بھی اپنے مدفنوں
 خزانوں کے ساتھ دفن ہو جائیں مگر دشمن کو اس کی خبر نہ کریں۔

چونکہ ہمارے خاندانوں کی لمبی حیثیت تھی اس لئے حملہ آور انہیں ہوں یا لیرے
 وہ ہمارے ساتھ عزت و احترام کا سلوک کرتے تھے یہی نہیں بلکہ وہ میرے ماسوں کی
 خدمت میں بیٹھ کر خدمتگارانہ پیش کرتے تھے شاید اس سے ان کا عقیدہ یہ ہو کہ ان کا
 لوٹ کا بل ملاں ہو چکا ہے۔ ہمارے ملک میں جو بھی حدود مسلمان رہتے تھے ان کو جب بھی
 موقع ملتا تو ان حالات میں وہ اپنا مالی دولت اور بعض حالات میں خود کو اور اپنے خاندان
 کو ہمارے گھروں میں نقل کر دیتے تھے تاکہ وہ تشدد سے بچ سکیں اور اپنا مال بچا سکیں۔
 اس لئے جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم ان معیضوں سے بچ جاتے تھے لیکن ہم جو کچھ
 لوگوں کے ساتھ ہوتا دیکھتے تھے وہ ہمارے لئے انتہائی تکلیف دہ ہوا کرتا تھا۔

میرے ماسوں نے میرے صاحب رشتہ داروں کے خلاف ہمارا ساتھ دیا اور جیسے ان
 سے مطالبہ کیا کہ وہ جاگیر میں ہمارا آدھا حصہ ہمیں دیں اور دیکھو کہ جو خزانے آتے ہیں
 ان میں سے بھی جو ہمارا ہوتا ہے اسے ادا کریں۔ اس بات کے تحت کبھی کبھی وہ قبولے
 بہت دھیرے ہمیں دے دیتے تھے مگر ان کا کہنا تھا کہ یا تو میں ان کی طرح روز دیکھ میں
 دیکھوں اور جو دار لے آتے ہیں ان کو کسے میں دے لوں۔ پھر آپ مجھے کہیں
 اور کو اس کام پر مجبور نہ کریں۔ میرے ماسوں کی مالی حالت ایسی تھی کہ ہم ان پر بوجھ نہیں
 تھے لیکن میری ماں یہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ ہماری تمام ضروریات کو پورا کریں۔

میری ماں کو اپنے عزیزوں چار سو روپیہ مالیت کے کچھ زیورات ملے تھے جنہیں اس
 نے ضرورت کے تحت ایک ایک کر کے بیچنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک سال کے اندر
 وہ یہ تمام زیورات بابت ہو گئے۔ مگر خوش قسمتی سے اس کے ساتھ ہی ہماری ضروریات

بھی باقی نہیں رہیں۔

پانچ عرصہ بعد ہی میمن جیوں کی زبان غلیف ہو گئی اور میں نے صبح سویرے اس کے پاس اس کے ساتھ ہی میں یہ عادت ہو کر کہ میں تھکے ہوئے ہو کر اپنے دل سے رشتہ دوسروں کو مٹاتا اور اپنی باتوں سے انہیں مفلوج کرتا۔ یہ بھی ہوتا تھا کہ میری شرابیوں کی وجہ سے اکثر میرے گھر والے مجھ سے پریشان رہتے تھے۔

مثلاً میں میمن کو پکار کر انہیں عورتوں کے تھیلے میں ڈال دیتا تو جس میں کہ وہ سٹی دھاکا اور دوسری رشتہ کی ہیں۔ پھر میں اس وقت کا شکر کرتا تھا۔ یہ ہشت سہ بعد گھر کے کام کاج سے فارغ ہوں اور اطمینان کے ساتھ بیٹے پر دے گا کام شروع کر دوں۔ جیسے ہی وہ تھیلہ کھول کر اس میں ہاتھ ڈالتیں اس میں پھپھو ہوا میچوک اچھل کر ان کی گود میں آجاتا۔ اس چانک حادثہ سے یہ تو وہ بیچ مار نہیں دیکھی کبھی بے ہوش ہو جاتیں اور یوں وہ دیکھنے والوں کے لئے ایک تماشہ بن جاتی تھیں۔

پانچ سال کی عمر تک میں گھر والوں کے لئے سمیت بن چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے سکول بھیجا جائے۔ ایک ایسے دن اور اچھی سماعت میں مجھے لکھا کہ سکول لے جایا گیا۔ اس موقع پر میری حالت ایسی ہی تھی کہ جیسے کسی بھیڑ کو ذہنی طرح خاندانے جا رہا ہو۔

میرے ہاتھوں نے میرا تعارف سکول کے استاد سے کرایا۔ کچھ عرصہ چھوٹی کے بعد میرا استاد مجھ سے خوش ہو گیا کیونکہ میں اپنی کلاس کے لڑکوں کے مقابلہ میں جلدی سبق یاد کر لیا تھا۔ اور قرآن شریف کی تلاوت بھی میں کسی ما سے بہتر ہی کرتا تھا۔ چھ مہینے کے اندر اندر میں نے تمام دھاکیں یاد کر لیں اور یوں ہر جگہ میری تعریف ہونے لگی۔ جب بھی میں لوگوں کے درمیان کوئی دعا پڑھتا ہوتا تھا تو اُسے فوراً میری تعریف کرتے تھے۔ اس عرصہ میں صرف ایک بار مجھے سخت مزا ملی وہ بھی اس وقت جب کہ میں نے محترم شیخ نصر اللہ کے ساتھ بقیہ گیری کی۔

یہ شریف بوڑھا شخص حاصل پور کا رہنے والا جو کہ ہماری ڈسٹرکٹ سے پچاس میل کے فاصلہ پر تھا وہاں نماز پڑھاتا تھا۔ اس کی میرے ہاتھوں سے دوستی تھی۔ اس لئے وہ اکثر ہمارے گھر آتا رہتا تھا اور یہاں کی دل کی بھڑ رہتا تھا۔ میرے ہاتھوں کی مالی حالت اس قابل نہیں تھی کہ وہ اتنے طویل عرصہ اس کی میزبان کریں۔ مگر وہ اپنی عادت سے بچوڑ تھے۔ اور اس کے ساتھ خوش دلی سے پیش آتے تھے۔ صمان کی خاطر داری کی وجہ سے

انہیں نہ صرف یہ کہ اپنے گھر کی چیزیں رہن رکھتا چلیں بلکہ وہ قرض دار بھی ہوتے تھے۔

لہذا ہوا یہ کہ حسب معمول شیخ نصر اللہ ہمارے گھر آئے۔ اس کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ بات چیت میں کوئی نہ کوئی ضرب المثل ضرور استعمال کرتا تھا۔ مجھے اس کی شکل و صورت اب تک اچھی طرح سے یاد ہے۔ وہ لمبا ترنکا اور صحت مند شخص تھا۔ وہ ہمیشہ آنکھیں کھمکتا تھا اور سر کو زور زور سے ہلاتا تھا جیسے کہ وہ ہر وقت پر روضہ مندی کا اظہار کر رہا ہو۔ اس کے منہ میں کوئی دانت نہ تھے۔ لیکن اس کی سفید بینی داڑھی نے اس کی تمام جسمانی بد صورتیوں کو چھپا دیا تھا۔ سے باتیں کرنے کا بیڑا شوق تھا۔ چاہے ان کا کوئی مطلب ہو یا نہ ہو اور چاہے کوئی سننے یا نہ سننے اگرچہ کسی کی نفیبت کرنا ایک ناقابل طاقی جرم ہے اور خاص طور سے ان لوگوں کی کہ جو وفات پا چکے ہیں۔ مگر جب تک لارڈ بینک نے کہا ہے کہ "بد صورت لوگ فطرت کے اس لئے ظالم ہوتے ہیں کیونکہ فطرت نے ان کے ساتھ بھلائی نہیں کی اور انہیں جسمانی خواہشوں سے محروم رکھا۔" قصہ مختصر میرے ہاتھوں کے لئے یہ ایک مشکل کام تھا کہ شام کے کھانے کے بعد کسی طرح اس سے جان چھڑائی جائے۔ وہ اکثر اپنے بوڑھے صمان کی باتیں سننے سے موچلتے تھے اور جب تک انہیں کوئی اٹھائے نہیں ان کی مشام کی نماز تھا ہو جاتی تھی۔ بوڑھا تو ہی خدا اس کی مشغرت کرے (خدا مجھے اس جرم کی بھی حمان دے کہ جو میں نے اس کے ساتھ کیا) مجھے پند نہیں کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ میرا امتحان لینے کی فکر میں رہتا تھا اور جب بھی میں ذرا مانا تھا جواب دیتا یا کسی لفظ کا تھکا مچھ ادا نہ کرتا تو اس سے قائمہ اٹھا کر وہ مجھے برا بھلا کہتا۔ اس کی اس ذانت ذہنت سے نگ آکر آخر ایک دن میں نے فیصلہ کیا کہ اس سے انتقام لیا جائے۔

ایک جمعہ کو میں بازار گیا اور اپنے جیب خرچ سے بچائی ہوئی رقم سے میں نے صوفی کی ہارود خریدی۔ اسی دن بوڑھا اولی جمعہ کی نماز سے واپس آیا اور پر آہٹے کے اس حصہ میں کہ جو ہوا دار تھا وہاں سو گیا۔ سوتے ہوئے اس کی حالت بڑی مشکوک نظر تھی۔ ابھی صوفی تڑپ کھلا "آؤ می بند ہوئی آنکھیں" اور سینہ پر سفید داڑھی اس طرح سے تھی کہ وہ صوفی گھاس کا جھنڈا چڑا ہوا۔ میں خاموشی سے اس کے پاس گیا اور ہارود کو اس کی منہ پر کھینچ دیا۔ اس کے بعد میں نے ایک پائس پر ایک ٹکائی اور دوسرے اس کی منہ پر لگا دی۔ یہ لے گیا جس کی وجہ سے اس کی داڑھی میں آگ لپڑک اٹھی۔ بوڑھا صمان اس کی وجہ سے بڑبڑا کر ٹھہر گیا اور اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کلمہ پڑھنے لگا۔

استعمال کا موقع یوں ملا کہ جب میرا استاد اپنے دو دوستوں کے ساتھ کلاس سے باہر کسی غریبی بحث میں مصروف تھا۔ ان کے لئے کافی کے تین پیالے لاکر کلاس میں ہر ایک کی نشست کے سامنے رکھ دیئے تھے۔ اس وقت جب کہ ملازم اس کی اطلاع دیتے، دھڑکیا میں نے اپنے استاد کے چالہ میں شال کوہ کی ایک پڑاؤں کی دور سے ہڈی انگلی سے دھڑکیا۔ اتفاق سے اس وقت ایک نوجوان طالب علم کلاس میں آیا اور مجھے کھلی کے قہقہہ دیکھ کر چلایا "اے رے یا تم چوری کر رہے ہو"۔ میں نے پریشان ہونے کے بجائے برہنہ کی گما کہ "یا تم اندھے ہو گئے ہو اور کچھ نہیں رہے ہو کہ میں کہیاں اڑا رہا ہوں۔ چلو میرا وقت پورا ہو گیا۔ اب تم کو اور ان پیالوں سے نہیں اڑاؤ۔" وہ طالب علم اس کے لئے فوراً تیار ہو گیا۔ میں فوراً دوبارہ سے اپنی نشست پر آیا اور بڑی محبت کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ قہقہہ کی آواز میں میرا استاد دو دوستوں کے ساتھ آیا اور باتیں کرتے ہوئے انہوں نے کھلی پٹی کے کسے کسے اس کے ایک ہاتھ پر جب اس کے دوست چلے گئے تو میرے استاد نے اپنی نشست پر کھسکا شروع کر دیا۔ میں نے اندازہ نہ کیا کہ میرے لیے ہوئے جمال کوہ کا اس پر اثر ہو رہا ہے کیونکہ اس کے چہرے کی رنگت بدلی ہو گئی اور اس کی گھڑی و صحن آکھیں ڈھلک نکلیں۔ جب حالات اس کے قابو سے باہر ہو گئے تو اس نے ٹوکوں سے کہا کہ کب کب وہ چھٹی کر لیں کیونکہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس نے بد امتیابی سے کل رات دعوت میں زیادہ کھا لیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ دعوت ہی آخر ایک دن میری جان لے کر چھوڑے گی۔"

ہمیں پہلی کا سن کر انتہائی خوش ہوئی اور دوستوں میں اپنی کتابیں دکھنا شروع کر دیں۔
 اس دور میں استاد کی حالت گھڑے لگی۔ اس نے اپنی تسبیح و ایک حرب پینا اور ہڈی
 کو دوسری طرف اور تعلیق سے فرش پر لوٹے لگ ساتھ ہی میں وہ رات والی دعوت اور
 اس کے میزبان کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔ جب ہم نے اسے اطلاع کیا ہے تو اس کی حالت یہ
 تھی کہ وہ مسلسل رے کر رہا تھا اور پچھتہ کو پچھتے دو سے بچ رہا تھا۔
 جہاں تک میرا تعلیق ہے تو جانتے ہوئے مجھے اس کی اس حالت کا افسوس بھی تھا مگر
 ماضی ہی میں احمد دینی طور پر خوش و مسرت تھی۔ اگرچہ میں نے اپنا بدلہ لے لیا تھا، مگر میں
 اس خیال سے خوب رہ بھی تھا کہ میں نے استاد کو کچھ یاد دہانی سزا دے دی ہے۔ اگر
 اسے کچھ ہو جانا ہے تو اس خیرین صاحب کی تمام دہر واری مجھ پر آئے گی اور وہ در قیامت میں

اس کا جواب دہوں گا۔ میں انہی مجھے ہوئے حیات کے ساتھ مگر بچاؤ۔ میری والدہ اس غیر متوقع وقت پر میرے آنے سے پریشان ہوئی، مگر جب میں نے اسے بتایا کہ میرے استاد کی طبیعت کل رات دعوت میں زیادہ کھانے سے خراب ہو گئی ہے، تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس کے پاس بیٹھ کر بھیجے جاتے ہیں۔ جو کچھ پڑھا ہے وہ اسے سنائیں۔

یہ تاویل کا موسم تھا۔ اس لئے میرا ماسل میج لی سے بارغ میں درختوں کو رکھنے گیا ہوا تھا۔ سب وہ دھوکہ دہیں آ کر اور اسے استاد کی خرابی حیثیت کے بارے میں دیا گیا تو اس نے نہ کل رات دعوت میں اسے کھاتے دیکھ کر پہلے ہی سے کہہ چکا تھا کہ اس طرح غصے پھٹا سے کھانے کا انجام برا ہوگا۔ وہ فور ہی اس کے گھر گیا جہاں پر میرا استاد گھڑودی سے غڑھاں ہوا پڑا تھا۔ اس نے اسے کھانے کو دوا دی اور پڑھنے کے بارے میں چہلیات دے کر واپس گھر آیا۔ اگرچہ میرا استاد دوسرے دن بھر ہو گیا، مگر کئی دن تک وہ اس قاتل نہیں رہا کہ ہمیں پڑھا سکے اس عرصہ میں میں نے گھر اپنی ماں سے پڑھا۔

استاد کی محنت و پالی کے بعد سکوں کی سرگرمیاں دوبارہ سے شروع ہو گئیں اور میں نے بھی معمول کے مطابق جانا شروع کر دیا۔ اس کے بعد سے استاد کا رویہ میرے ساتھ بہت ہی شہانہ ہو گیا۔ اس نے بار بار اپنے دوستوں سے کہا کہ اس کی بنیادی اصل وجہ میرے ساتھ غیر ہمدردانہ رویہ تھا۔ جس کی وجہ سے میرے بزرگ و آپوزیٹوں کی دوسری اس سے ناراض ہو گئیں اور انہوں نے غلطی وار جواب میں اگر اسے تنبیہ بھی کی بلکہ اس نے اپنے رویہ کی وجہ سے معافی بھی مانگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلسلہ سال کی عمر ہی میں میری عزت ہو گیا۔ ہر شخص نے میرے ہاتھ چمے اور میرے ساتھ احترام سے پیش آنے لگا۔

اس کے بعد سے اس کی ضرورت نہیں رہی کہ میں عزیز قرآن شریف کا مطالعہ کروں۔
 کیونکہ میں اب تک اسے حفظ کر چکا تھا۔ مجھے دعائوں کی تمام قسمیں یاد تھیں۔ بلکہ اکثر
 صبح سویرے کھڑے ہو کر سجدہ کو دعا بھی دے لیا کرتا تھا۔ جمال تک مجھے یاد پڑتا ہے قرآنی
 صحت کی ادنیٰ جیسی اچھی ہی ہوئی تھی۔

میں کے بعد مجھے فارسی کی تعلیم کے لئے ایک دوسرے استاد کے سپرد کر دیا گیا۔ مجھ پر
— حکیم کا جو یہ زیادتی ہو گئی تھی۔ مجھے دو اہل ہاق پڑھنے ہوتے تھے اور دولوں میں پڑھنے
اور قصے کی مشق کرنا ہوتی تھی۔ دن میں فارسی کی مشق کرنا تھا اور رات میں میرا
میں مجھے عرب پڑھانا تھا جس کی گرامر سے مجھے نفرت ہو گئی تھی کہ نگ مجھے پتہ نہیں چل
دیا تھا کہ میں جو کچھ سیکھ رہا ہوں اس کی اہمیت کیا ہے۔ لیکن میں فارسی میں دلچسپی سے رہا

تھ کیونکہ ہم روزمرہ کے معمولات میں فارسی زبان بول کر رہے تھے اس کا استعمال ہمارے گھر کے لوگ اس وقت کرتے تھے کہ جب وہ کوئی خطیبہ بات کرنا چاہتے تھے یا نہ کی امور پر گفتگو کرتے تھے۔ میرزا استاد بہت ہی شریف اور نجیب ذات کا شخص تھا۔ میں اس سے بڑھ کر بھی سنا کرتا رہ اس کی بڑی طبعیت تفصیل سے وصاحت کرتا۔ خود جو سمجھتا اس کو منطقی طور پر ثابت کرتا۔ اسے غصہ بھی نہیں آتا تھا۔ نہ حسد بھی نہ تو وہ میرے پیسے والے استاد کی شدت سے اچھا ہوتا تھا۔ وہ چھانے کا کارہ بعض بے شوق کے لئے کرتا تھا۔ وہ کہیں نہ کہے یاد کے ہاں ملا تھا اس سے میں بے پروا ہوتی سکھ رہ تھا۔

اتحاد سال کی عمر میں میں نے مشہور ماہر ستا شیخ احمد علی سے کلاں چاند والیں تھیں۔ میں فارسی میں خوبصورتی کے ساتھ لکھ سکتا تھا اور میں گرامر سے بخوبی واقف ہو چکا تھا۔ اس سال میں ایک زبردست حادثہ سے دوچار ہوا۔ مگر نہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے موصوفہ کے مشق سے لگالیا۔ یہ اسی طرح ہوا کہ میں اپنے ہاتھوں کی درخواست پر ایک جھ کو درگاہ گیا کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ اس طرح سے میں سمیت سے پناہ دے سکوں گا۔ درگاہ میں میرے دو بھائیوں نے ملحقہ گزار سے میرا استقبال کیا میں نے کچھ دیر اس کے ساتھ بیٹھ کر دیر انداز کی باتیں کیں۔ وہ مجھ سے کہنے لگے کہ میں اپنی عمر کے لڑکا سے سفید معلوم ہوتا ہوں۔ لیکن جب میں اس کی عمر و پانچوں گائیکی سزودہ تھوڑے سال کا ہوں گا تو دنیا کے بارے میں میرا تجربہ وہ بھی نہیں ہوگا کیونکہ میں اپنا زیادہ وقت سکون میں ساتھ کی گھرانی میں گزارتا ہوں۔ اس کی ان باتوں کا میں نے کوئی جواب تو نہیں دیا مگر میں یہ ضرور سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ میرے مقابلہ میں ان کی حالت کس قدر اچھی ہے۔ ان پر سکون جانے کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ درجہ آزادی سے گھومتے پھرتے ہیں۔ چنتے بولتے ہیں۔ کھیلتے ہیں۔ جبکہ میں کتابوں کے بغل کے ساتھ تنگ و تاریک کمرے میں بند رہتا ہوں۔ لیکن میں نے اپنے معاشرے کی روایت کے مطابق خود کو اس طرح سے تسلی دے لی کہ یہ میری قسمت ہے کہ مجھے سخت مزاج میں ملی ہوئی ہے۔ جبکہ ان کی ماں مریاں اور رخصت ہے۔ پڑا ہے۔ سب کچھ قسمت کا نہیں ہے اس لئے اس پر سوائے غصہ ہونے کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ یہی دوروں کچھ اور لئے کے "یہ سب لڑکھین میں مشغول ہو گئے۔ اس بچے کے قہقہے جب ہم کھیل گلا سے تھک گئے تو میرے بچاؤ زاد بھائی نے تجویز پیش کی کہ ہم سب قریبی تالاب میں چل کر نہائیں۔

جس تالاب میں ہم سب گئے یہ ایک خوبصورت اور چھوٹا تالاب تھا کہ جس کا پانی

پانیوں سے گرا ہو چکے آقا اور تالاب کی شکل میں جمع ہو جاتا تھا۔ تالاب کا صرف ایک حصہ گھرا تھا۔ درختوں میں حصوں میں پانی کی سطح پچی تھی۔ یہ جگہ درختوں سے گھری ہوئی تھی اور اس کے کنارے پر ایک ہندوؤں کا ایک شاندار مندر تھا۔ یہاں پہنچتے ہی میرے ساتھیوں نے ہندی سے تالاب کے اس حصہ میں چھلانگ لگائی کہ جہاں پانی گہرا تھا اور پھر وہ دوسرے اوپر پہنچتے ہوئے تھکے۔ میری بھی خواہش تھی کہ میں ان کا ساتھ دوں۔ میرے چرے کو دیکھ کر انہوں نے میری خواہش کا اندازہ لگائے ہوئے مجھے تھکے کی دعوت دی۔ اگرچہ میں نے انہیں تالا کہ میں تیرنا نہیں جانتا ہوں۔ لیکن انہوں نے کہا کہ مجھے سکھا دیں گے۔ لہذا ان پر انمولہ کرتے ہوئے میں نے کپڑے اتارے اور تالاب میں تر گیا۔ میرے بچاؤ زاد بھائی نے تھوڑی دیر تک تو تھکے میں میری مدد کی مگر پھر تالاب میں مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے پانی میں دو تین پارہ کپڑے لٹائیں اور آخری پارہ میں بالکل ڈوب گیا اور شاید قدرت کو حذور ہوتا تو میں بھی بس زندہ نہیں لٹتا۔ میرے بچاؤ زاد بھائی خود دوسرے لڑکے (جساکہ مجھے بعد میں بتایا گیا) ہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے بعد میں کہا کہ وہ مجھے بچانے کے لئے کسی کو دھوکے لئے مانا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اسی عرصہ میں کہ جب تک بد آئے میں پانی میں ڈوب چکا ہوں گا۔ مجھے پتا نہیں کہ مجھے پانی سے کتنی دیر بعد نکالا گیا۔ جب مجھے ہوش کو تو میں نے دیکھا کہ میں ایک درخت سے اٹا نکلا ہوا ہوں اور میرے منہ ڈاک اور آنکھوں سے پانی بہ رہا ہے۔ جب میں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ ایک برہمن میرے پاس کھڑا مجھے دیر دیر سے بل رہا ہے۔ اس وقت مجھے اپنی حالت کی وجہ سے تکلیف ہوئی اور کوشش کی کہ برہمن سے کچھ کہوں مگر میں اس قدر کمزور تھا کہ مجھ سے بولا نہیں گیا اور صرف اشاروں سے اپنا مطلب اس تک برہمن کو سمجھایا۔ اس پر اس نے مجھے سیدھا کیا۔ اس کے بعد اس نے مجھے پاروں سے پکڑ کر ہٹا دیا اور اپنے گرد کئی پتھر لٹائے۔ یہاں تک کہ وہ خود بھی تھک گیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد جب مجھ میں تھوڑی حالت آئی تو میں بٹھ کر بیٹھ گیا مگر اس وقت مجھے حلی ہوئی اور میں نے تے کر کے اس کے کپڑوں کو غراب کر دیا۔ میرے منہ سے ایک کھنک پانی ۔ ۔ ۔ اس دریاں برہمن نے کپڑے دھوئے اور خود کو لبا دھو کر پاک و صاف کیا۔ پھر ۔ ۔ ۔ مجھ سے تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہو کر مسکرت میں دعا کہیں پڑھنا شروع کیں۔ اس ۔ ۔ ۔ میں وہ بھارتی کے ساتھ مجھے نکلا رہا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ لب میں کیا ۔ ۔ ۔ کہتا ہوں؟ جواب میں میں نے کہا کہ اب میری طبیعت آتی ہو رہی ہے۔ اس کے بعد

میں نے اسے پڑے ادب سے سلام کیا اور اس کا نام پوچھا۔ اس نے کہا کہ اس کا نام راجا رام ہے اور وہ سامنے والے مندر کا متولی ہے۔ وہ اپنے مندر سے ہم سب کو نہاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ جب لوگوں نے مجھے پانی میں چھوڑ دیا اور خود وہاں سے بھاگ گئے تو اسے دیکھنا ہمدردی نے حکم دیا کہ وہ آئے اور میری جان بچائے۔ خدا اس نے اس مقدس حکم کی قبول کی۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ میں شمرانہ کے طور پر مہادیو کے حضور میں سر چمکائوں اور اسے سجدہ کر دوں۔ اس وقت میں جس حالت میں تھا میرے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ اس کی حکم عدولی کر دوں۔ لہذا اس کے کہنے کے مطابق میں اس کی موتی کے آگے جھکا اور اس کے سامنے سر سجدہ ہوا۔ لیکن میں دل میں اس مہادیو مطلق اور خالق کائنات کا منظور تھا۔ جو دامن و شریک ہے۔ یہاں کے خاندان کے ایک فرد کی حیثیت سے پہلی بات جو میرے دل میں غلطی لگی تھی وہ یہ تھی کہ ہمدردی کی اس محبت کا اطلاق اڑیا جائے کہ وہ ان پتھر کی صورتوں کی پوجا کرتے ہیں کہ جنہیں خود وہ اپنے ہاتھ سے بناتے ہیں۔

لیکن اس حادثے نے میرے ذہن میں کئی سوالات کو پیدا کیا اور میں سوچنے لگا کہ یہ بات پرستی تو ہر جگہ ہے۔ اگر ہمدردی کے مندروں میں پتھر کی صورتیں ہیں تو ہماری درگاہوں میں مٹی اور پتھروں ہیں۔ اس لئے یا تو ہر ایک پر تعین کیا جائے کہ سب کو مدد کیا جائے۔ ہر حال میں میرے لئے بڑا پیچیدہ سوال تھا۔

دوسری طرف جب میری معلومات عیسائیت کے بارے میں بڑھیں تو مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ عیسائیوں میں بھی محض عیسائی کے بارے میں بڑے غلط خیالات ہیں۔ کچھ ان کو خدا سمجھتے ہیں، کچھ خدا کا بیٹا اور کچھ تثلیث کا ایک حصہ۔

اگرچہ میں اپنی بنیادی زندگی میں اچھا مسلمان رہا، لیکن اس قسم کے سوالات نے میرے ذہن میں پیدا ہوتے رہے میں ان کا کسی بخش بڑا سہ نہیں پاسکا۔ یہاں تک کہ میں سال کی عمر میں جب کہ میں نے کئی عہدہ نگاہوں کا مطالعہ کیا تو اس وقت مجھے ان سوالوں کا جواب ملا کہ میں کون ہوں؟ اور مجھے کس طرح سے اپنے حق و باطل سے متعلق جاننے؟ میں یہاں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ اب تک میں ان باتوں سے ناواقف تھا۔ یہ تو میری ابتداء کیا ہے؟ اور اب میں اس دنیا سے چلنے کا یہ یہ بات نہیں دانتا۔ یہ تو میری زندگی کے بارے میں کسی وجہ سے نہیں سمجھتا تھا۔ میں نے اس سے پہلے کبھی سوچا تھا؟ اگر میں ان موضوعات پر "انتہائی احتیاط کے ساتھ" اپنے آپ کو سمجھتا ہوں۔ میں نے بحث کون تو یہ یقیناً مجھے کافر کہنے میں تامل نہیں کریں گے۔

اب میں دوبارہ سے اپنی کہانی پر واپس آتا ہوں۔ ابھی میں دیونا کے جانے بعد کے قاری ہی ہوا تھا کہ برہمن نے اشراف سے مجھے بتایا کہ لڑکے دی نور ڈھڑے لئے ہوئے آئے ہیں تاکہ مجھے کتاب سے لٹکا جائے۔ مجھے دیکھ کر میرے بچا زاد بھائی ہلکے ہو کر گھر سے نکلے۔ اور میرے جسم پر لگی ہوئی مٹی کو صاف کیا۔ مجھ سے غلط ہو کر ملاقات کے ساتھ کہنے لگے کہ انہیں افسوس ہے کہ میں ان کے ہاتھوں سے پھسل کر لوٹ گیا۔ اگر وہ مجھے پانی سے زود نکالے میں ناکام ہو جاتا تو وہ تیرہ کہتے ہوئے کہتے کہ وہ بھی پانی میں ڈوب کر مر جائیں گے۔ برہمن ان کی یہ جھوٹی باتیں سننا رہا اور دیکھتا رہا کہ وہ کس طرح سے میرا جسم صاف کر رہے ہیں اور کیڑے پھانسیں ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے ساتھ چلنے کو کہا۔ اس پر میں اٹھ کھڑا ہوا۔ جب میں چلنے لگا تو برہمن نے غراشتی سے لوگوں سے غلط ہو کر کہا "یہ لڑکا بغیر میرے اس جگہ سے نہیں جائے گا" اور میں جیسے اس کی اجازت نہیں دیتا گا کہ اسے یہاں سے لے جا کر کسی دوسرے کوہوں میں اسے پھینک دوں۔

میرے بچا زاد بھائیوں نے اپنے غلوں کو ظاہر کرتے ہوئے برہمن کو بتایا کہ درحقیقت میں ان کا بھائی ہوں اور وہ میری مدد کو آئے ہیں۔ مگر اس نے ان کو سنا نہ سے انکار کر دیا اور انہیں دھمکی دی کہ اگر انہوں نے مجھے ساتھ لے جانے پر اصرار کیا تو وہ قریب سے دھکیلوں کو دے کے لئے بلا لے گا اور انہیں میرے ساتھ راجا کے دربار کے پاس بھیجے گا تاکہ وہ اسے ان کی قدرت انگیز کارروائی کے بارے میں بتائیں۔ یہ سن کر وہ اڑ گئے اور اس کے قدموں میں گر کر سہلی مانگنے لگے۔ انہوں نے اسے کچھ روپے بھی دیئے اور اس سے یہ وعدہ لیا کہ وہ ان کی اس کارروائی کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتائے گا۔

میں نے بھی ان معاملات کو اس طرح سے طے ہوئے پر اپنی وضاحتی ظاہر کی کیونکہ مجھے ذرا تھا کہ اگر یہ راز فاش ہو تو مجھے اس کی سزا ملے گی۔ برہمن نے اور سعادت پر تو اپنی وضاحتی ظاہر کر دی مگر وہ اس بات پر تیار نہیں ہوا کہ کسی بھی قیمت پر مجھے ان کے حوالے کرے۔

اس معاملے کے بعد میرے بچا زاد بھائی تو چلے گئے اور راجا مجھے مندر کے بجھاڑے لے گیا جہاں اس نے ایک درخت کے سایہ میں گھاس کو بچھا کر مجھ سے کہا کہ میں یہاں سو جاؤں۔

جہاں تک مجھے یاد ہے میں زندگی میں کبھی اس قدر کمری نیند سوا ہوں جیسا کہ اس وقت۔ اور نہ ہی کسی نیند کے بعد میں نے خود کو اس قدر تروتازہ محسوس کیا جیسا کہ اس دن۔

جب برہمن نے مجھے بیوہ کر کیا تو اس وقت تک دولت کا اندھیرا چھا چکا تھا۔ میرے تمام کپڑے اور گھاس پینے کی وجہ سے گیلی ہوئی ہوئی تھی۔ اس وقت میرا سر ہماری 'میر جنم' س' اور میری ایسی حالت تھی خراب تھی۔ برہمن نے کہا کہ پہلے میں ہاتھ دھوؤں پھر اس نے پوچھا کہ میں کہاں رہتا ہوں۔ میں نے اسے اپنے محل کا نشان اور اپنے ہاتھوں سے اس کا تعارف کرا دیا۔ پتہ نہیں کہ کیوں۔۔۔۔۔ ہاتھوں کا ذکر کرتے ہوئے میں اچانک پھوٹ پھوٹ کر روئے لگا۔ برہمن میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے میرے ہاتھ ہوتے پتے پر میرے ساتھ ہول دانت میں اس نے مجھ سے پوچھا کہ میرا باپ کہاں ہے؟

ہاتھوں کو میرے ہوتے غم ہو گیا۔ میں نے اسے جواب دیا۔

دائیں ہاتھ وہ مجھ سے میری عمر ہمارے گھر کی آمد اور رشتہ داروں کے بارے میں سوالات پوچھتا رہا۔ میں جو کچھ نہیں بتا سکتا اسے جواب دیتا رہا۔ میری حالت زار کو دیکھ کر اور میرے حالات کو سنا کر وہ نیک برہمن عامہ قسمیں ہو گیا۔ اس نے بطور مہمانیت دو روپے مجھے دیئے اور صبح کی کہ میں چمکھی۔ تو تاج میں تھامے جوں اور تہی پہنے چاندی بھانپوں پر اٹھ کر گئے۔

اس نے مجھے گھر کے دروازے پر چھوڑ دیا۔ میرے پچھتے پر میری ماں ہاتھوں اور دوسرے گھر والوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ میرا ہاتھوں میرا انتظار کر کے میری تلاش میں جانے لگا۔ والا تھا۔ جب ہاتھوں سے میرے در سے آنے کی وجہ دریافت کی تو میں نے کہا کہ میری طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ اس کے بعد میں کھانا کھا کر سو گیا۔

پانچ یا چھ دن بعد ان میں سے کسی شخص نے میرے ہاتھوں کو اس حادثہ کے بارے میں بتا دیا۔ میرے ہاتھوں سے اس کا ذکر میری ماں سے کیا مگر اس مرتبہ مجھے برا بھلا کہنے کے بجائے ان سب نے میرے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور میرے ساتھ ہونے والے واقعہ پر افسوس کیا۔ راجا رام اور دیگر خاص طور سے اس کا شکر ادا کیا۔ میری ماں روایتی رو سے کو توڑتے ہوئے والی طور پر برہمن کے سامنے آئی اور بڑے عرصے سے برہمن کا شکر ادا کیا کہ اس نے اس کے اظہارے کرنے کی جان بچائی۔ اس کے بعد میں اس سے اپنی جائیداد کی چیزیں اور اس دینے پیش لے کر کہا کہ اس کے پاس ہونے اس کے اور کچھ نہیں۔ اگر اس وقت اس کے پاس اس لاکھ ہوتے تو وہ بھی وہ اس کی خدمت میں پیش کر دیتی۔ اگرچہ وہ جو کچھ اسے دے دی ہے یہ اس کی مہمانی و رمد کے صلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ نیک، عریب اور ایماندار برہمن سے لاکھ وہ اپنی مدد کے برابر ہیں کچھ نہیں سے

کہ اگر اسے اصرار ہی ہے تو یہ سمجھو کہ اس نے یہ پیشکش نہیں کرنا ہے۔ اس کے بعد اس نے میری ماں کی خوشی کی خاطر ایک مہینہ بطور وقفہ قبول کر لیا۔

اس کے بعد سے مجھے اس بات کی حالت میں تھی کہ میں سکون کے طور پر کھیں اور چلوں۔ لیکن اکلایا ہوتا ہے کہ معیت انہی نہیں آتی ہے بلکہ ساتھ میں ہوں تو بھی لاتی ہے۔ اگرچہ میں لڑنے سے قوی کیا تھا مگر اس کے وہ سینے اور مجھے سخت قسم کی پیش ہو گئی کہ جس نے میوں کے اندر اندر مجھے کھلا کر رکھ دیا اور میں محل ہنوں کا ڈانچہ ہو کر رہ گیا۔ مجھ پر ہر قسم کی طاقتیں استعمال کی گئیں، ایسی ہی کہ جن کا لائق انتہائی برہمن تھا مگر ان سب کا میری بیماری پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ مجھے صرف چاول اور دس کھانے کی جائز تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ دنوں بعد مجھے کھانے کی پابندی دیا سے زیادہ زبردستی گئی۔ تھوڑے عرصے کے سب کو میری زندگی کی طرف سے مایوسی ہو گئی۔ غریب برہمن اکلایا مجھے دیکھتے آتا تھا۔ وہ میری مہم کو میں تو مجھے تس دیتا تھا لیکن جیسے ہی میرے پاس سے جاتا وہ میری حالت زار پر آنسو بہاتا اور میری بیوہ کی غیبتیں اور بیماری پر فہم ہوتا۔

وقت گزرتا رہا یہاں تک کہ عزم کا تہوار آ گیا کہ جس موقع پر شہر میں دس دن تک قائم کیا جاتا تھا۔ مجھ میں اتنی طاقت بھی نہیں رہی تھی کہ خود سے چل سکتا تھا، میں نے اپنے ہاتھوں سے درخواست کی وہ مجھے گھر کے دروازے تک لے جائیں۔ یہاں میں باہر ایک کچا پتہ دیا گیا اور گلی میں لوگوں کے مجمع کو آتے جاتے اور کہیں میں مصروف رہتا رہا۔ میں نے جب لوگوں کے صحت مند چہرے دیکھے تو یہ احساس ہوا کہ اس دنیا میں میرا وقت ختم ہو گیا ہے۔ لہذا اب اس دنیا کے بارے میں کہ جہاں مجھے تھوڑے وقت کے لئے رہنا ہے نہ سوچنا بیکار ہے۔ یہ سوچتے سوچتے مجھ پر اداسی کی کیفیت طاری ہو گئی اور نفسی اس کا اثر ان میں ہوا کہ انہی مجھے زندگی کے بہت سے قہیب و فزائے گمراہ ہے اور اس طرح صورت دنیا میں لے کر رہنا ہے۔ یہ میری لفظی تھی کیونکہ میں نے غور مطلق کی و صمد طاقت کا اثر نہ نہیں لگایا تھا جو اس وقت اپنی قدرت کو ظاہر کرنا ہے جبکہ انسان کی طاقت ختم ہو جاتی ہے۔

میں نے ہاتھ بیٹھے میری نگاہ بھڑکے کی دکان پر گئی کہ جہاں کی قسم کی روٹیاں بے رحمی سے سوتے رکھے ہوئے تھے۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے درخواست کی کہ مجھے مدد پہنچے۔ تاکہ میں کھانے کی ان چیزوں میں سے کچھ خرید سکوں کیونکہ انہیں دیکھ کر میری اشتہا بے انتہا ہو گئی ہے۔ مگر ان حالات میں میرے ہاتھوں کا جواب تھا "جہیں ان

میں سے کچھ کھانے کی اجازت نہیں۔ گوشت ان لوگوں کے لئے برکات ہے نہ جو پیش
کے سرپیش ہوتے ہیں۔ اگر تم نے اس کا ایک ٹوالہ بھی کھایا تو یقیناً تم مر جاؤ گے۔" اگرچہ
میں اس نصیحت سے بے نیاز تو ہوا مگر میرے لئے اس کو تسلیم کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ
تھا۔ چنانچہ میں نے آپ منصوبہ کے تحت اپنی ماں کے صندوق میں سے کچھ پیسے چرائے
اور ارادہ کیا کہ رات کو ان سے سوئے خریفان گاہ سمیت کھانے کی میری خواہش اس
قدر شدید تھی کہ میں نے اپنے مرنے کی بھی پروا نہیں کی۔ جب رات ہوئی تو میں نے اپنا
حصہ اٹھایا اور اس کے سارے پلٹا ہوا گھر کے باہر نکلا۔ ہر گز پرچہ کر میں نے پھپھارے کو
آواز دے کر کچھ سوئے منگوئے لیکن اب مسئلہ یہ تھا کہ میں انہیں کسی پر ظاہر کئے بغیر
کیسے کھائیں؟ سر حال میں نے ایک خاص شہر جگہ بہ سب سے ملنے اور ہر سترہ جا کر سو گیا۔
میرا خیال تھا کہ میں نے یہ زہر کھایا ہے یہ فوراً اثر کرنے کا اور شاید میں مرنے کے بعد
دوبارہ سے زندہ ہی نہ آؤں۔ لیکن دوسرے دن مجھے اور میرے گھر والوں کو اس پر تعجب
ہوا کہ میری حالت بہتر تھی۔ جس کو میرے سر سے اور دوست زہر کچھ رہے تھے وہ
میرے لئے زہری ثابت ہوا۔ اس سے بعد سے میں نے دن دن پھلانا شروع کر دیا اور وہ
میں نے اندر اندر میں بالکل صحت مند ہوتا ہوا دیکھا۔ اس کے بعد سے میرا معدہ بالکل ٹھیک
تو نہیں ہوا مگر مجھے اب تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ کے لئے میرے کچھ
دوستوں نے کہا کہ میں حقہ پنا شروع کر دوں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے میری تکلیف بہت
آہستہ کم ہوتی۔ یہ ضرور ہوا کہ اس طرح سے میں اب حقہ کا عادی ہو گیا ہوں۔ یہاں میں
اس باب کو ختم کرتا ہوں کہ یہ میری زندگی کے آٹھ سالوں کی کہانی ہے۔

دوسرا باب

اس وقت ہر طرف سے اس کا چہرہ تھا کہ جنگ ہونے والی ہے۔ دہلی سلطنت کو اس
وقت سخت صدمہ پہنچا کہ جب ۱۷۵۷ میں اورنگ زیب کی وفات ہو گئی۔ لیکن سلطنت کی
اصل طاقت اس وقت ختم ہوئی جب شاہ عالم کوکہ جس نے عیشی و لوبہ کی زندگی
گزاری۔ ۱۷۵۸ میں غلام قادر خاں نے زندہ کر دیا۔ اس کی موت ۱۸۰۶ میں ہوئی۔ اس
کے بعد اس کا لڑکا اکبر دوم بادشاہ بنا۔ اس کی تخت نشینی میں مرہٹوں نے مدد دی تھی۔ لہذا
جب سلطنت کی یہ حالت ہوئی تو مرہٹوں کے حمل نے جماعت کر کے خود مختاری اختیار کر لی۔
ان تبدیلیوں میں اورنگ زیب خیر دم تک پہنچیں وہ یہ تھیں کہ

ساتھ سال پہلے مرہٹوں کے دور حکومت میں کچھ غیر ملکی ہڈی عادت و اطوار کے لحاظ
سے ہم سے مختلف تھے، ہندوستان میں آئے اور یہاں بادشاہ کی کڑوری، امراء و عالیوں کے
اختلافات و خانہ جنگی سے قائمہ انداز کر پنا بھڑکا قائم کرنا شروع کر دیا۔ ان عجیب و غریب
لوگوں کے بارے میں طرح طرح کی باتیں مشہور تھیں۔ مثلاً یہ کہ ان کی کوئی کھل نہیں
ہوتی ہے بلکہ ایک پارک لٹاف سے ان کا جسم ڈھکا ہوا ہے جس کی وجہ سے یہ کراہیت
کی حد تک عقیدہ نظر آتے ہیں۔ انہیں چاند لونا آتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی تمام مہمت
میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ وہ ہمارے پیچھے پر ابھار نہیں رکھتے ہیں اور خود کو پیمائی کہتے
ہیں۔ مگر وہ مقدس انجیل کے قوانین پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ اس میں اپنے دیوانی
معتقدات کے تحت ترسیم کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر باتوں کی پوجا کرتے ہیں اور کھانے میں
ہر چیز کھا لیتے ہیں۔ خاص طور پر وہ چیزیں کہ جن کی حضرت موسیٰ نے ممانعت کی ہے۔ اس
طرح وہ انجیل کی نصیحت کی خلاف کرتے ہیں۔ کیونکہ اس ممانعت کا ذکر بہت سیخوہ کی
انجیل میں آیات ۱۸ اور ۱۹ میں ہے۔ وہ اگر ضرورت پڑے تو انسانی گوشت تک کھانے سے
گریز نہیں کرتے۔ ان کے ایک کے بجائے تین خدا ہیں۔ اپنی مذہبی نصیحت کے برخلاف
ان کے دیکھنے ہیں کہ خدائے بزرگ نے شادی کی قسم اور ان کے بچے بھی ہوئے تھے۔
اس کے ساتھ وہ اپنے خضر کو خدا کا بیٹا اور خود کو خدا کے بچے کہتے ہیں۔ یہ اور اس طرح
نہ ان کے بارے میں ہر جگہ کی جاتی تھیں۔ اکثر باتیں ان کے خلاف تھیں۔ مگر
یہ بات تھی جو ان کے حق میں تھی اور وہ یہ کہ وہ انصاف پسند ہیں اور انصاف
میں ان کی مقدس کتاب اور حضرت سیمان و حضرت داؤد کے قوانین کی خلاف ورزی

نہیں کرتے ہیں۔

یہ در اس قسم کی باتیں ہمارے لئے نہ صرف تفریح کا باعث تھیں بلکہ یہ س کر ان کے بارے میں ہمارے قصصات پیدا جاتے تھے۔ میری اور میرے ماموں کی خواہش تھی کہ ہم ان عجیب و غریب جگہوں کو دیکھیں اور ان سے ان کے بھوئے دروب کے بارے میں سوالات کریں۔ چونکہ وہ اب تک ہمارے شہر میں نہیں آئے تھے اس لئے ہم نے کسی یورپین شخص کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ اس وجہ سے ان سے ملنے کا اہم جذبہ بڑھتا جا رہا تھا۔

آخر کار ہماری قسمت اس وقت جاگ کر جب ہزاروں کا دور ختم ہو گیا اور مغربوں کا یہ دور ختم ہو گیا کہ انہیں راستے میں لوٹ سکا جائے گا۔ اگرچہ ابھی تک ہزاروں میں چھپے لبرے پائی تھے جو رات کو شہر میں آکر بوت مار کرتے تھے۔ اگر نہیں پکڑا جاتا تو ان کے لئے قید سے ہانکا نا لیکن ہوتا تھا اور نہ صرف اسی صورت میں پھوٹ سکتے تھے اگر وہ درجہ کو رشوت میں نہ جو۔ راجہ کی خدمت میں تھو خائف چڑھیں۔ اور انہیں اپنی دی جاتی تھیں۔ وہ بڑے خالمانہ طریقوں سے فن کو نقل کر دیا جاتا تھا۔ ان سزاؤں میں کچھ یہ تھیں:

انہیں باغی کے پیرے سے پتھر کر شہر کی سڑکوں پر گھسیٹا جانا تھا یا باغی کے درجہ ان کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیا دیتے جاتے تھے۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ مہات کے اشارے پر باغی مجرم کی ایک ٹانگ کو پٹی سوز میں پکڑنا اور دوسری پر اپنا چور رکھنا۔ پھر سوز سے ٹانگ بھیج کر جسم کے دو ٹکڑے کر دیتا تھا۔ دوسرے طریقہ میں سر کو پھاڑ دیا جاتا تھا۔ یہ سزا کا سب سے زیادہ خوفناک طریقہ کار تھا۔ اس میں سر پر ایک پتھر کی پھولی سی گولی رکھ دی جاتی تھی۔ اس کے بعد دو تین مرتبہ اجازت لیتا تھا۔ جب تیسری بار اجازت مل جاتی تو پتھر کی اس گولی پر زور سے ہتھوڑا دیتا تھا۔ جس کی ضرب سے سر پھٹ جاتا تھا اور اس میں سے مفر فل کر دیا جاتا تھا۔ سزا کے دوسرے طریقوں میں مجرم کو اڑھائی دیوار سے چپے پھینکا، تلوار سے سرازا، اور قہپ سے پتھر کر اڑانا شامل تھے۔ ان میں سے اکثر سزاؤں کو میں خود دیکھ چکا ہوں۔ لہذا میں اپنے کار نہیں سے درخواست کرتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے وہ ان سزاؤں سے دور رہیں۔

اب میں دوبارہ سے پھر اپنی زندگی کے حالات کی طرف آتا ہوں۔ ہمارے حالات بڑی حد تک خوب ہو چکے تھے۔ ہمارے پاس جو کچھ تھا وہ ہم لہوخت کر چکے تھے اور لہوخت یہ

اسی تھی کہ ہمیں کبھی کبھار لٹاک کرنا پڑتا تھا۔ اس کے بعد اگر کھانا بھی ملتا تو سخت محنت و مزدوری کے بعد۔ تمام مورخین نے تو صبح سے آدھی رات تک چرچا کاتنی تھیں یہ سلائی کا کام کرتی تھیں۔ میرا ماموں مختلف کتابوں کی نقل تیار کرتا تھا اور میں ان کو نوو سے پڑھ کر غلطیاں درست کرتا تھا۔ لیکن اس سے ہم جو کچھ بھی کھاتے تھے اس سے ہمارا گزارہ مشکل ہی سے ہوتا تھا۔ ایک دن صبح اور طلح سے تک آکر میرے ماموں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ بندہ جائے کہ جہاں ہے اس کے اور میرے باپ کے کچھ مالدار مرہ تھے ہمیں امید تھی کہ ہمارے دلہا جانے سے وہ شاید ہماری مدد کریں اور اس کے نتیجہ میں اگر بیش کے لئے جس کو واقعی طور پر ہمارے حالات بہتر ہو جائیں۔

جب ہم نے جانے کا ارادہ کر لیا تو میں، میری ماں اور ماموں نے سڑکی تیاروں کہیں اگر ہم انہوں کے آجروں کے پیچھے قافلہ کے ساتھ نہ سکیں۔ لہذا جب سڑکا وقت آیا تو ہم نے سب گھر والوں سے رخصت لی اور میں شہر کو چھوڑ دیا۔ قافلہ میں گاڑی ہالوں نے ہمارا خیر مقدم کیا۔ ان میں تقریباً سب ہی مسلمان تھے اور تھکیں کی ذلت سے ان کا قفل تھا۔ یہ سب کے سب پانہوی سے مہارت کرتے دسلے تھے۔ یہ ہمارے ساتھ پانچویں وقت کی نماز پڑھتے اور گاڑی میں ہلے لئے آرام دہ جگہ مقرر رکھتے۔ یہی حال کھانے کا کھانا وہ نسبتاً مطالبہ میں ہمیں اچھا کھانے کو دیتے اور کوشش کرتے کہ ہمیں سورج کی گرمی یا رات کو خنم کی وجہ سے تکلیف نہ ہو۔ یہ میرا پیدا سڑ تھا کہ جس میں نے پہلی مرتبہ فطرت کو اس قدر قہپ سے دیکھا۔ صبح نماز کے بعد جنگل کی ماہ اور صاف ہوا ایک نئی زندگی دیتی اور ذہن کو تروتازہ کر دیتی تھی۔ اونچے اونچے پہاڑوں کا نظارہ دینا اور مختلف پانی کے پتے ہوئے جھٹے، سرسبز اور مختلف رنگ پرنگے پتوں سے بھرے ہوئے رشتہ پر پھول کی سرلی آوازیں، ان سب نے مل کر مجھ پر سہہ بہہ اجتماعی اثر کیا اور بعض دھات تو میں فطرت کے ان مناظر کو دیکھ کر بہوت ہو گیا۔ اکثر جیتے خوشگوار لمحوں میں میرا ماموں خوش البیانی سے سعدی شیرازی کے یہ اشعار پڑھتا تھا کہ سرسبز درخت، دائل منہ کی نگہ میں، ایک کتاب ہے کہ جو اسے خالق کی لامحدود طاقت کا احساس دلاتا ہے۔

ہم نے ان گاڑیوں میں آرام سے روز تیرہ یا چودہ میل کا سفر کیا اور پتی میں ہفت روزہ 2 سے پہلے چلنے پر ہمارے مہدوں نے گرجوٹی سے ہمارا استقبال کیا۔ بد قسمتی سے پانچویں دن میں اور میرا ماموں خفت تیار ہو گئے۔ اگرچہ میں تو جلد ہی ٹھیک ہو گیا مگر میرے ماموں کی بیماری بڑھ گئی اور اس نے ہیشہ کی شکل اختیار کر لی جس کی وجہ سے وہ بے

انتخاباً اور کھڑے ہو گیا۔ ان حالات میں فیصلہ کیا گیا کہ ہم واپس مگر جائیں۔ ہمارے مریدوں نے ہماری مدد کے لئے تین سو روپے جمع کر کے ہمیں دیے اور ہم نے شدت کے ساتھ کسی قافلہ کی تلاش شروع کر دی کہ جو ہمیں واپس لے جائے۔ شر کو چھوڑنے سے پہلے میں ہاتھ بول کر اپنے قارئین کو بتا دیا کہ اس شر کے بارے میں بتاؤں۔ بعد کا اصل نام "پارہیز" تھا۔ یہ پہلا بڑا شر تھا جو میں نے دیکھا تھا۔ اس لئے میں اس کا مقابلہ اپنے بھوتے اور شعلہ حال شر سے نہیں کر سکا کہ جو اس کا مشکل سے پار ہواں۔ شر کا اندرونی حصہ فیسوں میں گھرا ہوا ہے اور اس میں جگہ جگہ چرسے داروں کے لئے عمارتیں ہوتی ہیں لیکن اس سے باہر کا حصہ کھلا ہوا ہے۔ درمیان میں وہ فیسوں کے درمیان ہے۔ اس کے مرکز میں ایک چور بنی شاندار عمارت ہے جسے ہندوئی کہتے ہیں۔ اس کے اندر تقریباً سو کامیں ہیں۔

شر میں جو کل ہے وہ مریدوں کے اپنے انداز کا ہے۔ اس لئے وہ اصل سے نوادہ بد صورت تہ خانہ معلوم ہوتا ہے۔ شر کی آبادی اس وقت ایک لاکھ کے قریب ہو گئی۔ بدوہ کی حکومت اس وقت مرہٹہ راجہ کیکاؤ جس کا تعلق گائے پالنے والی ذات سے تھا اس کے پاس تھی۔ راجہ کا نام کاندراؤ تھا اور یہ خاندان کے بانی پدنی کی چھٹی نس سے تھا۔ چونکہ یہ راجہ ان بدوہ ہوتے تھے اس لئے حکومت کے امور میں ان کے دایروں کا عمل دخل ہوتا تھا جو سلطنت کے ہر شعبہ میں اس لئے بہترین اور پیچیدگی پیدا کرتے تھے کہ اس میں ان کی بد عنوانیاں بھپ جاتی تھیں۔

امیر راؤ اپنے بھائی سیائی راؤ کے بعد گدی نشین ہوا تھا۔ سیائی راؤ مدھیہ پیر فرج کرنے میں تنہا ہی کرتا تھا۔ اس لئے اس نے خاص دولت انھیں کئی تھی۔ اس کے لڑکے اور کئی لڑکیاں تھیں۔ اس کا سب سے بڑا لڑکا کانت راؤ کیکاؤ تھے راؤ صاحب کہتے تھے اسے سیائی راؤ نے اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔

بدوہ میں پہلی مرتبہ میں نے بد قسم کے لوگ دیکھے ایک انگریز لوہو دوسرے پارسی۔ اب میں اپنے قارئین کو ان کے بارے میں بتاؤں گا۔ ایک دن جبکہ میں تقریباً کی عرض سے شریں گھر رہا تھا کہ ایک نیک میں نے چار اشخاص کو دیکھا کہ ان میں سے دو گھوڑوں پر سوار تھے اور وہ ان کے ساتھ بیٹھ جا رہے تھے۔ میں نے حور کیا تو ان کی رنگت ایسی ہی نظر آئی جیسا کہ میں اس سے پہلے سن چکا تھا۔ وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے اور ان کی زبان و لب و ہر جیسے اچھلی کرخت معلوم ہوا۔ وہ تنگ قسم کے لباس پہنے ہوئے تھے۔

جس کی وجہ سے ان کے جسم کے وہ حصے نظر آ رہے تھے کہ جنہیں دھکتا ضروری ہے۔ میرا دل چاہا کہ میں ان کے پاس جا کر ان سے باتوں لیکن میں اس لئے رک گیا کہ انہی شریں میرے پیچھے کم حرکت کے لئے یہ مناسب نہیں ہے۔ بحوالہ میں نے ہاتھ اٹھا کر انہیں سلام کیا۔ لیکن "اسلام علیکم" کے الفاظ ادا نہیں کئے کیونکہ میرا ایمان تھا کہ اس کا حق صرف مسلمانوں کو ہے اور دوسروں کو نہیں۔ انہوں نے میرے سلام کا جواب دینی شائستگی سے دیا جس کی وجہ سے میرے دل میں ان کے لئے جو تعصب تھا وہ کم ہو گیا۔

بعد میں میں ایک پالتو کینڈے سے بے انتہا متاثر ہوا جسے شر کے ایک دروازے کے پاس رک رکھا تھا۔ یہ دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور جانور ہے جسے اس کو دیکھنے کا اس قدر شوق ہو گیا تھا کہ میں کھنٹوں اس کے دیکھ بھال کرنے والوں کے ساتھ بیٹھ رہتا اور اس کو گھورتا رہتا۔

چند ہی دن میں میں ہمیں اطلاع ملی کہ ایک قافلہ میں کچھ گاڑیوں خالی ہیں۔ اور یہ قافلہ ہمارے علاقہ میں انیم کی خریداری کے لئے جانے والا ہے۔ اس قافلہ میں کچھ وہ لوگ بھی تھے کہ جو پہلے وئے قافلہ میں تھے۔ اس لئے جب انہیں ہمارے علاقہ کو خوشی سے اس میں ساتھ لے جانے پر تیار ہو گئے۔ ہمارے مرید ہمارے ساتھ دو تین میل تک گئے اور پھر حیدر کے ساتھ سلام دیا کر کے ہم سے جدا ہو گئے۔ اس مرتبہ ہمارا قیام کم ہوا۔ اس لئے ہم جلد ہی گھر چلے گئے۔ میرا ہموں سفر کے دوران بغیر کسی دوا کے جلد ہی صحت یاب ہو گیا۔ اس سے ہم نے یہ انداز لگایا کہ ہوا اور پانی کسی شخص کو تیار بھی کر سکتا ہے۔ اور اسے بیماری سے نجات بھی دلا سکتا ہے۔

مفکرا یہ کہ ہمارا سفر کامیابی سے پورا ہو گیا اور واپسی پر ہم اپنے رفیق داروں سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ میں بیان میں آ سکتا کہ مجھے اپنی غالی سے دل بردار ان سے بہت قدر خوش ہوئی۔ میرا خیال ہے کہ اس دنیا میں اس سے زیادہ خوشی کی اور کوئی نہیں۔ اس کی کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ کچھ عرصہ تک ہم سب خوشی و شادمانی کے ساتھ رہے اور اس کے سننے والے بڑے شکر ادا کیا کہ جس نے ہمیں اطمینان دیا کہ ہمیں خطائیک اب گھر میں بیٹھ جاتی تھیں۔ اس لئے میں نے ایک قافلہ کے سفر کے لیے اس سے بھی نے کچھ سیکھا تھا۔ دوسرے میں اپنی تعلیم پر بھی زیادہ توجہ دینے لگا تھا۔

میں نے بھی کا دوسرا سال بھی ایک چھپکے کی گزرا دیا اور میں کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ جس میں ذکر کروں۔ ہاں یہ ضرور بتاؤں کہ اس عرصہ میں ایک ہندوئی رسم کے تحت

میری عقد ہوئی کہ جس پر تمام مسلمان سوائے دہلی کے شہنشاہ غلامان کے پوری طرح سے عمل کرتے ہیں۔ یہ بڑی تکلیف دہ قسم تھی اور اس کی وجہ سے میں ایک ہفتہ تک اپنے بستر پر

۲۰

بہاں پر میں نہ مری جواب اشارہ کروں گا کہ نہ جانے کیوں مسلمان ایک تکلیف دہ اور نفرت زدہ رسم کو دہرایا کرتے ہوئے ہیں کہ جس کا کوئی ذکر قرآن شریف میں نہیں ہے۔ اصل کی بات تو یہ ہے کہ ہمارے لوگوں کو چاہئے کہ جسم کے کسی حصہ کو جو خدا نے اسے دیا ہے اس سے جدا نہ کریں۔ جب اس بات پر ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی ایک ایسی رسم کو تو پھانے میں پھینچ رہتے ہیں کہ جس کا درجہ صرف قرآن پاک میں نہیں مگر وہ باتیں کہ جن پر قرآن میں اصرار کیا گیا ہے نہ ان پر عمل کیا جاتا ہے۔ جس کا نظرائہ اگر دیکھتے ہیں۔ شہنشاہ پانچویں وقت آنحضرتؐ میں دس سال میں دو کوہ اور دو کی میں ایک بار آکر ہوئے تو حج کرتے۔ مجھے مسلمانوں کو اس کی رعایت کی گئی ہے وہ شرب بھی اور سودی کا دہرایا کریں۔ مجھے یہ کتنا پڑتا ہے کہ یہ اور اسی قسم کی دوسری تعلیمات پر مسلمان کم ہی توجہ دیتے ہیں۔

جہاں تک نماز اور روزے کا تعلق ہے تو بہت کم نیک مسلمان ہوں گے جو اس پر عمل کرتے ہیں۔ روکا ہزار میں سے ایک ملتا ہوگا۔ صبح بہت کم لوگ مسجد جاتے ہیں اس فرس کو صرف ایسے غریب اور نادار لوگ دیکھتے ہیں کہ جو کسی کام کے قابل نہیں رہتے ہیں۔ شراب اور نشہ آور شہاد سے پرہیز کرنے والے بھی بڑاؤں میں ایک دو ہوں گے۔ جہاں تک سودی کا دہرایا میں مٹھ ہونے کا سوال ہے تو شاید اس سے کوئی بھی مٹھو نہ ہو۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ اس موضوع پر خاموش ہوا جائے اور حالات کو خدا کی مرضی کے مطابق چھوڑ دیا جائے۔

کچھ صہبہ بعد ہماری بچت پھر قسم ہو گئی اور میرے ناموں نے اس بار اہمیت جاننے کی تیار ہو کر شہر آمدی کی تاکہ وہاں وہ کچھ سودے لڑ سکتے۔ میں اور میری ماں چونکہ سطر کے اچھے ساتھی تھے لہذا ہم اس کی فراہمی پر اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ ہم نے ایک گاڑی کرائی کہ وہ دن میں چار پانچ میل کا فاصلہ طے کرتے ہوئے سڑکیاں راستہ میں ہم ہر اس گاڑی میں ٹھہرتے تھے کہ جہاں چند مسلمان گھرانے آباد ہوتے تھے۔ ہم انہیں اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کرتے اور حرام و حلال کا فرق بتاتے اس کے بدلے میں وہ ہمارے ساتھ حدیث منادہ سلوک کرتے۔ آخر کار ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ شہر

کے گرد و نواح کا علاقہ بڑا خوبصورت تھا اور یہاں سے شہر میں مندروں کے کلس اور مسجدوں کے منار درختوں کے جھڑ سے ابھرتے اور ہلکے ہلکے نظر آتے تھے۔ ہم شہر میں داخل ہوئے اور یہاں پر ایک جاننے والے کے گھر پر قیام کیا۔

شہر دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی میرے پرچنے پر بتایا گیا کہ یہ شہر ہندوؤں کے پیر و پوجن قسم کے مطابق ہزاروں سال پہلے آباد ہوا تھا۔ ہندوؤں کے لئے اس شہر کی بڑی تہمت ہے کہ یہاں راجہ کرن بھڑائی اور مشہور فنانہ و کرم جیسے بادشاہ تخت نشین ہوئے اور روحانی طاقتوں کی مدد سے یہاں حکومت کی۔ راجہ و کرم جس کی وفات 57 ق۔ م میں ہوئی اس کا من بطور کلینڈر پر دسے ہندوستان میں ہندو استعمال کرتے ہیں۔ مسلمانوں نے اس شہر کو 1224 میں فتح کیا تھا۔ محمد شاہ کے عہد زوال میں اس پر مراٹھوں نے قبضہ کر لیا اور جب سے اب تک یہاں پر مندھیا غلامان کی حکومت ہے۔ 1860ء اس کی آبادی ایک لاکھ تیس ہزار تھی۔

شہر میں قیوم کے دوران میری ماں کو دوسری شادی کے لئے نئی رشتہ آئے۔ میرا مامی ان میں سے کچھ رشتوں پر راضی تھا۔ اگرچہ میری ماں کی عمر اس وقت 27 سال کی تھی مگر اس کی خوبصورتی اور جوانی ابھی تک باقی تھی۔ لہذا اس نے میری ماں کو اس بات پر آمادہ کرنا شروع کر دیا کہ محض کسی کے نام پر زیادہ عرصہ تک بفر شادی کے بیٹھے رہنا گناہ ہے۔ میرے یہ انتہائی حقیقت ہے کہ فطری ضرورت کو پورا نہ کیا جائے کیونکہ اس سے کئی تک پاؤں اور قلیک لوگ بھی گناہ میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ اس پر میری ماں نے سختی سے کہا کہ ایسا مظلوم ہونا ہے کہ وہ اس کا لڑکا اس پر بوجھ ہو گئے ہیں لہذا آج سے وہ ٹھیک رہے لی اور اپنا خوجہ صحت مزید کر کے پورا کرے گی جہاں تک دوسری شادی کا تعلق ہے تو یہ بہتر ہے کہ جسم میں جلی عات نہ لگے اپنی اس زندگی میں اس جسم کا حق نہ فیمل کسی کہے کہ میرے ناموں نے اس کے حصہ کو ضبط کرنے کی کوشش کی اور اسے دھوکا دیا۔ شیبہ فراز کے بارے میں بتایا اور اسے یقین دلایا کہ ہم لوگ اس پر بوجھ نہیں بلکہ اس سے ہارٹ مدد ہیں اور یہ اس کی خوشی ہے کہ ہمیں خوش حال اور پھلتا و پھونکتا رہے۔ لہذا یہ بھائی کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے میری ماں نے دوت والا عہد کیا۔ میرے کے ایک فنی ملازم جس کا عہدہ اچھا خاصہ تھا شادی کر لی اس شخص کی عمر میں سے دو تھیں تھیں۔ اس کو دیواری تجربہ کافی تھا۔ جس عاتوں کے ہاں یہ ملازمت کر رہا تھا نے اسے اپنے تمام بچے اور پیٹک اس پر دے رکھے تھے۔ وہ اس کی مرضی کے مطابق

کچھ نہیں کرتی تھی۔ میرا خیال ہے کہ اس عورت اور اس کے لڑکے کے درمیان جو اختلافات تھے وہ اس کے غلط مشوروں کی وجہ سے تھے۔ وہ ایک لب لہو اور سخت منہ شخص تھا، لیکن اس کی گول قندہ ہر جگہ ہوتی تھی۔ اس کی رنگت کالی تھی، اور میرا خیال ہے کہ اس کا دل اس سے بھی زیادہ کالا تھا۔ کسی کافر کے دل کی طرح۔ وہ بالکل ان چہرہ تھا، اور اس کی ساری دلچسپی دنیاوی امور میں کامیابی حاصل کرنا تھی۔ کچھ عرصہ تک تو میں اس سے جوڑ شادی سے ناخوش رہا، مگر چونکہ اس شخص کے پہلی بیوی سے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، اس لئے اس نے مجھے اپنے بیٹے کی طرح سمجھنا شروع کر دیا۔ اس نے اپنے احمقوں کو حکم دیا کہ وہ مجھے گھرواری اور اسلمہ کے استہلال میں تہیت دیں۔ میری خدمت پر وہ فخر نصیحت تھے۔ صبح میں شہر کے مرد کے ہاں چلا کرتا تھا اور شام کو اپنی دوسری پر بیٹی شان سے لوگوں سے ملاقات کیا کرتا تھا۔ اسی طرح سے وہ سب سے گزر گئے۔ اس عرصہ میں وہ بڑھی خاتون بن چکی تھی، مگر اس کا دل کچھ نہیں تھا، اس لئے اس کی جان کو خطرہ درپیش تھا۔ جو ہمارے ساتھ تھے۔ دور ہونے لگے۔ کیونکہ دربار میں کسی سے اس کے اچھے تعلقات نہیں تھے اور نہ وہ بھی اس سے خوش نہیں تھا، اس لئے اس کی جان کو خطرہ درپیش تھا۔

بڑھی عورت کے مرے کے دس دن بعد ہمارے گھر کو ایک دن صبح چار بجے نوپوں نے گھیرے میں لے لیا جو بد وقتوں اور نکواریوں سے مسلح تھے۔ انہوں نے ہمارے گھر پر کچھ گولے برسائے جس کی وجہ سے ہم تمام گھروالے سر سبز و پریشان ہو گئے۔ خصوصیت سے میرا سوجھا پاپ اس خیر خوف خطرہ سے گھبرا گیا، چونکہ گھر کے دروازے انتہائی مضبوط تھے اس لئے ان پر اس حملہ کا کوئی ریاں نقصان نہیں ہوا، مگر اس سے گھر کے رہنے والے ضرور متاثر ہوئے۔ میرے سوتیلے باپ نے خطرہ کو بھانپتے ہوئے وضو کیا اور ہتھیار لہا کر نکلے کھڑا ہو گیا۔ میری جان اور اس کی لڑائیاں جنہوں نے موت کو آئے ہونے دیے یہ تھا۔ اس صدمہ پر برداشت نہ کر سکیں اور فوراً ہی بے ہوش ہو گئیں۔ جہاں تک میرے تعلق ہے تو مجھے اس بات کا یقین تھا کہ میں نہیں مارا جاؤں گا کیونکہ میں بالکل معصوم ہوں اور میں نے کسی کا ہتھ میں لگاؤ نہیں کیا ہے اور اگر قرض کریں تو یہ مجھے قتل کر دیتے ہیں تو میں شہید ہوں گا اور فوراً جنت میں چلا جاؤں گا، اور اس صورت میں مجھے یقین تھا کہ میں جنت کی زندگی سے کہ جہاں میرے رجا ہرات کے محلات ہوں گے، منہ سے کھلنے اور خوبصورت جوڑیں ہوں گی، اس دنیاوی زندگی کے مقابلہ میں تو وہ نطفہ الفاؤں گا۔ اس دوران میں گھر کا بڑا دروازہ توڑ دیا گیا، دروازوں کا گروہ گھر میں داخل ہو گیا۔

اس وقت صبح ۱۲ بجے چل گیا تھا اور صبح کی مدھنی سے ہر شے نمودار ہو چکی تھی۔ میں نے ایک کہ جو لوگ گھر میں داخل ہوئے ہیں وہ مسلسل بوٹ مار میں مصروف ہیں۔ انہوں نے گھونٹیں پر نہیں کس کر انہیں بھاگ دیا، پانکیوں اور گاڑیوں پر قبضہ کر لیا۔ گھر کے مردانہ صدمہ ۶ سوں سے محراب میں صفایا کر دیا۔ وہ رات میں بیک بال داخل نہیں ہوئے تھے کیونکہ ان کی راہ میں قانون اور سابق روایات حائل تھیں۔ ان میں سے ایک نے جب صدمہ سے مجھے دیکھا تو مرثیہ مان میں اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر چلا گیا کہ "اس پر معاش توڑے کو پکڑ لو جلد کر۔ اسے پکڑ کر مجھے سے ہاتھ دو اور مارو، تاکہ اس کے شور کو سن کر صوبدار اس کی مدد کو آئے۔" یہ سن کر میں بغیر کسی خوف اور ڈر کے ان کے امر کی اطاعت کیا کہ جو مجھے جانتا تھا اور جس کے ساتھ میں کئی بار مل چکا تھا، بلکہ اکثر اس سے خفا بھی کیا تھا۔ ساتھ ہی میں نے فوجیوں کو دھمکایا کہ خود مجھے ہاتھ نہ لائیں کیونکہ میں سب سے سہیں ڈرتا ہوں اور اگر ضرورت پڑے تو توپ کے منہ میں بھی چالنے کو تیار ہوں۔ جہاں تک مجھے مارنے پینے اور تشدد کرنے کا سوال ہے تو اس سے میں نہیں ڈرتا ہوں، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر وہ میرے لگا ہوئی کر دیں تب بھی میرے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلے گا۔ لیکن اگر وہ میرے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے تو میں نہ صرف صوبدار کو بلاؤں گا بلکہ اس کا مال و اسباب بھی ان کے حوالے کر دوں گا۔ امر نے میری اس جرات مندی کی تعریف کو خود سے متاثر و ترقی ہو میں کہنے لگا کہ: "اسے کچھ مت کہو، یہ یہ بھلا لڑکا ہے، اس کو میرے پاس آئے وہ یہ میرا دوست ہے، اس کا اس کندی سے میں خوش ہیں ہے۔" اس کی اس گفتگو سے مجھ میں اور زیادہ جرات آئی۔ میں نے امر کو یہ کہہ کر شکر ادا کیا جس کی وجہ سے وہ مجھ سے اور خوش ہو گیا۔ اس نے مجھے بیکار شہزادہ اور کہنے لگا "تو وہ ریاست کے وزیر کے کہنے پر اپنی مرضی کے خلاف کرنے لگا ہے۔ اس سے کہا گیا ہے عورت میں جو کچھ مال و اسباب ہو اس کو صوبدار کی اس وقت تک کڑی نگرانی کی جائے کہ جب تک گراہار کا صدمہ نہیں کوئی حکم دے لیکن اگر صوبدار نے حکم کو حوالے نہیں کیا، اور اس صورت میں وہ قتل نکواریوں کے ساتھ رات میں داخل ہو کر وہیں جو بھی مال و اسباب ہو گا وہ اس پر قبضہ کر لیں گے" میں نے جواب میں کہنے چپے سوتیلے باپ کے پاس جاتا ہوں اور اس کو یہ تمام تفصیل بتاتا ہوں اور اس سے ملاقات کو کہتا ہوں، مگر مجھے اس مشن میں کامیابی نہیں ہوتی ہے۔

و پھر چاہے وہ کر سکتا ہے۔ اس پر راضی ہو گیا۔ اس کے بعد میں 'چھوٹا سیاحند' لھر میں گیا اور اپنے سوتیلے باپ کو مشورہ دیا کہ بہتر یہ ہے کہ وہ چچی اور خاندان کی سلامتی کی خاطر خود کو ان کے حوالے کر دے کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے کہ وہ تنہا ان کا مقابلہ کرے یا جیسا کہ ہم ایشیائی لوگوں کا کہنا ہے کہ سچے جیروں پر کھڑی داری سے کیا فائدہ۔ بڑے آدمی نے میری بات کو غور سے سنا پھر مجھ سے بھل گیا ہوا اور آلو بھری آٹھوں سے میرے ہاتھ کو چمکا لیکن میری خیال ہے کہ اسے اپنی زندگی بہت زیادہ عزیز تھی اور وہ آسانی سے خود کو ان کے حوالے کرنے پر تیار نہ تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اگر افسر گائے کی دم پر پانی مار کر قسم کھائے کہ اس کا قصہ مجھے قصمان بچاتا نہیں ہے تو وہ خود کو اس کے حوالے کر دے گا۔ وہ نہ گھر کی بھت توڑ کر بھاگ جائے گا۔ جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے تو میں جہاں بچانے کے لئے خود کوئی ترکیب سوچتی ہوگی۔ اس کے اس ہنگامہ مدد کو کچھ کر مجھے صدمہ ہوا۔ در مجھے فارسی کے کچھ اسباق یاد آئے کہ کبھی کبھی معیبت کے وقت شیر بھی گیدڑ بن جاتا ہے اور گیدڑ شیر۔ در حقیقت جب میں نے اپنے سوتیلے باپ کو مسخ دیکھا تو مجھ پر یہ اثر ہوا تھا کہ میں اسے ایک بہادر اور فوجی آدمی سمجھے گا تھا لیکن جب امتحان کا وقت آیا تو وہ گیدڑ سے بھی زیادہ ہڈیل نکلا۔

بحر حال میں اس کے نظام کو بے کر ہا ہر افسر کے پاس آیا اور اس کو بتایا کہ صوبہ ر مسخ ہے اور اس نے اپنی بندوبست کو بھروسہ ہے اور اگر اس صدمہ کیا گیا یا رتن خانہ میں جاسے کی کوشش کی تو وہ اپنا دفاع کرے گا۔ میں نے بھی کہا کہ وہ آخر وقت تک لڑنے کے لئے تیار ہے۔ اس کا ارادہ ہے کہ اپنی عورتوں کو مار ڈالے اور خود قرار ہو جائے لہذا اب تو خود اندر نہ لگا لیتے ہو کہ اس کے نتیجہ میں کئی لوگ مارے جائیں گے اور میں نہیں کہہ سکتا کہ خون ناحق اور قتل کا دہرہ اڑکوں ہو گا اور پھر یہ تمہارے خود کے لئے بھی خطرناک ہے۔ کون جانتا ہے کہ صوبہ ر کی بندوبست کا شمار کون کون ہو گا۔ لیکن صرف ایک ایسا راستہ ہے کہ جو مسئلہ کا حل ہو سکتا ہے اور وہ یہ راستہ یہ ہے کہ تم گائے کی دم پر ہاتھ رکھ کر صدمہ ر نہ کرو۔ ر کی نہیں کرو گے کہ جس سے صوبہ ر کی جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ اگر اسے اس بات کا یقین ہو جائے گا تو پھر وہ بہر حال خود کو تمہارے حوالے کر دے گا۔ اس طرح میں نے اس کے اس بردہ نظام کو اپنی طرف سے بڑھا چڑھا کر اس افسر تک پہنچا دیا۔

میری اس بات کو افسر نے فوراً تسلیم کر لیا اور فوراً ہی ایک برہمن اور گائے لائی گئی۔

برہمن نے گائے کی دم افسر کے ہاتھ میں دے کر اس پر پانی افشاد اور شکریت میں کچھ دعا پڑھی جس کے تقدس کی وجہ سے غریب افسر اور طرف سے کچھ لگا۔ صوبہ ر جو یہ سامی کارروائی دروازوں میں چال کے سوراخ سے دیکھ رہا تھا یہ دیکھ کر مطمئن ہوا اور باہر نکل کر خود کو ان کے حوالے کر دیا۔ افسر نے اس کے سامنے قربان پڑھا اور اس سے درخواست کی کہ وہ اپنا اسلحہ اس کے حوالے کر دے۔ اسلحہ دینے سے وہ خود اہستہ بھجکا۔ مگر پھر خود کو اپنی تقدیر کے حوالے کر دیا۔ شام کو اس نے افسر کو علیحدہ طور پر سو دھپیاں کی جنہی بطور رشوت دی۔ جس کی وجہ سے اس کا مددگار بھانک بدل گیا اور وہ ان دھپیاں کی وہ سے عطا حکام میں گیا۔ دوسرے تو حقیقت میں ہم اس کے تھپی تھے مگر ان دھپیاں نے اسے تیار تھپی بنا دیا۔

دوسرے تک ہی صورتحال رہی۔ غریب افسر دن بھر زبان خانہ کے دروازے پر بیٹھا رہتا تھا۔ رات کو صوبہ ر کے ہسٹری گراں دو آدمی کرتے تھے۔ اگر وہ چل قادی بھی کرتا تو اس کے ساتھ ساتھ سایہ کی طرح چاہی ہوتے تھے۔ جہاں تک میرا تعلق تھا تو میں آزاد تھا۔ مجھے اجازت تھی کہ میں جب چاہوں گھر میں جاؤں اور باہر آؤں۔ آخر کار گوالیار سے احکامات آئے کہ ہمیں چھوڑ دو جائے۔ اس کے بعد میرے سوتیلے باپ کو دیوار میں تخت بنایا گیا۔ اس کی اینٹوں کے ازالہ کے لئے عراقی لہان میں ایک لمبی چوڑی تقریر کی گئی جس کی وجہ سے اس بڑے اور اذان کے کنوڑ ہفتوں کو کچھ تھکی ہوئی۔ اس نے اس تمام کارروائی کو خاموشی سے سنا اور آخر میں اس کا سلطان ہو لٹا گیا تھا۔ اس کی راہی کا مطالبہ کیا۔ اس پر اس سے کہا گیا کہ اس پر کوئی عمل درآمد نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ احکامات میں سلطان کے بارے میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ حکومت کے حوالہ دے اس سے مزید کہا کہ "مگر میں میں سامان کا ذکر ہوتا تو مجھے یہ بتاتے ہوئے خوش ہوتی" بلکہ کوشش ہوتی کہ میں اپنی طرف سے اس میں اور شامل کر کے حوالے کر دوں۔"

و پھر وہ چاہے وہ کر سکتا ہے۔ وہ اس پر راضی ہو گیا۔ اس کے بعد میں 'چوہا سیاہ' میں 'لہر' میں گیا اور اپنے سوتیلے باپ کو مشورہ دیا کہ بہتر یہ ہے کہ وہ اپنی اور خاندان کی سہاسی کی خاطر خود کو امن کے حوالے کرے، کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے کہ وہ تنہا ان کا مقابلہ کرے یا جیسا کہ ہم 'یشیاہی' میں کہتا ہے کہ اپنے پیروں پر کھڑی مارنے سے کیا فائدہ۔ پوٹھے کوئی نے میری بات کو حور سے سنا، پھر مجھ سے پہلے گیارہ اور آٹسو بھری آگھوں سے میرے اٹے کو چھا، لیکن میرا خیال ہے کہ اسے اپنی زندگی بہت زیادہ عزیز تھی اور وہ آمالی سے خود کو ان کے حوالے کرنے پر تیار نہ تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اگر لہر گائے کی دم پر پانی مار کر قسم کھائے کہ اس کا مقصد مجھے نقصان پہنچانا نہیں ہے تو وہ خود کو اس کے حوالے کر دے گا، ورنہ وہ گھر کی بہت توڑ کر بھاگ جائے گا۔ جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے تو ہمیں جان پہچانے کے لئے خود کوئی ترکیب سوچنی ہوگی۔ اس کے اس بدولتہ رویہ کو دیکھ کر مجھے صدمہ ہوا اور مجھے فارسی کے کچھ اسباق یاد آئے کہ کبھی کبھی سمجھتے کے وقت شیر بھی گیدہ بن جاتا ہے اور گیدہ شیر۔ درحقیقت جب میں نے اپنے سوتیلے باپ کو مسخ دیکھا تو مجھ پر یہ اثر ہوا تھا کہ میں اسے ایک مبارک اور طرز کوئی سمجھے گا تھا لیکن جب امتحان کا وقت آیا تو وہ گیدہ سے بھی زیادہ بدظن لگا۔

بہرحال میں اس کے پیغام کو لے کر لہر لہر کے پاس گیا اور اس کو بتایا کہ صوبہ دار مسلح ہے اور اس نے اپنی بددوق کو بھر پور ہے اور اگر اس حملہ کیا گیا یا رہن خانہ میں جانے کی کوشش کی تو وہ اپنا دفاع کرے گا۔ میں نے بھی کہا کہ وہ آخر وقت تک لڑنے کے لئے تیار ہے۔ اس کا ارادہ ہے کہ اپنی عورتوں کو مارا لے اور خود فرار ہو جائے لہذا اب تم خود اندازہ لگاتے ہو کہ اس کے نتیجہ میں کئی لوگ مارے جائیں گے اور میں نہیں کہہ سکتا کہ خوب ناحق اور قتل اور... ان کوں ہو گا؟ اور پھر یہ سمجھو کہ جس کے لئے یہی خطرناک ہے۔ کون جانتا ہے کہ صوبہ دار کی بددوق کا شمار کون کون ہو گا۔ لیکن صرف ایک ایسا راستہ ہے کہ جو مسئلہ کامل ہو سکتا ہے اور وہ یہ راستہ ہے کہ تم گائے کی دم پر ہاتھ رکھ کر حور کو کہ تم کوئی دھوکہ بازی نہیں کرو گے کہ جس سے صوبہ دار کی جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ اگر اس بات کا یقین ہو جائے گا تو پھر وہ باہر نکلے گا اور ہمارے حوالے کر دے گا۔ اس طرح میں نے اس کے اس بدولتہ پیغام کو اپنی طرف سے بھلا چھوڑ کر اس امر تک پہنچا دیا۔

میری اس بات کو لہر نے فوراً تسلیم کر لیا اور فوراً ہی ایک برہمن اور گائے لائی تھی۔

برہمن نے گائے کی دم لہر کے ہاتھ میں دے کر اس پر پانی ڈھنسا اور لشکریوں میں کچھ دیا چڑھی جس کے تقدس کی وجہ سے عہدہ افراد اور خوف سے کانپنے لگے۔ صوبہ دار جو پہلے ساری کارروائی بدولتہ میں چاہی کے سورج سے دیکھ رہا تھا، یہ دیکھ کر مطمئن ہوا اور باہر نکل کر خود کو ان کے حوالے کر دیا۔ لہر نے اس کے سامنے فرمان پڑھا اور اس سے درخواست کی کہ وہ اپنا اسلحہ اس کے حوالے کر دے۔ اسلحہ دیتے ہوئے وہ خود راست بھجکا، مگر پھر خود کو اپنی تقدیر کے حوالے کر دیا۔ شام کو اس نے لہر کو خلیہ طور پر سو بھجوں کی جھیلی بطور رشوت دی۔ جس کی وجہ سے اس کا رویہ بھلاک بھل گیا اور وہ ان بدظنوں کی وہ سے ہمارا غلام بن گیا۔ ویسے تو حقیقت میں ہم اس کے قیدی تھے مگر ان بدظنوں نے اسے ہمارا قیدی بنا دیا۔

وہ سمجھتے تھے کہ میں صوبہ دار کا رشتہ دار ہوں۔ صوبہ داروں بھر زمان خانہ کے دروازے پر بیٹھ رہتا تھا۔ رات کو صوبہ دار کے بستری گھرائی دے آوی کرتے تھے۔ اگر وہ چل قدمی بھی کرتا تو اس کے ساتھ ساتھ سایہ کی طرح سیاہی ہوتے تھے۔ جہاں تک میرا تعلق تھا تو میں آزاد تھا، مجھے اجازت تھی کہ میں شب چاہوں گھر میں جاؤں اور باہر آؤں۔ آخر کار گوالیار سے اطلاعات آئے کہ ہمیں بھرڑوا جاسکے اس کے بعد میرے سوتیلے باپ کو دیوار میں شعلت دیا گیا۔ اس کی انگوٹھ کے ازالہ کے لئے مراہلی زبان میں ایک لمبی چوڑی تقریر کی گئی جس کی وجہ سے اس پوٹھے اور دھن کے کنوڑا گھٹس کو کچھ تسلی ہوئی۔ اس نے اس تمام کارروائی کو خاموشی سے سنا اور آخر میں اس کا سامان ہو بٹا گیا تھا اس کی داہیں کا مٹا بٹہ کیلے اس پر اس سے کہا گیا کہ اس پر کوئی حمل درگاہ نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ اطلاعات میں سامان کے بارے میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ حکومت کے عہدیدار نے اس سے مزید کہا کہ "اگر اس میں سامان کا ذکر ہوتا تو مجھے یہ بتاتے ہوئے خوش ہوتی، بلکہ کوشش ہوتی کہ میں اپنی طرف سے اس میں اور شامل کر کے حوالے کر دوں۔"

تیسرا باب

میر سوظا باب اپنی قبر کے بعد اپنی قسمت پر بڑا مطمئن نظر آتا تھا وہ اپنی مشکلات کا دوسرا وار کچھ تو اپنی تقدیر کو ٹھہراتا تھا اور کچھ اس بد قسمت دن کو کہ جس دن اس نے اپنا سرمذبا تھا۔

میرا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ میں چند توہمت کا ذکر کرنا چاہوں کہ جو بعد میں کے تمام لوگوں میں پیچھے ہوئے تھے۔ اگرچہ بطورے رسول نے ہر قسم کے توہمت کو روک دیا تھا۔ چاہے ان کا تعلق علم نجوم سے ہو یا ایام جالبیہ سے مگر اس کے باوجود مسلمان جوئے مذاہب کی باتوں پر عمل کرتے ہیں۔ نو ماہر قسم کے کام کی پکارا کرنے سے پیچھے علم نجوم کے ذریعہ شگون لینے ہیں۔ چاہے یہ شادی ہو، سفر ہو، چاہے کچھ کی پیدائش ہو، گھر کی تعمیر ہو، قصہ کا کھلوانا ہو یا سرمذبا ہو۔ ہر عمل کے لئے دن اور وقت کا تعین کیا جاتا ہے۔ چاند کے ہر مہینے میں چھ دن شمس خیاں کے جاتے ہیں۔ یہ چھ دن 23 78 73 8 3 اور 28 راتوں کے ہوتے ہیں۔ یہی طرح سات ستاروں کی حرکت کو دیکھتے ہوئے دن اور وقت کا تعین کیا جاتا ہے۔

بعد اور مسلمان دونوں اس کو ماننے ہیں کہ آٹھ ماہ میں پوری دنیا کے گرد ہر سمت میں موجود ہیں۔ لہذا کسی بھی سفر یا کام سے پہلے یہ دیکھ لیتا چاہئے کہ کوئی بد قسم کی سمت میں ہے۔ کیونکہ خدا فیض کے نچو میں ناکاں ہوگی۔ مسلمانوں میں یہ دعویٰ ”رجل الاصابہ“ کہلاتا ہے۔ جبکہ بعد انیس سو سو کی کہتے ہیں۔

ہندوستان کے لوگوں میں ہر چھ سے شگون لینے کی بھی عادت ہے۔ مثلاً اگر کسی کے سامنے سے بلی راست کٹ جائے تو وہ وہیں دیکھ جائے گا اور اس وقت آگے نہیں جائے گا۔ اسی طرح سے اگر اس کو سامنے سے چھینک کی کواڑ ”تے“ کی تو وہ اس سمت میں نہیں جائے گا۔ لیکن اگر وہ اپنے دائیں جانب چھینک دے گا تو اس کے لئے نیک شگون ہوگا۔ پرندوں کی پرواز، ہونٹوں کو دیکھنا اور س قسم کی بہت سی چیزیں اور اشاروں سے شگون لیا جاتا ہے۔

میں نہیں چاہتا کہ اپنے قارئین کا زیادہ وقت اس نیکو اس میں صرف کروں، لہذا اب میں دیکھوں سے بچے سوتے باب کی طرف آتا ہوں۔ اس باب کے ابتداء میں میں نے سے مطمئن حالت میں چھوڑا تھا۔ اس سطر پر اس نے مناسب یہ سمجھا کہ وہ گواہ رہا ہے اور وہاں ہمارا بد دولت والا بندہ کیا کی خدمت میں اپنی درخواست پیش کرے۔ اس مقصد کے لئے اس نے کچھ گھوڑے و اونٹ خریداے اور انہیں اپنے سالے (پہلی بیوی کا بھائی) کے چارج میں چھوڑے۔ ساتھ ہی میں اسے چھ بے ہوش سی ہدایات بھی دیں کہ جن کا ذکر میں دقت آنے پر کروں گا۔

سفر کے لئے چھ شگون دے دئے دن کو مقرر کیا گیا۔ ہم بندہ کیا کے خانہ دان کے ایک امیر کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے جو امین میں اپنے خانہ دان کے لوگوں سے ملنے کے بعد وہاں میں واپس چلا تھا۔ چونکہ میرا باب کا کردار مروج پرستوں والا تھا اس لئے وہ بہت جلد اس کا وفادار ہو گیا۔ اور سفر کے دوران میں اس سے دوستی کر لی۔ ہم صبح سفر پر روانہ ہوئے اور دستور تھا کہ دن بھر چلنے کے بعد چار بجے قیام کرتے تھے۔ یہ وقت تک میں تو جوان تھا سے پہلی میں تبدیل ہو چکا تھا۔ میں ایک خوبصورت گھوڑی پر سوار تھا اور کھوار احوال اور چھوٹے تیرے سے پوری طرح سے مسلح تھا۔ یہ تمام اسلحہ میرے ساتر کا تھا سوائے گھوڑی کے کہ جو میرے ساتر کے مقابلہ میں بڑی تھی۔ میں نے اس کا نام ”میری“ رکھا تھا۔ جب میں اس پر سوار ہوتا تو وہ کسی بھیڑی طرح غامض اور پر سکون ہوتی تھی۔ لیکن اگر میں فوراً بھی جاگ کو جھکا دیتا یا غلطی سے اپنے ہاتھ اڑھٹے کر لیتا تو وہ اس قدر تیز دوڑتی جیسے کہ ٹکلی۔ اندرنا وہ اس قدر تیز اور وفادار تھی کہ اگر کبھی میں گر جاتا تو وہ میرے پاس کھڑے ہو کر انتظار کر لے کہ دوبارہ اس پر سوار ہوں۔

ایک مہینہ کے اندر اندر ہم گریار بندہ کیا کے کیمپ پہنچ گئے۔ وہ حقیقت اس کو کیمپ کتا لڑائی ہے کیونکہ وہ باقاعدہ سے شہر تھا کہ جس میں سرخ چمڑے گاڑے اور چھڑے کے بچے ہوئے مکانات تھے اور ہمارا بد کا محل شہر کے چھ میں تھا۔ اس کی آبادی اس وقت تقریباً تین لاکھ ہوگی جس میں مسیح سابق اس آبادی کا تیسرا حصہ ہوں گے۔ یہاں وہ سو سالہ تھے۔ تو میں ہر وقت تیار رہتی تھیں۔ ہم نے ہمارا بد کے ایک خدمت دار کی خدمت میں۔ یہ خدمت دار ایسی جگہ پر لکھیا اور وہ مجھے تک پہنچا کسی اہم عہدے دار کے۔ جس میں تین تیرے رجب اس عہد میں میرا سوظا باب کو پیش کرتا ہوا کہ وہ اہم اور چھڑوں سے قومی تعلقات قائم کرے۔ آخر کار ایک ہزار روپیہ تقسیم کرنے کے بعد وہ

اس میں کامیاب ہو گیا کہ اس کا دربار سے بلاوا آ گیا۔

مقررہ دن پر ہم حاضری دینے روانہ ہوئے۔ ہمارا جہاں ہمیں دیکھ کر اپنی گدی سے اٹھے اور اپنی شائستگی سے اپنا ہاتھ اٹاری طرف بڑھایا۔ ہم نے جھک کر حلیت سے ہاتھ کو چھوا۔ ہمارا جہاں کی گفتگو اس قدر پر اثر و دلکش اور خوبصورت تھی کہ میرا سوتا باپ اس کو سن کر مبسوت ہو گیا اور اپنی ساری شکایات بھول گیا۔ لیکن صاف صاف کہنے کے بجائے اس نے اپنے سلمان کے بارے میں اشارے صورت کر دیے۔ ہمارا جہاں نے یہاں یہ کیا کہ جیسے اسے اس کے بارے میں کوئی علم ہی نہیں ہے۔ پھر میرے باپ کو خوش کرنے کے لئے اس نے حکم دیا کہ اس کے تمام بھائی جات صیبت کے آخر تک ادا کر دیئے جائیں اور وہ خود کو بوڑھے لکھ کے مرنے کے بعد سے ہمارا جہاں کا حازم قصور کرے اور یہ کہ ہمارا جہاں نے اسے اپنے پے پیچہ درباریوں میں منتخب کر لیا ہے۔ ان باتوں نے بوڑھے شخص کو غرور غور کے حدیث سے بھر دیا اور اس کا منہ مزہ شکاریوں سے بند ہو گیا اور سوائے شکاری کے الفاظ کہ وہ اور کوئی لفظ ادا نہیں کر سکا۔ شکاریہ کے طور پر وہ مسلسل سلام کرتا رہا اور جھٹکا رہا۔ اسی دوران ایک عرصہ کے اشارے پر علم پان، گلاب کا پانی اور شمت ہمارے لئے دیا گیا۔ جب ہم رخصت ہو رہے تھے تو ہمارا جہاں نے مسکراتے ہوئے میری طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ میں کون ہوں؟

"یہ میرا لڑکا ہے" بوڑھے آدمی نے جواب میں کہا۔ اس پر ہمارا جہاں نے کہا "یہ خود اپنے بارے میں ہائے قریب ہے۔"

یہ سن کر میں نے ہاتھ ہلڑ کر عرض کیا، "میں یہاں نے جو کچھ کہا ہے اس پر جناب عالی یقین فرمائیں" کیونکہ والدین کو اس کا حق ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کے بارے میں پوچھیں۔

میرا جواب اگرچہ سدا سا تھا مگر اس سے ہمارا جہاں کو احتمالی خوشی ہوئی اور اسی خوشی کے عالم میں اس نے مجھ سے دوسرے سوال کر والا۔ تیسری اپنی پیدائش کے بارے میں کیا رائے ہے؟

میں نے جواب میں کہا "جناب عالی میں ابھی نو عمر ہوں" اور اس کاٹل نہیں ہوں کہ اس جیسے اہم موضوع پر اپنی رائے دے سکوں۔"

اس کے بعد ہمارا جہاں نے میرے سوتیلے باپ سے پوچھا کہ کیا میں لکھ پڑھ سکتا ہوں؟ اس کے جواب میں اس نے میری لپٹ و لیاقت کی خوب تحریف کی۔ اس پر ہمارا جہاں نے

صیبت کا انکدار کرتے ہوئے میری خلعت میں حافطہ اور سہلی کی کتابیں اضافہ کرانیں جو سب تک بطور یادگار میرے پاس ہیں۔

اس کے بعد ہم گواپور میں آکر ہو گئے کہ جہاں ہمارا وقت صیبت اچھا گزارا۔ بوڑھے صیبتدار کے حاضرت کے فرائض صیبت کم تھے۔ اسے صیبت میں عین مرتبہ ہمارا جہاں کے ساتھ شکار پر جانا ہوتا تھا اور صرف تین مکھڑ مسخ ہو کر بطور محافظ کے ہمارا جہاں کی خراباگاہ پر پہنچا دیتا ہوتا تھا۔ یہ ذمہ داری صرف کافی اعتماد و در اور شریف لوگوں کو دی جاتی تھی اور میں "بک" کہا جاتا تھا یعنی تھا آدمی ایک گھوڑے کے ساتھ۔ اسے اپنے جھڑے کے معتدب دور سے مل کر تھلا کر کم سے کم گھوڑا پانچ روپیہ اور تھلا دے نوادہ تین روپیہ دوا دے تھی۔ انکے ملازم حکومت کی جانب سے کھانا فراہم کیا جاتا تھا اور ملازم میں دو مرتبہ تھقی لیاں۔ بکوں کی سدا ایک سو ستائیس سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ میرے سوتیلے باپ کی تحوار سب سے کم تھی پانچ روپیہ روز تھی۔ مگر یہ عرصہ کافی عزت تھا اس لئے وہ نہ صرف یہ کہ خوش تھا بلکہ اسے فخر تھا کہ وہ اس پر قادر ہے۔

ابھین سے ہماری فیروز خدی کے دوران گھر سے کئی خطوط آئے۔ ایک خط میں طالع دی گئی کہ ہمارے ہاں لڑکا ہوا ہے۔ اس خبر کو سن کر بوڑھے شخص کو بے انتہا خوشی ہوئی اور اس نے کمپ کے تمام امراء کو ایک شاندار دعوت دی کہ جس پر اس کے وہ ہزار روپے خرچ ہوئے لیکن وہ تھے جو اسے ہمارا کھاد کے طور پر دے گئے ان کی قیمت ان سے اخراجات سے زیادہ تھی یعنی تین ہزار روپیہ۔ اس کے بعد سے اس کا رویہ میری جانب بدل گیا اور اس نے بات بات پر مجھے بھڑکنا اور صحت حامت کرنی شروع کر دی۔ وہ میرے لئے اس قدر گندی زبان استعمال کرنے لگا کہ میرے لئے اس کو بدولت کرنا مشکل ہو گیا۔ اب وہ اپنا وقت دن دوستوں کے درمیان اور ایک بڑے دوست کی بیوی کے ساتھ گزارنے لگا۔ اس نے خود اپنی ذہنی پر بھی جانا چھوڑ دیا اور اپنی جگہ مجھے بیٹھنے لگا۔ جب میں گرم ہوتا تو اس کے دوسرے ملازموں کی طرح مجھے بھی رات کو تین مکھڑ بطور سستی فرائض دے دیتا۔ یہ ہوتے۔ اس بڑے سلوک کی وجہ سے میں ادا رہنے لگا۔ اس سے میں نے یہ سمجھ لیا کہ اس تمام حالات سے اپنی ماں کو آگاہ کر دوں اسے میں نے یہ بھی لکھا کہ میں اس کے خیال سے بھاگ جاؤں اور اگر میں بھاگ نہ سکا تو پھر میرے لئے اس کے اور کوئی راستہ نہیں رہے گا۔ بد قسمتی سے مولانا کیپ کے پوسٹ ماسٹر نے میرا یہ خط پکڑا لیا۔ ہوا یہ کہ بوڑھے شخص نے پوسٹ آفس سے اپنے ایک

اس کے سلسلہ میں مطوعات کہیں "اس پر پوسٹ ہاسٹر نے جواب دیا کہ اس کے مل کے سلسلہ میں اب تک کوئی خط نہیں آیا ہے" اور اس نے وہ دن پسے اسے جو خط بھیجا ہے اسے وہ فوراً آگے روانہ کرنے والا ہے اور امید کرتا ہے کہ اس کے جواب میں سے انہیں خبر ملے گی۔ "انکر میں نے تو کوئی خط نہیں بھیجا ہے۔" صوبہ دار نے کہا "یہ کسی اور کا ہوگا۔" "اس پر میرا خط لایا گیا" اسے کھولا اور چھا گیا۔ یہ خط سن کر میرا سوچنا چاہے سے لاپتہ ہوا واپس آیا۔

جیسے ہی وہ اپنی پگلی سے اترتا اس نے مجھے آواز دے کر بلایا۔ جب میں اس کے سامنے گیا تو اس نے عمارت کے ساتھ کھڑے ہو کر "خدا کے خود پر میرا استقبال کیا۔ اس وقت تک مجھے بالکل انداز نہ تھا کہ کیا ہوا ہے" اس نے اس کے اس رہنے سے میں پریشان ہو کر اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔ اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر بڑے استوارانہ انداز میں کہا "میرے دوست" تمہارے لئے ایک خط ہے "میرا ہی کر کے ذرا اسے دھو تو سہی۔" میں نے اس کے ہاتھ سے خط لیا اور اسے دیکھ کر مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ میرا ہی خط ہے۔ لہذا اس کے حکم پر عمل کرتے ہوئے میں نے اسے کھولا اور اس پر ایک نظر ڈالی۔ اگرچہ میں اپنی موت کے یقینی ہونے پر ڈر اور خوف سے رز پڑ گیا تھا لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ میرے لئے اس صورتحال سے بچنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ مجھ میں اچانک بہت اگلی اور مجھے قاری کی ایک ضرب المثل یاد آئی کہ "مہاروی کے ساتھ لڑنا بدلی کی دھمکی سے بھرتے ہیں۔" لہذا میں نے اسے بتایا کہ ہاں یہ میرا ہی خط ہے اور میں نے اسے پوسٹ ہاسٹر کو دیا تھا کہ وہ اسے میری ماں کو بھیجائے "کسی کو اس بہت کی اجازت نہیں تھی کہ وہ اسے کھولے اور اس کے متن سے واقفیت حاصل کرے۔"

میرے اس جواب نے اس کے غصہ کو اور بھڑکا دیا۔ "بدمعاش! تم نے ایک ناقابل عملی جرم کیا ہے" اور ساتھ ہی میں تم انتہائی بے شرم بھی ہو۔"

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور مجھے وہ عین دور دار کے امید کئے۔ اس سے بھی اس کا دل نہ بھرا تو اس نے مجھے گرا کر کئی لائنیں دہرائیں۔ یہاں تک کہ وہ تھک گیا۔ میں ان چوڑوں سے بے ہوش ہو گیا "اس لئے مجھے بھر کی مہینت کا پتہ نہیں چلا۔ جب مجھے ہوش آیا میں اسپتال میں اپنے بستر پر بیٹا ہوا تھا" اور سانس خوشحال میرے پاس کھڑا تھا۔ میں نے پیسے کو ہائی "اٹا" اس شریف آدمی نے فوراً گلاب کے حق کا شربت مجھے پینے کو دیا۔ میں اس شربت کو بہت کم پی سکا کیونکہ چوڑوں سے میرا چہرہ جسم ٹوٹ رہا تھا۔ میں وہ دن

اور دو رات گہری نیند میں فرق رہا۔ یہاں تک کہ مجھے زبردستی اٹھایا گیا۔ میں نے ہنسنے اپنے جسم کو حرکت دی اور ساتھ ہی عہد کیا کہ اس "مٹی قضا کی کا چہرہ بھی وہاں نہیں دیکھوں گا۔ اس نے بعد میں اپنی عہد کا اظہار کرتے ہوئے میرے لئے مطالب اور دوسری کھانے پینے کی اشیاء بھیجیں "مگر میں نے ان کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ خود یہ سب سانس کے حوالے کر دیں۔ اس عرصہ میں "میں نے ملازموں سے سادی روٹی سے کرکٹائی" اور لکڑیے پانی پر گزارا کیا۔ اس طرح سے چند دن گزرے گئے مگر سخت تکلیف کی وجہ سے میرا جسم ابھی تک سن تھا۔ مسلسل سوچنے کی وجہ سے میرے دماغ میں ہزاروں قسم کے منصوبے آ رہے تھے۔

اس دوران سٹری کے فرائض ادا کرنے کے لئے اس کی باری آگئی اور اس بدعاش نے کہ جسے اپنے کئے پر کوئی انصاف نہ تھا "اپنے ملازم سے کہلایا کہ اس کے بدلہ میں یہ ڈھولی لڑا کروں۔ میں نے جواب میں کہلایا کہ میں اس کا کل نہیں کہ یہ فرض لڑا کر سکوں۔ جب اس کو یہ جواب ملا تو وہ خود مسخ ہو کر ڈھولی دینے چلا گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر میں نے چند روٹیاں لیں، حافظہ سہری کی کتاب جو مہاراجہ نے دی تھی اس کو سنبھالا اور اپنی چھٹی کھارے کر آلودہ کی رہا۔

بچپ کو چھوڑنے کے بعد میں نے گہرا جاننے کے راستے کو اختیار کیا۔ جو کہ گوالیار سے جیسے میں کے حاصل پر ہے۔ اس خیال سے کہ میرا بچپا نہیں کیا جائے میں نے شہزادہ کی برائے جنگوں کا راستہ اختیار کیا۔ میں اس قدر تیز چلا کہ جتنا میری طاقتیں میرا ساتھ دے سکتی تھیں۔ "میں نے اسے قتل کیا ہوا کہ میرا کسی اور سے واسطہ نہیں پڑا۔ سوائے جہد ہوں کے جو درجہ کے سائے میں بیٹھے اپنے مویشیوں کو چرتا ہوا دیکھ رہے تھے اور ساتھ میں اس کے وہاں رہتے تھے۔ وہیں "میں نے ایک سایہ دار غم کے درخت پر درخت کے کنارے تھا وہاں آرام کیا۔ میں نے دھو کر کے چادر بچھائی اور اس پر اپنا قرآن شریف کتابیں اور روٹی رکھی۔ ایک جہد ہوا جو قریب درخت کے نیچے بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا "وہ میرے اپنے کتے کے دہل سے اٹھا اور مجھ سے تھوڑی دور کے فاصلہ پر اپنے ڈھولے کے سار کھڑا ہوا۔ "خمس کے ساتھ مجھے گھورنے لگا۔ اس کا کتہ بھی اسی کی طرح مجھے دیکھ رہا تھا اور ساتھ ہی میں اپنی دم ہلا رہا تھا۔ میر خیال ہے کہ روٹی کی خوشبو کی وجہ سے اس کی بھوک بڑھ گئی ہوگی اور وہ میرے ساتھ اس روٹی میں سے اپنا حصہ ملانا چاہتا ہوگا۔ اس وقت مجھے شدید بھوک لگی ہوئی تھی "مگر پھر بھی میں نے روٹی کا ایک ٹکڑا کئے کو دیا اور باقی خود کھا

نے میری لہجہ کو بڑے غور سے سنا اور پھر آنکھوں کی آنکھوں میں
 میری حاضری کی اور پھر کہنے لگا "جیسے آپ کی مرضی"۔ اس کے بعد میں نے

میں نے جواب میں کہا کہ "خاتون! مجھے اور کوئی نہیں ملے گا، لیکن اگر کوئی مل بھی جائے تو قصاصہ کے مقابلہ میں میرے نزدیک اس کی ایسی حیثیت ہوتی جس کی سوج کی روشنی کے مقابلہ میں یہ کہ۔" میرے ان خوشامدات جملوں سے اس کے خوبصورت چہرے پر ایک جگہ کی مسکراہٹ اُن اور اس نے اپنے برقع سے چہرہ بالخصوص اپنی اڑھتے ہوئے کہا کہ

لذا تم تین چار گھنٹے کے لئے سو جاؤ، اس وقت تک میں چوکیداری کروں گا، پھر تمہیں اٹھ کر میں سو جاؤں گا۔"

میں نے جواب میں کہا "بھائی! اتفاقاً" میری ننگی جمل گئی ہے جس کی وجہ سے مجھے اس قدر تکلیف ہے کہ میں سو نہیں سکتا، لہذا پہلے تم سو جاؤ، میں چوکیداری کرتا ہوں۔ جب مجھے نیند آئے گی تو تمہیں بھادب لگے۔"

اس پر وہ بسا میری جھنجھکیاں نہیں کرتے ہوئے فوراً سو گیا اور اس قدر دیر نہ رہے غراٹے پئے لگا کر چپے کوئی جانور غراٹا رہا۔ میں اس وقت کی اپنی لکھت کو بیان نہیں کر سکتا جو اس کی باتیں سن کر میرے دل پر پڑی۔ میری انگلی کی ہر تکلیف قہریں اس سے زیادہ میرے دماغ کو صدمہ تھا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ جب میں نکلے گیا تو میرے ننگے جسم کو دیکھ کر اسے یقین آیا کہ میرے پاس مکہ میں ہے اور اس لئے میری جان بچ گئی، ورنہ یہ بھی کا مجھے مگر گھوٹ کر ہلا ڈالتا۔ میرا دل تو یہ چاہتا تھا کہ میں اپنی نکواری سے اس خبیث کام کو کٹ کر اسے جہنم رسید کر دوں کہ جہاں طلبہ دینے والے لڑتے اس کا ہے جیسی سے تنقید کر رہے ہوں گے، لیکن میں نے ایسا نہیں کیا کہ اس صورت میں میں قتل کے جرم میں پکڑا جا سکتا تھا کہ جس سے دوسرے کے دماغ میں اسے ہلا ڈالتا۔ میں اس اور جہنم میں تھا کہ خدا خدا کر کے رات طم ہونے پر اُٹھ اور میں نے صبح نماز پڑھنے کی بجائے صبح کی خاموشی سے اٹھا، مسجد سے باہر آیا اور وضو کر کے نماز پڑھنے کے بجائے میں نے گہڑ کی طرف تیزی سے بھاگنا شروع کر دیا، اور تقریباً میں صبح میں دو میل کا فاصلہ طے کر لیا۔ میں بھی بھیچے مڑ کر دیکھ لیتا تھا کہ کہیں جو تو میرا خاقان نہیں کہہ رہا ہے۔ میں جس دلت شہر پہنچا ہوں تو دوڑا نہ کھینے ہی والا تھا۔ دوڑا نہ کے چوکیدار اور سپاہیوں نے جب مجھے پھانسی سے لٹکا کر دیکھا تو مجھ سے اس طرح سے آنے کی وجہ دریافت کرنے لگے۔

میں پریشانی اور گھبراہٹ کے عالم میں صرلہ پہ کرہ سکا کہ "سبحہ للک"۔ اگرچہ میں نے اس سے آگے کچھ نہیں کہا مگر اس کا نام سن کر ہی سپاہی چمکے ہوئے انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ اس پر میں نے انہیں جگہ کا پتہ بتا دیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں ان کے ساتھ چل کر وہ جگہ بتاؤں۔ اس پر میں نے اپنی مجبوری ظاہر کی۔ انہوں نے زور پوچھ کر کہنے کے بجائے اس جگہ کا راستہ بتا کر جہاں میں سو رہا تھا۔ اس دوران میں مجھے راجست کے وزیر نے بلا سمجھا اور مجھ سے پوچھ بچھ کی اور جب

میری تھکن ختم ہو گئی تو میں نے دیکھا کہ جو گورگزار کر کے اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا اس کو مارا پھا گیا اور یہاں تک کہ اس کے پورے جسم کو نکواری سے چید ڈالا گیا۔ اس کے بعد حاضرین نے اس کے چہرے پر تھوک۔ جب اس کی علاقہ ن گئی تو اسکے پاس سے جو رقم برآمد ہوئی، وہ فوراً ضبط کر لی گئی۔ پھر اسے فوراً ہی ایک بیٹی قہر کے منہ سے ہانڈ کر ادا کیا گیا۔ اس طرح اس کا پانچ روپہ اس دنیا سے ختم ہو گیا۔

وہاں سے میں ایک کتوں تک گیا اور وضو کرنے کے بعد خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے ایک بیٹی آفت سے بچا لیا، اور غلوں کے ساتھ خدا تعالیٰ سے معافی مانگی کہ میں نے خدا کو توڑنے کا جرم کیا ہے اس کی مجھے سزا نہ ملے۔

خدا کے حضور میں اپنی یہ التجائیں پیش کرنے کے بعد، میں نے آگ جلائی کہ میں اپنے فائدہ کے لئے تھوڑے سے کیہوں، بھون سکوں۔ انہیں بھون کر میں نے اطمینان کے ساتھ انہیں کھانا شروع کر دیا۔ میرا مدد تھا کہ اس دن میں زیادہ سڑکوں پر اس وقت تک میں انہیں لوگوں سے بدھمن ہو چکا تھا اور میرا ارادہ تھا کہ اگلی ہی تیزی کے ساتھ سفر کر دوں۔ میں جیسے ہی چلنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ میں نے دیکھا ایک سپاہی میری طرف آیا ہے۔ اس کو آتے دیکھ کر میں رو گیا اور میرے دل میں کئی دوسرے جنم لینے لگے۔ میرے ذہن میں یہاں خیال تو یہی آیا کہ شاید کوئی گوالیار سے مجھے لینے آیا ہے۔ انہیں شہر ہو گیا کہ میں جوہر کے ماحیلوں میں سے ہوں، اس صورت میں شاید مجھے بھی وہی سزا ملے یا مجھے قید کر دیا جائے۔ لیکن میرے یہ تمام خدشات اس وقت دور ہو گئے کہ جب سپاہی نے میرے قریب آکر مجھے ارب سے سلام کیا اور کہا کہ وزیر صاحب مجھ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ میں اس کے ساتھ دوبارہ میں گیا اور اس جگہ بیٹھ گیا کہ جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔ وزیر نے میرے دوبارہ میں میرا شکریہ ادا کیا کہ میں نے اس بد معاش ظالم کے خلاف میں نے کی ہدایت جس سے کئی لوگوں کی جان لی گئی اور اگر وہ زندہ رہتا اور بھی کئی اس کی کاٹھڑ ہوتے۔ اس نے اپنے فراموشی کو ختم کیا کہ وہ ان ایک سو بارہ اشرفیوں میں سے ہے جو اس ملک سے میں قہریں مجھے ہارے شریفوں سے دے دے۔ شہر کے طور پر میں صبح کو لوٹ بھاگ لایا۔ فراموشی نے جب اشرفیاں دیں اور میں نے انہیں گنا تو یہ بارہ کے لئے۔ میں نے سوالیہ طور پر اس کی طرف دیکھا تو اس نے کہا کہ وہ اس نے مجھ کے طور پر لے لی ہیں۔ اس کے بعد میں مزید کوئی سوال نہیں پوچھا اور وہاں سے چلا گیا۔

پہلی مرتبہ ہمب میرے پاس دس اشرفیاں آئیں تو میں نے خود میں 'احمد' فرود اور فخر کے جذبات کو محسوس کیا اور یہ خیال کہ انسان کو خدائے مطلق پر بھروسہ کرنا چاہئے اور اس کے سہارے زعمہ رہنا چاہئے۔ مجھے فضوں سا معلوم ہونے لگا اور جیسا کہ ٹیکسٹر نے کہا ہے اس 'مشرقی شیطان' نے اپنے مالک پر سحر اثرات دانا شروع کر دیئے لیکن ان کے آتے ہی میرا ڈر اور خوف اور تپانہ بڑھ گیا۔ اس سے پہلے مجھے صرف اپنی جاں کا خطرہ تھا اب پندرہ اور چل دوڑوں کا خطرہ ہو گیا۔ یہ قاتل وحشت کر جس کی محبت میں ہر ایک گرفتار ہے اس کے حسوں کے لئے وہ ہزاروں جتن کرتے ہیں اور وہ نے جس مخلوق کو اپنے ہاتھوں سے بچا ہے اس کو حاصل کرنے میں اسے چہ و چہاد کر جاتا ہے۔ اب میں اس بات پر مجبور ہوا کہ عام شاہراہ پر سفر کروں اور اکیلے کے بجائے کسی قافلہ کے ساتھ رہوں کیونکہ یہ میری اس دولت کی حفاظت کے لئے ضروری تھا جو مجھے جی پی ٹی ملی تھی اور جسے میں نے غلیظ طور پر چھپا رکھا تھا۔

مظہر یہ کہ ملت دن میں سخت سخت اور چھیدہ سڑک کے بعد میں قدم بھر کے قریب و جوار میں پہنچ گیا۔ میرے پاس جو روٹی تھی اس پر محنت جینی کی برکت تھی کہ جس کی وجہ سے میرے ایک ہفتے کے خرچ میں اس کے تین حصہ لکائے جبکہ چھ حصہ اس کا اب بھی باقی تھا۔ لیکن بچی بات یہ ہے کہ راستہ بھر میں کھتوں سے گیلوں کی بالیاں توڑ کر اٹھیں بھوں کر گناہاں دیں۔ اس پورے سفر میں یہ میرا سب سے عمدہ و لذیذ ہفتہ تھا اپنی غلامی سے آزاد ہونے کے بعد اس مختصر سے سفر میں مجھے پہلی بار اپنی آزادی کا احساس ہوا اور اس سے جو خوشی ہوئی اس کو سوچ کر آج بھی میں لذت محسوس کرتا ہوں۔

صبح کی چل قدمی کی یادیں 'صاف شفاف پانی سے وضو کرنا' جنگ کی خاموشی میں کسی اچھے سے درخت کے سایہ میں کہ جس کا انتخاب میں کرتا وہیں عمر کی قمار پڑھتا اور ہر قمار کے بعد سرسبز جنگی فرش پر جو مسرت نے ہر طرف بچھا دیا ہوا تھا اس پر آرام کرتا یہ تمام یادیں آج بھی خوشی و مسرت کا باعث ہیں۔

شہر کے قریب پہنچ کر میں ایک سلیہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور درختوں کے درمیان سے بڑھ ہوئی ہوئی قدیم عمارتوں کو دیکھ کر ان کی شان و شوکت سے بے انتہا متاثر ہوں دیکھ کر وقت میں شرمیں و غل ہوا اور اسے مرحوم باپ کے رشتہ دار کو تلاش کرنے لگا۔ جب میں اس گھر پہنچا تو دوا نے بے ایک کتیرے اگر پوچھا کہ میں کون ہوں۔ میں نے اسے جواب دیا کہ میں مولوی محمد اکرم کا بیٹا ہوں کہ جس کی پہلی شادی اسی گھر میں

ہوئی تھی۔ میرے اس پیغام کا فوری طور پر اثر ہوا اور دوا نے پر ایک شخص آیا کہ جس کے ہرے پر دانشمندی ظاہر ہوئی تھی۔ اس نے بیوی تفصیل کے ساتھ میری سوتیلی بہنوں کے بارے میں پوچھا۔ میرے اکاؤنڈاد کے نام معلوم کئے اور ان کو لپچہ ہاتھ میں لئے ہوئے ایک ہرجے سے مقابلہ کیا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ میں واقعی اس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں تو وہ مجھ سے بھل گیا اور مجھے گھر کے اندر لے گیا جہاں عورتوں نے مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اس کے بعد مجھے ایک بڑھی خاتون سے ملایا گیا جو میری سوتیلی دہری تھیں جس نے فوراً میرے چارچ لے لیا۔ مجھے ہر اس شخص سے کہ جو مجھ سے ملتا تھا اسے اپنی کھلی کھلی ہوئی تھی۔ لہذا میں نے اس مقصد کے لئے اپنی کھلی کو انتہائی مختصر کر کے چند جملوں میں محدود کر دیا۔

میں یہاں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ اس شریف خاندان نے مجھ پر لاتعداد احسانات کئے ہیں ان کا اس صبر و لازی بہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جو انہوں نے مجھ اچھی کے ساتھ کی۔ میں یقیناً اس کے لئے اپنی ہی قاتل کیونکہ میری سوتیلی ماں کے مرنے کے بعد میرے اور ان کے درمیان رشتہ کی وجہ ختم ہو گئی تھی۔ وہ بڑھا شخص ایک سکول میں استاد تھا۔ لہذا میری تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اس نے اٹھائی۔ تعلیم کی نگرانی شہر کی پابندی اور محنت کی وجہ سے میں اس کا پندیرہ شاگرد ہو گیا۔ جس کے دن وہ مجھے یہ دیکھتے تھے کہ میں جس طرح سے چاہوں قہرچا کروں۔ لیکن کھیلنے کے بجائے میں اپنے دوستوں کے ساتھ شہر کی قدیم عمارتوں اور پھاٹک کی سیر کو چلا بیٹھ کر رہتا تھا۔

آگرہ کا تاریخی اور قدیم شہر تھا دہلی کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ دہلی کے جہاں آگرہ کے سوائے تین صدیوں کے مقدس دیوار ہیں۔ آگرہ کے قریب ان کا کھم تری جی یا ہے۔ یہ ان کے نزدیک انتہائی پاک مقام ہے کہ جہاں غسل کرنا ہر شخص کے تمام گناہ و گنہگار سے صرف تین گنا گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔ آگرہ بادشاہ کے دور حکومت سے آگرہ کا نام آکر ہو گیا ہے اس نے شہر کو ترقی دینے میں بڑی دھن دی تھی اور میرا سے پتا دار حکومت کا یہ شہر ہے۔ آگرہ بڑا دار اور دار حوالہ ہیں۔ لیکن گلیاں بڑی تنگ اور چھیدہ ہیں۔ شہر کی گلیوں سے نہیں کیا جا سکتا ہے۔ سوائے ایک کہ جو قلعہ سے سترہ گز دور ہے۔ شہر کا ایک بڑا حصہ ان دلوں میں دیوان پڑا ہوا تھا۔ یہاں سے شہر کے خاندان میں شہنشاہ آگرہ کا مقبرہ ہے۔ اگر قارئین کو اس حکیم بادشاہ

کے بارے میں جاننے کی خواہش ہو تو میں سفارش کرتا ہوں کہ وہ ابو الفضل کا لکھا ہوا اکبر نامہ پڑھیں جس میں اس کی دانشمندی، مباحث اور سیاسی سوچ وچہ کی تفصیلات ہیں۔ اس میں اس کی فوجداری سے لے کر جبکہ وہ بیوہ سل کا تھا۔ اور حکومت کی اور داریوں کا بوجھ اسے سنبھالنا پڑا تھا اس کی 35 سال کی عمر تک کا ذکر ہے کہ کس طرح اس نے مستقل مزاجی کے ساتھ حکومت کی اور بلاآخر اس دنیا کو چھوڑ کر دوسری دنیا میں چلا گیا کہ جو بیٹیاں اس سے بکتر ہے اور وہ وہاں بیٹیاں کلمات و حروف کے درمیان پڑی صورت میں زندہ ہوا ہوگا۔

اگر اس لئے بھی مشہور ہے کہ یہاں شاہ روزگار ابو الفضل اور اس کا بیٹا فیضی پیدا ہوئے۔ فیضی کے علم و اہانت کی وجہ سے وہ اس کی احساں مدد ہے کہ اس نے گیتا، معاہدات اور دلائل جیسی کتابوں کا مستحکم سے ترجمہ کیا اور ابو الفضل کا کارنامہ ہے کہ اس نے ہندوستانی امور و محلات و قوانین اور انتظام سلطنت پر آئین اکبری جیسی کتاب لکھی۔

میں یہاں اپنے قارئین کی توجہ اکبر بادشاہ کے دور حکومت کی طرف دلاتا چاہتا ہوں کہ جس کا اٹھارن سالہ دور حکومت ہندوستان کے لئے باعث رحمت تھا۔ اگر اس کے جانشینوں میں اس جیسی آدمی سمجھ بھی ہوتی تو کچھ یہ ملک غیر ملکوں کے قبضہ میں نہیں ہوتا۔ سلطنت کا بوجھ اس کے کندھوں پر اس وقت پہنچا تھا جب کہ وہ بیوہ سل کا تھا۔ اس کو بہن میں رکھنا ہوگا کہ ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک پر حکومت کرنا اس عمر کے بچے کے لئے بڑی آسائش نام نہ تھا کیونکہ اس کے والد میں انگلیں کے تھیں قابل اور درشن خیال سیاستدانوں کے لئے بھی جس کی مدد کے لئے مشیروں کی کونسل ہے۔ ہندوستان پر حکومت کرنا مشکل ہوتا ہے۔ جب اس نے حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالی تو پورے ملک میں انتشار و بے چینی تھی لیکن لاجپان سکران کہ جس میں مورخوں کے مطابق تین خصوصیات تھیں یعنی ہمت، شجاعت اور دورری۔ اس نے خود کو بہترین جرنی اور قابل احزام بادشاہ اور قابل قدر سیاستمدار ثابت کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے حکومت کے نظام کو اس بنیاد پر چلا رکھا کہ اس نے دنیا اور دوست بھی اس کی محبت میں گردنار ہو گئے۔ اس کی شخصیت کی تعریف نہ صرف ایشیا کے مورخ کرتے ہیں بلکہ یورپی مورخ بھی اس کی شان میں وعب اللہان لکھتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خداوند تعالیٰ نے اسے بڑی نیک نامی عطا کر دی ہے۔

شہر کا قلعہ مضبوط قسم کے سرخ پتھر کا بنا ہوا ہے۔ پتھر گولیاں پتھوں کی کان سے رمل کیا گیا تھا۔ اس کی ساخت کی گہرائی کافی ہے۔ اس کی دھری فصیں ہیں در تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر برج بنے ہوئے ہیں۔ ہندوستان کی مشہور عمارتوں میں سے ایک ممتاز محل ہے جسے مہمل عام لڑاں میں تاج محل کہا جاتا ہے۔ یہ ہندوستانی سمادوں کا ممتاز کارنامہ ہے۔ اسے خالص سفید سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے اور اس پر نازک نقش و نگار ہیں۔ اس میں استعمال ہونے والا مواد اچھائی قیمتی ہے اس کا ڈیزائن سادہ ہے مگر اس کا اثر دیکھنے والے پر عجب ڈالتا ہے۔ خوبصورتی میں تمام ہندوستان میں اس جیسی کوئی عمارت نہیں ہے۔

اس کو تعمیر کرائے والا شاہ جہاں تھا جس نے اسے اپنی بیوی ممتاز محل کی یاد میں بنوایا۔ ممتاز محل ایک قابل خاتون تھی اور بچے ولادت کی سب سے خوبصورت عورت تھی۔ یہ اس کا مقبوضہ ہے۔

اس وقت اگرہ کی آبادی جیسا کہ مجھے یاد کیا ہے 'اکھ ہزار تھی' 1803ء میں دولت سرحد میں سے لڑا ہیک کے حوالے کر دیا تھا۔

میں اس شریف خاندان کے ساتھ پانچ سال تک رہا یعنی 1817ء تک۔ اس عرصہ میں میرے بچے سکول میں پڑھتے تھے۔ اس زمانہ میں اس پڑھنے آئی نے کسی دوست سے بڑے بچے پر بڑے بچے پر کہ میں نے اس قدر تعلیم حاصل کر لی ہے کہ اب میں اپنے والدین کی خدمت میں آکر رہوں تو وہ میرے لئے اگر بڑی ملامت کا کچھ نہ دے۔ اس وقت میں نے اس وقت میں اس علاقہ میں قائم ہوئی ہے اور اس کو اپنی موت کے بعد میرے بچے کو میری بیوی کا بیٹا دیا۔

اس نظام کے تحت میں نے اپنے بچوں کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں زندگی بھر اس کے ساتھ رہوں گا۔ اس وقت میں اس قابل نہیں کہ اس کی خدمت میں آؤں۔ لیکن اگر مجھے وقت ملا تو بیٹیاں میں اس کے کام آؤں گا۔ میں ایک دوست در شہر کا تعلق ہے تو میں اس وقت ان دونوں باتوں کو پورا کرنے سے محذور ہوں۔ یہ میری خواہش ہے کہ میں سب سے پہلے انہیں جا کر اپنی ماں سے ملاقات کروں۔

چوتھا باب

فروری 1817ء میں دولت راج سندھ کے بھائی بندو راج کا حکیم رحمت اللہ بیک خان دہلی جاتے ہوئے سفر میں تھیں۔ چونکہ وہ اس پرانے شخص سے گراں قدر سے واقف تھے اس لئے اس سے ملنے آیا۔ اس موقع پر مل نے بھی اس سے ملاقات کی۔ مل نے اس سے درخواست کی کہ اگر میں کسی بھی حیثیت میں اس کے کام آسکا ہوں تو اس کے ساتھ سفر کرنے پر تیار ہوں۔ اس نے مہربانی کرتے ہوئے مجھے کم محظوظ پر اپنی ملازمت سے ملا میرے بعد اس کی دہلی اور گجرات امور کی دیکھ بھال تھی۔

اپنی اس غیر معمولی کامیابی پر میں خوشی خوشی گمراہ ہو گیا اور یہ غلط فہمی اپنے مہمان کو سنائی۔ اسے سن کر وہ اور گھر کے تمام افراد کہ جن کے ساتھ میں پانچ سال تک رہا۔ میرے جد بولنے کے خیال سے اسکو ہو گیا جس دن میں دھست ہو رہا تھا اس دن میں نے دس اشرفیاں اور چند روپیہ جو اس وقت میرے پاس تھے وہ اپنے گھمن کے قدموں میں رکھ دیئے اور اس سے درخواست کی کہ اس معمولی خدمت کو قبول کر کے مجھ پر احسان کرے۔ اس نے تھوڑی بہت اچانک ہمت کے بعد اسے قبول کر لیا جس کی وجہ سے مجھے تسلی ہو گئی۔ اس کے بعد اس نے حکیم سے ملاقات کی اور میری تعریف و توصیف کرتے ہوئے میرا ہاتھ اس کے ہاتھ میں سمیٹا اور مجھے خدا حافظ کہا۔

حضرات کی طرح کو ہم نے اپنے دوستوں کو سوار کیا اور آگے سفر چھوڑ دیا۔ جن لوگوں نے اس علاقے کو دیکھا ہے انہیں معلوم ہے کہ آگرہ سے دہلی کا سفر ایسا ہی ہے جیسے کہ ارغ میں چل کر رہا۔ ہم نے یہ پرست سڑ ایک ہفتے میں طے کیا۔ انھوں نے صبح ہی صبح ہمیں دہلی کا شاندار تقاریر نظر آیا۔ راجاؤں اور بادشاہوں کا شاندار شہر حاضری انگلیوں کے سامنے تھا۔ شہر کو ایک نظر دیکھنے کے بعد مسافر کے ذہن میں اس کی پوری تاریخ آجاتی ہے کہ کسی وقت یہ شہر سلطنت کا مرکز تھا کہ جہاں سے ہر قسم کے فرائض جاری ہوتے تھے اور انھیں پوری سلطنت میں نافذ کیا جاتا تھا۔ یہ وہ جگہ تھی کہ جہاں اگر شہزادے اور اعلیٰ منصب دار ڈر اور خوف سے کانپ جاتے تھے۔ اس کے دروازوں پر ان اہرام اور شہزادوں

کے سر بطور عبرت لگے ہوتے تھے کہ جنہوں نے بغاوت کی ہوئی تھی یا شاہی احکامات کی خلاف ورزی کی ہوئی تھی۔ جبکہ جو ولادار تھے وہ یہاں سے قلعہ خانہ طریقے سے گزرتے تھے۔ شہر میں داخل ہوتے وقت انگریزی حکومت کے کچھ کلرکوں اور جج ایسٹون نے ہماری کارائش کے بعد ہمارے سامنے کی تلاش کی اور ہم سے تفصیل کے ساتھ شہر کے کی وہ معلومات معلوم کیں۔ جب ان کو سوالنامہ کا جواب مل گیا تو انھوں نے ہمیں جاننے کی اجازت دی۔ حکیم نے وقتی طور پر اپنی رائے کا اختتام ایک امیر کی حوالی میں کیا۔ یہ امیر راجہ مل کے خاندان سے تھا اور ایک بڑی عورتی میں چاندنی چوک میں رہتا تھا۔ یہ مکان ہر قسم کے رنجش اور آسائش کی چیزوں سے آراستہ تھا۔ یہاں پر ہم سفر کی محنت کے بعد مزاحمت تک آرام کے ساتھ رہے۔ اس عرصہ میں میرے پاس کرنے کو بہت کم تھا۔ صرف صبح کے وقت حکیم کے دیئے ہوئے نسخوں کو مجھے ایک رجسٹر میں نقل کرنا ہوتا تھا۔ کبھی کبھی پادشاه کے مطابق مرثیوں کے مندرجہ سے جو میرے چارج میں تھا وہ انہیں دینا ہوتا تھا۔ پھر پادشاه کے بعد سے پورا دن میرا اپنا ہوتا تھا۔ یہ وقت میں شہر کے گرد و نواح میں گھومتے میں گزارتا تھا۔

دہلی کا قدیم شہر جس کو قدیم بعد دیوالہئی قصبوں میں اندر پرست کہا گیا ہے اب جدید شہر کے محل میں دیران لیلوں پر واقع ہے۔ یہاں پر اب تک قدیم عمارت و عمارتوں کے نشانات باقی ہیں۔ اس کے علاوہ شہر کے قدیم دروازے 'مسجد' 'ہائیں' کا 'قوس' شیر شاہ کا قلعہ اور دوسری چھوٹی عمارتیں اب تک قائم کے ہاتھوں سے محفوظ ہیں۔ اب تک ان کی تعمیر اور ان کی شکل اسی مضبوطی کے ساتھ قائم ہے۔ پہلا سلطان محمد اور سلطان محمود غزنوی تھا جس نے اس شہر کو 1110ء میں فتح کیا تھا۔ لیکن اس نے اس کو وہاں سے راجہ کے حوالہ کر دیا اور اسے اس دھار پر کہ وہ پابندی سے قرائع ادا کرے گا اس کا تخت اس کے حوالہ کر دیا۔

محمد شہر کو شاہ جہاں نے 1631ء میں آباد کیا تھا۔ یہ شہر دلائے بختا کے مغربی دروازے پر واقع ہے اور اس کا نام شاہ جہاں لیا ہے۔ جب میں اس شہر میں آیا ہوں تو میں نے تقریباً 12 لاکھ ہوگی۔ شہر دیہاتی کی حالت طاری ہے اور شہر میں کچھ نہ تھا۔ یہ تھیں مروجوں کے ساتھ جنگوں کے نتیجہ میں آئی۔ شہر کی فسیں 'ہرج' سے بڑھے سرخ چتر سے تعمیر کیے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں پر بہت سی عمارتیں ہیں۔ کھل ہیں۔ ان میں سے کچھ اب تک اچھی حالت میں ہیں اور کچھ خلت ہو گئی

تھا۔ جب اس کا بیٹہ چاکہ کیا گیا تو اس میں سے ایک میٹریک اور چڑا نکلی۔ اس غریب نوکر کو ایک نوٹ پر ہانڈہ کر لیا گیا وہ تقریباً چھ ہفتہ بعد اپنی اس بیماری سے صحت یاب ہوا۔ جب بعد رات صدارت کے محلے نے کہ جن کی ملازمت میں حکیم تھا اس واقعہ کے بارے میں سنا تو انہوں نے اس شخص کی بہادری کا اعتراف کرتے ہوئے اسے چڑاسی سے گزروا دیں۔ اس واقعہ کے بعد چاکہ جہاں ایک مذہبی رہنما کی تحفہ مقرر ہوئی۔

حکیم میں آنے کے بعد صوبیدار جو کہ میرا پرانا سرپرست تھا کہ مجھ پر ظلم کرنے والا تھا وہ حکیم کے پاس آیا اور مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے صاف کر دوں اور پچھلا سب کچھ بھول جاؤں۔ اس نے حکیم سے یہی اپیل کی کہ وہ مجھے اس کے ساتھ چلنے کی اجازت دیدے۔ حکیم نے کہا کہ اگر میں اس کے ساتھ جاؤں تو اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اس کے بعد وہ میری ہات سننے کے لئے میری طرف چلا۔ میں نے اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ "ہاں میں یہ کچھ ہوا تھا" اس کے لئے میں نے جسیں معاف کیا میں خوش کروں گا کہ اسے بھول ہی جاؤں۔ میرے پاس جب بھی وقت ہو گا تو میں تمہارے پاس آجیا کروں گا کہ میں تمہاری خاطر حکیم کی ملازمت نہیں چھوڑ سکتا۔ اس ملازمت میں اس وقت تک ہوں کہ جب تک اچھوت چلنے کے لئے مجھے کوئی قائلہ مل جائے گا کہ میں اپنی ماں سے ملاقات کر سکوں۔" میری اس گفتگو نے صوبیدار کو خاموش کر دیا اور وہ کچھ کے بغیر وہاں سے چلا گیا۔

میں حکیم کے ساتھ چھ مہینے تک رہا اور اس دوران میں چونکہ مسلسل حکمت کے پیش سے شلک رہا لہذا میں نے اس میں گہری دلچسپی لینی شروع کر دی اور بہت سی طبی باتوں کا مجھے اس ملازمت کے دوران علم ہوا۔ حکیم کی پریکٹس بہت سادہ اور آسان تھی۔ وہ بہت کم دوائیں دیتا تھا بلکہ قہار کے ذریعے مریضوں کا علاج کرتا تھا۔ بعد رات جس کا وہ ملازم تھا اس پر بہت اطمینان تھا۔ اگرچہ اس کی خواہ صرف پانچ سو روپیہ ماہوار تھی۔ لیکن اسے جو حقے تھانک دیتے تھے وہ اس کو خواہ سے دیتے ہو جاتے تھے۔ مجھے اس کے طریقہ علاج کا ایک واقعہ یاد ہے۔ صدارت بعد رات ایک مرتبہ دوا تین دن کے لئے حکیم پر لگے۔ یہ جب حکیم سے کوئی تھیں میں نے قہار پر ہوئی۔ یہاں اسے فلیپوں کی بیماری لگ گئی۔ اس کے بعد حکیم نے کہ جسوں نے کوشش کی کہ اس تکلیف دہ بیماری سے اسے نجات مل جائے۔ مریضیں کامیابی نہیں ہوئی۔ ان میں سے ایک اس کے بازو سے خون لٹا چاہتا تھا۔ آخر مریض نے اس کی مہمت کی۔ اس تکلیف کو لہذا غرض برداشت نہ کرتے ہوئے

ہیں۔ مثلاً غازی الدین کا درد مند ہوا میری مدد کے قریب ہے۔ اہل حوان خان گرامین خان اور محمد شاہ کی ماں قدسیہ حکیم کی عطیہ اور بہت سی سہریں آپ تک اپنی اصل شکل میں ہیں۔ میں سب عمارتوں میں شاندار دہلی کی جامع مسجد ہے جو سرخ پتھر سے تعمیر ہوئی ہے اور شہر کے بچوں کا واقع ہے۔ اس محل احرام عمارت کو شاہ جہاں نے اپنی تخت نشینی کے چار سال بعد تعمیر کرایا تھا اور اس کی تکمیل کیا جویں سال جوں میں ہوئی تھی۔

یہاں کے لوگ مذہب اور شائستہ ہیں۔ اس کی آپ وہاں بھی صحت کے لئے بہترین ہے۔ دہلی میں تین ہفتہ قیام کرنے کے بعد میرے آقا نے حکم دیا کہ ہمیں گوالیار جانے کی تیاری کرنی چاہئے۔ یہ تیاری جلد ہی ہو گئی۔ اور ہم نے ہندوستان کے تاریخی شہر کو چھوڑ کر ایک ہفتہ کے بعد احمد آباد اپنی منزل مقصود تک بغیر کی رکاوٹ کے سوائے ایک صحنہ جہد کے کہ کہ ہمارے ایک نوکر کو چٹائی لگا تھا، کچھ گھٹے ہوئے کہ ہمارے سفر کے چار روز بعد ایک گاڑی کے قریب درخت کے سایہ میں ہم نے حادثہ کے لئے قیام کیا۔ اس بعد لڑکے کو پیاس لگی اور وہ پتا برتن لے کر کنوئیں میں پانی لیتے کے لئے اتر گیا۔ ابھی وہ چند پیرھیاں اتر کر گیا ہی تھا کہ اسے ایک سانپ نے دس پیاس اس نے جیسے ہی سانپ کو دیکھا اور اس کے ڈسے جانے سے تکلیف محسوس کی تو پہلا کام یہ اس نے کیا کہ یہ کہ اپنا پتھل لٹا اور سانپ کو وہیں مار ڈالا۔ قہار کی اچانک آواز سن کر ہم سب کنوئیں کی طرف دوڑے۔ وہاں ہم نے دیکھا کہ وہ کنوارے کے زویہ اپنی ایدھی کے گوشت کو کنوارے سے کاٹ کر پیچھا کر رہا ہے اور اس سے قہار سے قہار پر وہ زہر دہ سانپ ماریا ہے۔ ہم اس کو اٹھا کر باہر لائے۔ اب تک وہ زیادہ خون کے پٹے سے بے ہوش پڑا تھا۔ ہمارے دھڑ ۲۲ یعنی حکیم نے جب یہ مرد تھل دیکھی تو اس نے فوراً ایک پوسے چاقو کو آگ پر گرم کرایا۔ اور اس کے گٹھ کے نیچے حصہ کو اس سے رافا۔ اس کے بعد زخم کو صاف کر اور اس پر کافی تعداد میں نمک چھڑک دیا۔ میرا خیال ہے کہ صبح کے لئے کی وجہ سے ہوش میں آوا اور پینے کے لئے پانی مانگا۔ ڈاکٹر نے اسے پانی کے بجائے انگش براہمی پینے کو دی جس کی وجہ سے وہ فوراً سہ گیا۔

اس دوران قریب گاؤں سے گاڑی لوگوں کی تعداد کنوئیں کے قریب جمع ہو گئی۔ انہوں نے اس وحشی جانور کی موت پر اظہار شہید ادا کیا کیونکہ وہ سب تک وہ مرد اور ایک عورت کو اس کر مار چکا تھا۔ سانپ کو باہر ماریا گیا اور جب اس کو لپٹا گیا تو وہ دھڑکتے لپٹا ہی کا

ہمارا جب تک میں آگئے اور میرے آگے کو حکم دیا کہ وہ اس کا علاج کرے۔ حکیم نے اس کے علاج کے لئے آسمان سے لٹو تپا کر وہ گئے کہ جس پر عرق گب چڑھا ہوا ہے اسے چمکے۔ اس نے چمکے ہی یہ کیا وہ فوراً لٹک ہو گیا اور حکیم کو محل چھوڑنے سے پہلے پیسے انعام و اکرام سے لوازم کیا۔ ہمارا جب نے اپنے گئے سے پیسے موتیوں کا ہار لگا کر اس کو منہ پر ڈھونڈت شالوں کے دیے۔

مجھے جب بھی فرصت ملتی تھی تو میں صوبدار کے پاس چلا جاتا کرتا تھا اور کبھی بھی اس کے ساتھ نکلتا بھی تھا۔ اس بار میں سے سے بڑا شائستہ پایا۔ اگست کے مہینہ میں کھاڑے رات جس صبح کے ساتھ ہم کو الیورے گئے تھے اسے بھی جانے کی اجازت مل گئی۔ صوبدار نے بھی کوشش کرے اپنی خدمت اس کے پاس سے بھی ان کے ساتھ پہلے کے لئے حکیم سے درخواست کی کہ مجھے ملازمت سے فارغ کر دیا جائے۔ وہ مجھے اجازت دینے میں تیار نہیں تھا کہ اس کو تھیں تھا کہ اگر میں اس کے ساتھ چار پانچ سال حکم کروں تو وہ مجھے بہترین حکیم بنا سکتا ہے اور اس صورت میں میں اپنی پریشانی خود مر سکتا ہوں۔ لیکن میں کو کہنے کی خواہش اس قدر دیدہ تھی کہ میں نے اس کے گھر اس کی دہلی کو جس جگہ اس سے میرے بقیہ جات ادا کئے اور فیاضی کے ساتھ مجھے مزید اور روپیہ اور اس عطاء کیا۔ جب میں سے سے چھوڑ ہے تو میرے پاس سو روپیہ کی خلیہ رقم تھی۔

اگست کے دوسرے ہفتہ میں ہم نے گھمپ چھوڑا اور میری کے ساتھ اپنا سفر شروع کیا۔ ہم صبح سات بجے روانہ ہوئے وہ بھر سفر کے بعد ہم چار بجے قیام کرتے۔ کیونکہ یہ ہر شوں کا موسم تھا اس لئے ہمارا شر کوئی زیادہ خوشگوار نہیں تھا۔ دیر اور چشمہ حور کسے میں ہمیں کی گئے لگ جاتے تھے اور کبھی کبھی تو ایک دن اور رات اس کے لئے قیام کرتی چلی تھی۔ جب ہم سے بوندی میں قیام کیا تو موسم حار وارش شروع ہو گئی عوام رات چادی دلی اور دوسرے دن بھی ایک ٹیکٹر کے لئے نہ دیکھ رات کو بادش کا پانی اس قدر جمع ہو گیا کہ ہمارے بستر اور نیچے تیرنے لگے ہمارے گھوڑے اور لونٹ کھڑے کانپ رہے تھے اور ہماری حالت بھی دن کے مقابلہ میں کوئی اچھی نہیں تھی۔ اس کے علاوہ بھوک کی شدت نے ہم سب نیمب و کمزور ہوئے تھے اس کو مجبوراً ہمیں پانچ دن ٹھہرنا پڑا۔

میر کے پہلے ہفتہ میں آخر کار ہم اپنی مرضی سے بمقامت پہنچ گئے۔ پھر سال بعد ہمارے سے ہمیں کو تیکہ کر مجھے بے انتہا خوشی ہوئی۔ کھانڈو رڈ اور صوبدار ایک جگہ اور شہر

میں نہیں آئے کیونکہ یہ وقت ستاروں کی گردش کی وجہ سے خوش تھا۔ ہمیں تک میرا تھیں تھیں اپنی ماں سے مٹے کے لئے اس قدر بے چین تھا کہ ستاروں کی گردش بھی مجھے اب زیادہ حیرت نہیں روک سکتی تھی اور اس سے پہلے کہ یہ حکم ہو کہ کوئی شخص گھمپ کوٹ چھوڑے میں اس حالت میں اپنی ماں کے پاس تھا کہ میری آنکھوں سے آنسو روں تھے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میری ماں بالکل صحت مند تھی اور اس کا لڑکا بھی تندرست تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ اس کا گھر ورحم کے فرنیچر پر دہلی میں سالہ جہت اور گھنے کے برتنوں سے بھرا ہوا تھا۔ کیونکہ ان سب چیزوں کا حصول صوبدار کی کھڑا میں ممکن نہیں تھا اس لئے میں نے اپنی ماں سے پوچھا کہ یہ سالہ کہاں سے آیا۔ اس کا جواب اس لئے یہ دیا کہ جس سے میں قلعی مطمئن نہیں ہوا۔ جب میں نے مزید معلومات کیں تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ سارا سالہ دہلی ہوا مال ہے جسے صوبدار کی بلی بیوی کے بھائی نے غیر قانونی طور پر حاصل کر کے بیع کیا ہے۔ ہماری غیر حاضری میں اس نے ڈاکو کا پیشہ اختیار کر لیا ہے اور لوٹ مار کی خاطر وہ اکثر شیطانی مصائب پہ جاتا ہے اور وہابی ہے یہ سالہ لے کر آتا ہے۔

میں اپنی ماں کے ساتھ تین ہفتوں تک پیسے آرام اور حاضری سے رہا۔ دسمبر کے دو مہینوں میں دس ہزار روپیہ پر مشتمل انگریز فوج سرطاس میں روپ کی سرحد میں میں قتل اور دیر سے میرا کے کنارے قیام کیا۔ میرا وقت ان دنوں سپاہیوں کی بہترین نگہداشت ان کی توپوں کی نگہداشت اور ان کی جنگی سازدہان کو دیکھنے میں صرف ہوا تھا۔ صبح کی نماز کے بعد میں ان کے کیمپ میں چلا جاتا تھا اور وہاں ان کی درزش قواعد دیکھ اور پھر دیکھا کرتا تھا۔ وہاں میں نے ایک انگریز سپاہی سے دوستی کر لی تھی جو کہ بڑا شریف شخص تھا مگر ایسوں کہ میری زبان نہیں بول سکتا تھا۔ ہماری گفتگو اشاروں میں ہوتی یا ہوتی پھرتی ہندوستانی میں۔ ایک دن وہ مجھے اپنے شہر میں لے گیا جہاں اس کے اور دوستوں نے بڑی خوش اخلاقی سے میرا خیر مقدم کیا اور مجھے شراب کی پیشکش کی۔ اس کے لئے تو میں نے حیرت سے سوچا کہ اس کو خوش کرنے کے لئے روٹی و دودھ کو کھوں کہ یہاں یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے کسی انگریز سے ملنے ہوئے اور مجھے شدید خواہش ہوئی کہ اسے بھجوں۔

وہ تین یا چار دنوں کی صحبت میں میں نے تھیں انگریزی کے الفاظ سیکھے اور انہیں فارسی میں اپنی قافی میں لکھ لیا۔ الفاظ کی یہ سہلیب تک میرے فرائض کے بھل میں موجود ہے۔ ایک صبح کو جب میں واپس کیمپ گیا تو یہ دیکھ کر میری حیرانی کی انتہا نہیں رہی کہ وہاں مجھے بھی نہیں تھا۔ اس جگہ پر کھول اور گدھوں کا ٹھکانہ تھا اور ہمارا گھر بڑی بولٹاک

نظر آ رہا تھا۔ کیمپ میں مجھے دو دیکھ لوگ نظر آئے جو کھراہٹ میں اپنے خیمے گرا رہے تھے اور پانچ سالانہ اونٹوں پر لا رہے تھے۔ سالانہ اونٹوں کی تھا کو تک تکلیف سے اونٹ زور زور سے بلبل رہے تھے۔ ان لوگوں سے معلوم ہوا کہ قریب صدی پور کی طرف چلی گئی ہے یہاں نہیں بلکہ کی فوجوں سے متعلقہ متعلق ہے۔ یہ سن کر میں افسوس دہائیں کیا اور خود کو بد قسمت تصور کیا جو ان بھی مصائب میں حصہ لینے سے محروم ہے۔

ایجن کا گورنر جیوا خاں اور دوسرے تمام سردار انگریزی سہیل کو لٹنے کے لئے بے چین تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس جنگ میں انگریزوں کو مار پڑے گی اور وہ شکست سے دوچار ہوں گے۔ ان کے عقیدے کرانے کے بد معاشوں کی فزولیاں کر جنہیں اس بوٹ مار میں کچھ کوٹنے کا نہیں بلکہ کچھ حاصل کرنے کی امید تھی وہ بھی شرمیں بیٹھ کر مریخ کا انتظار کر رہے تھے۔ سویدار اور انکی چلی بیوی کا پہلی بچہ ایک بد معاش شیرا تھا وہ بھی انگریزوں کی شکست کا انتظار کر رہے تھے۔ اس طرح تقریباً دس ہزار لوگوں کا مجمع تھا کہ جو شکست خوردہ گریز فوج کو چاہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ لیکن ان کی امیدیں اس وقت قارت ہو گئیں کہ جب وقت سے برخلاف خبریں ملیں۔ پھر اس تو انہوں نے ان پر نہیں کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ نہیں بلکہ کی فوج اور اس کی طاقت پر پورا پورا اعتماد تھا۔ ان کو معلوم نہ تھا کہ یہی وقت پر نواب عبدالغفور خاں نے غداروں کی اور اپنی فوج کو سنے کر چلا گیا اور یہ اس وقت ہوا کہ جب بہادر اور مظاہر روشن برگ جو بلکہ کی فوج میں کچھ جنرل تھا وہ انگریزوں کو شکست دے دیا تھا۔ اس غداروں اور بدنامی کا نیک عبدالغفور کے ماتھے پر اس وقت تک رہا کہ جب تک وہ زندہ رہا۔ اگرچہ اس نے غریبوں کی پاموشی سے مدد کر کے کوشش کی کہ اس بدنامی کے داغ کو مٹا دے۔ اس کے لئے کئی فوجی حرا خاں کو بھی لوگوں نے سہا نہیں کیا۔ اسے انگریزوں نے اپنی خدمات کے عوض جلاوطن کا علاقہ دے دیا تھا۔

میں دسمبر 1817ء تک اپنی ماں کے ساتھ رہا۔ اس کے بعد میں نے خود کو علما و ریاضی محسوس کرنا شروع کر دیا۔ اس کے علاوہ مجھے یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ سویدار کی اس بدنامی کو کھاؤں کہ جو حرام کی کمال سے ہوئی ہے۔ اسی زمانہ میں جب میں نے تاکہ چنی راؤ کی حکومت ختم ہو گئی ہے۔ اور دکن میں جنگیں ہورہی ہیں۔ تو میں ان خبروں کو سن کر جنگوں میں حصہ لینے کے لئے بے چین ہو گیا۔ یہاں میں مناسب سمجھا ہوں کہ کچھ اپنی راؤ کے بارے میں بتا جاؤں۔ یہ پشوا کے خاندان کا آخری نمائندہ تھا۔ اس کی امتداد اور تک

نظر پانی کی وجہ سے اس نے اپنے انگریز اور مسلمان محسوس کو اپنے خلاف کر دیا تھا۔ یہ پہل بھول گیا کہ انگریزوں کی وجہ سے وہ گدی نہیں ہوا تھا اور مسلمانوں کی وجہ سے طاقت میں رہا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو منع کر دیا تھا کہ وہ صبح دس بجے تک اس کے سامنے نہیں آئیں تاکہ صبح صبح وہ ان کو دیکھ کر کسی سوس کا شمار نہ ہو۔ اس کے علاوہ اس نے انکساری جاری کی کہ کوئی مسلمان چاہے اس کا کوئی رجبہ نہ عید ہو ان گلیوں سے نہ گزیرے کہ جو اس کے محل سے نظر آتی ہیں۔ محل مند اور طاقتور بیاتوں کے ساتھ بھی انگریز یہ سلوک کیا گیا مگر اس معاملہ میں انہوں نے اس کی حالتوں پر لیون توجہ نہ دی۔ لیکن انہیں اس بات پر خفا تھا کہ جب اس نے ان کی حرکات پر عمل نہیں کیا اور ان کی مرضی کے مطابق فیصلے کرتے وقت چٹھاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

یہ جنوری 1818ء کی بات ہے کہ میں نے تاکہ جنگ شروع ہونے والی ہے اس لئے مجھ میں یہ ارادہ پیدا ہوئی کہ میں کوئی ایسا موقع تلاش کروں کہ جس کی وجہ سے مجھے عزت و شہرت دونوں نصیب ہو سکیں۔ اس خواہش کو پورا کرنے کی غرض سے میں نے شرمیں ایسے کھانوں اور لوگوں کی تلاش شروع کر دی کہ جن کے ارباب میں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر سکیں۔ ایک دن جبکہ میں اوپر اوپر آواہ گردی کر رہا تھا میں نے میں انہی افغانوں اور ان کے جوار کو دیکھا کہ جو بظاہر بڑے مذہب اور اچھی طبیعت کے نظر آتے۔ یہ لوگ ایک بٹنے کی دکان پر ٹھہرے ہوئے تھے جب میں ان کے قریب سے گزرا تو میں نے مسلمانوں کی عادت کے مطابق، جن میں سلام کیا۔ ان کے جوار موسیٰ خان نے میرے سلام کا جواب دیا مگر کچھ سے دیا اور مجھ سے درخواست کی کہ ان کے پاس بیٹھ کر چھ دھوبو سے شوق کروں۔ چونکہ میں بیکار تھا اس لئے میں نے اس کی دعوت خرمی سے قبول کر لی۔ اس کی گفتگو سے پتہ چلا کہ وہ سترہ کب روانہ ہو رہے ہیں کیونکہ میں نے اس سے کہا کہ ہمیں بھی دکن جانے کی سوجہ دہ ہوں تاکہ وہاں مجھے کوئی ملازمت مل سکے۔

جوار نے کہا کہ وہ یہ جگہ کل چمر کی نماز کے بعد چھوڑ دیا ہے اور اگر میں تیار ہوں تو وہ مجھے دس روپیہ مالانہ پر دہم دیکھے پر تیار ہے۔ تنخواہ کے علاوہ میرا کھانا اور بیٹا ان کے ذمہ ہو گا بلکہ وہ میرے کپڑوں کا بھی خیال رکھے گا۔ میرے ڈپٹی ہوگی کہ اس کے بیٹے بھائی کا حساب کتاب رکھوں اور اگر اس دوران میں مجھے اور کوئی اچھی ملازمت مل جائے تو میں بے شک ہوں۔ اس نے اصرار کیا کہ اس سلسلہ میں جلدی کوئی فیصلہ کروں۔

اس پر میں فوراً راضی ہو گیا اور اس کی تمام شرائط منظور کر لی اور اس سے وعدہ کیا کہ میں اگلی صبح جلدی سہ اسباب کے اس کے پاس آ جاؤں گا۔

”سلمان دُخرو کچھ لسنے کی ضرورت نہیں“ اس نے کہا ”کیونکہ ہمارے پاس بھی سولے چائناؤں اور چھپڑوں کے کچھ نہیں ہے لیکن اگر تم کچھ لانا پسند ہی کرتے ہو تو اسے اٹھانے کی ذمہ داری تمہاری ہوگی۔“

گھر میں نے بھی یہ سوچا کہ اس شخص سے سڑک کے لئے کوئی ضروری چیز کہ میں سلمان اٹھا کر لاؤں اس لئے میں نے اسے کہہ دیا کہ میں سلمان کے سلسلہ میں اس قدر مختصر ہوں گا کہ جتنے اس کے قوی بھی نہیں ہوں گے۔

میں خوشی خوشی گھر واپس گیا۔ اپنی ساری چیزیں ایک بکس میں بند کر کے اس کی چابی خود رکھی اور اسے اپنی والدہ کے حوالے کیا کہ وہ اس کی حفاظت کریں۔ میں نے اپنے راہ کو کسی پر ظاہر نہیں کیا کہ میں نے اس کے گھر سے کسی کو بھی کچھ نہیں لیا تو وہ مجھے پانے سے روکیں گے۔ اس ساری رات میں بالکل بھی نہیں سو سکا اور میرے دماغ میں سسٹنل کے سناٹے مٹھوے بنتے رہے۔ اس دور میں میں مجھے توڑی دیہ کے لئے بھی یہ خیال نہیں آیا کہ میں اپنے آپ ایک ایسے خطرے میں ڈال رہا ہوں اور اس پرستی سے بچاؤ ہونے والا ہوگا کہ جس سے موت بدرجہا ابھی ہوئی ہے لیکن انسان کی قسمت میں جو کچھ دیا گیا ہو آج اس کے آگے بالکل ہے اس ہوتا ہے۔ یہ کس کو پتہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ کل کیا پیش آنے والا ہے۔

سویہ سویرے جیسے ہی میں نے مرغ کی بیل آواز سنی میں اٹھ کھڑا ہوا۔ وضو کر کے نماز پڑھی۔ اس کے بعد چلو کھڑے ہو ڈالی۔ ”گھم“ دھات اور کانڈات ساتھ لئے اور اپنے بچے دوست کے پاس پہنچ گیا۔ یہ لوگ چار ہو کر بیٹے ہی واسے تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی خوشی کے نگوں کے ساتھ میرا استقبال کیا اور موسیٰ کہنے لگا کہ ”یہ تمہاری خلاصت کا پہلا دن ہے جو تم ہم بدور لوگوں کے ساتھ گزارو گے۔ خدا سے دعا ہے تمہارے آئندے دن خوشگوار ہوں۔ ہم جنس خردوں سے خوش آمدید کہتے ہیں۔“

اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں نے نماز پڑھ لی ہے۔ اس کا اہت میں جواب دیا کہ اس نے کہا کہ میں ”گھم“ کے قریب بیٹھ کر ان کے ہتھیاروں کی گھرنیوں کی جیب تک وہ نماز پڑھ کر واپس نہ آجائیں۔ میں نے جیسے ہی ان کی چڑوں کا کارج خیالہ ہمارے لئے قریبی مسجد میں پہنچے۔ نماز پڑھ کر جب وہ واپس آئے تو انہوں نے ایک چار بھر سلام

کیا۔ اس کے بعد چند لمحوں میں سڑک کے لئے تیار ہو گئے۔ سڑ پر روانہ ہونے سے پہلے موسیٰ نے دعا پڑھی جس میں بھلائی اور صبر کے لئے خدا سے دعا مانگی۔ اس کے بعد ہم سب روانہ ہوئے اور سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے شہر کے دروازے سے نکل گئے۔

ہم شہر سے جنوب مغرب کی سمت چلے اور اپنے ہاتھیں طرف ہم نے اندر کے شہر کو راستہ میں چھوڑا اور اس کے بعد چار دن رات سڑک کے ذریعہ برابر آگے بڑھتے رہے۔ ایک رات جو میں نہیں سمجھ سکا وہ یہ کہ انہوں نے راستہ میں کسی بھی بڑے شہر میں قیام نہیں کیا بلکہ رات میں ہم ہمیشہ بھولے گاؤں میں قیام کرتے اور وہاں سے کھانے پینے کا سامان خریدتے۔ رات کا کھانا ہم ہمیشہ تقریباً آٹھ بجے مانتے تھے۔ کھانے میں روٹی، پیاز، گڑ ہونا، قند، چائے، ناشتہ کا سواں تھا تو یہ ہر ایک کی ذمہ داری تھی کہ وہ خود اس کا بندوبست کرے۔ رکھا جائے تو میرا وقت ان لوگوں کی صحبت میں بڑا خوشگوار گزرتا تھا۔ موسیٰ خان خصوصیت سے میرے آرام کا بڑا خیال رکھتا تھا۔

سڑک کے پچھلے دن شام کو جب ہم اچھن سے چلے تو ہم نے بھیلوں کے ایک گاؤں میں قیام کیا جو کہ ہاتھیوں کے دامن میں نہ رہا کے کنارے واقع تھا۔ اس کے دونوں جانب والدہ اور خاندان کے سوا کسی کی سرحدیں نہیں تھیں۔ جب میں نے سوال کیا کہ ہم سیدھا اور آسان راستہ چھوڑ کر آخر کیوں اس مشکل، دشوار اور پہاڑی راستہ سے جا رہے ہیں تو میرے ساتھیوں نے جواب دیا کہ چاہنا کا وہ اگر مشکل ترین راستہ ہے اور تنگ بھی بہت ہے مگر موسیٰ خان اس کو اس لئے پسند کرتا ہے کہ یہ ہاتھیوں کیچے کا قریب ترین راستہ ہے جہاں سے نہاد دریا کو آسانی سے پار کیا جاسکتا ہے۔

دوسرے دن رات وہ پہلے کے قریب ہم پہاڑی علاقے میں داخل ہو گئے۔ ہم آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ ہمارے سامنے اندھیرا تھا اور جنوب میں خطرناک آوازیں۔ مجھے محسوس ہوا کہ موسیٰ خان اور اس کے آدلی اس راستہ سے گھڑی رات ہیں۔ کیونکہ وہ پیچھے چھائیوں، خطرناک، خطراتوں اور ڈر وے آہستہ آہستہ سے آگے تھے۔ بالکل اسی طرح تیس دنوں میں اپنی شہر کی پیچھے لگیوں اور راستوں سے۔

صبح۔ وقت ہم ایک چشمے کے پاس ٹھہرے اور یہاں وضو کر کے نماز پڑھی۔ اس صبح اس قدر سردی تھی کہ ہمارے دست و پا ہتھکڑیوں کی گھرنیوں کی جیب تک وہ ٹھہر رہے تھے۔ حال تھا کہ میرا پرما جسم میں ہو گیا تھا اور مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے میرے ہاتھوں میں برف بھر دی گئی ہو۔ نہاد کے بعد موسیٰ خان نے ”گھم“ چلانے کا حکم دیا اور

ساتھ میں حظ پینے کی بھی اجازت دی۔ ہم نے فوراً اس کے حکم کی تعمیل کی اور فوراً سوکھی لکڑیوں کو جن کی اس علاقے میں کمی نہ تھی جمع کر لیا۔ ایک لفظ انہوں نے ہتھیلی کے ذریعہ ایک سنگالی جس نے فوراً سطوں کی شکل اختیار کر لی۔ آگ کی دھبے سے ہمیں یکدم آرام محسوس ہوا۔

جب سورج ابھرنے لگا تو اس کی شعاعوں نے ہمیں آگ سے بے پروا کر دیا۔ پھر کے بعد ایک مرتبہ درخت پر چڑھ گیا اور اس کے بعد ہم نے پناہ سرائی کے ساتھ شروع کر دیا۔ اگرچہ راستہ پر مشکل تھا مگر ہم درختوں کے تنوں میں سے ہوتے ہوئے ابھری ہوئی چٹانوں کی لڑکیوں کو پہلے ہونے تک راستے سے آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ شام کے پہلے پہلے ہم ایک جگہ پہنچے تو تمام خٹانوں نے غوثی کے غرے لگائے ہوئے کہا "خدا کا شکر ہے کہ ہم اپنے سر کو خطر کر کے حملہ فوج پر پہنچ گئے۔"

میرے لئے یہ پہلے کی بات تھی کیونکہ نہ تو وہاں آبادی کا کوئی نام و نشان تھا اور نہ ہی درخت اور کشتی کے کوئی شمار تھا۔ اس لئے میں نے جڑوں سے موسیٰ خان سے پوچھا کہ ہم کہاں آگئے ہیں؟ میرے اس سوال پر اس نے تھوڑی دیر رادی میں واقع پہاڑ کی طرف اشارہ کیا کہ جہاں پہنچنے پہنچنے بھوپڑیاں نظر آ رہی تھیں۔

"یہ وہ جگہ ہے کہ جہاں میں ایک سال تک رہوں گا اور اس کے بعد اپنے وطن واپس لوٹوں گا" موسیٰ خان نے کہا۔

اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اسی وادی میں اس کا آقا جو بھٹیوں کا سردار ہے وہ رہتا ہے۔ اس کا نام نار ہے اور اس کے حکم پر عمل کرنے کے لئے پہلے سو کے قریب لوگ ہر وقت تیار رہتے ہیں اور میں نے انھوں نے دستوں کے ساتھ اس کی مدد کرتا ہوں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم کافروں اور گاردوں کو ہٹائیں۔ ہل قیمت جو حاصل ہوتا ہے اس کو زمین حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ اس میں سے وہ نار لے لیتا ہے اور باقی ہم لفظوں کے حصہ میں آتا ہے۔ موسیٰ نے یہ بیان کر کے مجھ سے کہا کہ میں خاطر جمع رہوں کیونکہ وہاں ہر کی سمیت میں وہ مجھے ساتھ لے کر جائیں گے۔ میرا نام یہ ہو گا کہ میں گھر پر رجول اور ان کے سامان کی حفاظت کروں اور جہاں تک حلیہ کتاب رکھنے کا تعلق ہے تو اس کے لئے مجھے زیادہ وقت دینے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ شاید ایک مہینہ میں آدھ مہینہ میں میں یہ من کر تھوڑی دیر کے لئے خوف لدا ہو کر رہ گیا اور میرا قصہ چاک اس قدر بڑھا کہ میرا دل چاہا کہ سے گالیاں دتا شروع کروں جس کا مطلب تھا کہ میں اس کے بعد

مرنے کے لئے تیار رہوں لیکن میں نے خود پر قابو پائے ہوئے سواہا کہ چھاتی ہونے کے بجائے مجھے خطے سے دس حالات پر غور کرنا ہوگا۔ اس لئے میں نے باڈی منسٹراٹ سے اس سے سوال کیا کہ "کیا ہم پورا بالکل نہیں جائیں گے؟"

"نہیں" بھی نہیں" اس نے جواب دیا "وہاں چلنے کا کیا فائدہ جبکہ ہم اپنا مقصد یہاں پر حاصل نہیں کر سکتے۔"

"کوئی بات نہیں" میں نے جواب دیا "میں نے تمہاری ملازمت اختیار کر لی ہے تو میں ایک سال تمہارے ساتھ رہ کر خود کو تمہارے لئے سفید بنانے کی کوشش کروں گا۔ اس کے بعد میں دیکھوں گا کہ قسمت میرے لئے کیا فیصلہ کرتی ہے۔"

اس کے بعد ہم اپنے میزبان کی رہائش گاہ کے قریب پہنچے اور اطلاع دینے کی عرض سے بدوقت سے عین بار بار کیا گیا جس کی آواز وادی میں گونجتی رہی۔ اس کے جواب میں ہمیں بھیلوں کے پیچھے چلانے کی آوازیں آئیں اور تھوڑی دیر بعد ہی ہم ہم بھیلوں کے درمیان میں تھے جو کہ تھیرکانا سے کچھ آگے ان کی کالیں ہاسوں کے درخت کی لکڑی سے بنی ہوئی تھیں جبکہ تمام حیروں کی طرح ہی تھے۔

ان میں سے ایک توی "گے بڑھا کہ جس کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے دھمکانے والے انداز میں ہم سے مخاطب ہو کر پوچھا "تم کون لوگ ہو کہ جو رضا کارانہ طور پر موت کے منہ میں چلے آئے ہو۔"

"میں کالیہا تم نے مجھے نہیں پہچانا" موسیٰ خان نے کہا۔ بھیل نے موسیٰ خان کی تواضع کو پہچان لیا اور اس کے بعد وہ اور دوسرے بھیل یہ کہتے ہوئے ہماری طرف بڑھے کہ "اسے موسیٰ دے ایڈ رہا نہیں" یعنی یہ ہمارا موسیٰ ہے وہ رحمن نہیں ہے اس کے بعد ہم سب ان مقامی ڈاکوؤں کے ساتھ مکمل مل گئے اور میں نے انہوں کو بتایا کہ موسیٰ کالیہا جس دوستانہ انداز میں ہم چیت کر رہے ہیں اس سے بد چتا ہے کہ ان کے پرانے تعلقات ہیں۔

"ہم نے ہوتے ہم نار کے دہانے کے قریب پہنچ گئے یہاں پر ہم نے دیکھا کہ ایک گھنگڑا آگئی پانی مار رہا ہے۔ وہ بھی اسی طرح سے ہم پر ہوتا تھا جیسے کے۔ میں لیکن اس کے ہاتھوں میں موٹا سونے کا انگلیں تھا اس کے سامنے کھوار پڑی تھی۔ ساتھ میں تیرہ مکان تھے وہ بھیلوں کے رہائش گاہ تھے اور اس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان بھیل ڈاکوؤں کا سردار ہے۔

سوئی نے اسے دیکھ کر سلام کیا اور کہنے لگا "یہ تیرا بھائی ہے" بھل کے فہرہ سے۔ ان کو آداب کر کے تم لوگ گھر جاؤ۔ میں تھوڑی دیر بعد تمہارے پاس آتا ہوں۔"

بہیں دیکھ کر سردار کھڑا ہو گیا۔ ہمارے سلام کا جواب دے کر وہ موسیٰ کی طرف متوجہ ہوا اور پھر دونوں مل کر بیٹھ گئے۔ اگلے بعد ہماری جماعت اپنے ان گھروں کی جانب روانہ ہوئی کہ جن میں انہیں اب رہنا تھا۔ وہ اس جگہ سے بخوبی واقف تھے اسی لئے انہیں کسی رہائی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ اس عرصہ میں میں ص ص ص ص ص سے دوچار تھا اس میں بڑی "فلرت" خیر سب ہی شامل تھے اور میری خواہشات اور اطمینان ان حالات میں کبھی کی خیر ہو جاتی تھیں۔ ہمارے گھروں کی جگہ "سپے" آگے میں کے قریب ہوئی مگر مجھے ایسی شکاوت ہوئی تھی کہ میں سو میل کے قریب چل کر گیا ہوں۔ ہمارے گھر پہاڑی کی اگلی ہوئی چٹانوں کی پشت میں بنے ہوئے تھے۔ یہ دو خلیوں کے خلیوں سے بنائے ہوئے تھے۔ اس نے تین جانب بانسوں کی مضبوط دیوار کی درمیان کا حصہ نکالا ہوا تھا۔ وہ بڑے بڑے آگے تھے اور ہر ایک کے ساتھ تین تین کمرے تھے جو کہ بانسوں کی بنی چٹانوں سے ٹکڑے کئے ہوئے تھے۔

یہاں تک پہنچنے افغان بھی تھک کر چور ہو گئے "اس لئے انہوں نے اپنی بند قوتوں کو برآمدوں میں نکالا اور ہر ایک طیارہ، ٹیپہ، کمریوں میں جا کر چاہا پائوں پر سو گیا۔ میں نے بھی اپنے ساتھیوں کی مانند اس بات کی کوشش کی کہ فوراً سو جاؤں تاکہ جو جسمانی اور ذہنی محنت ہے اس سے مجھے تھکا ہو جائے لیکن سونے کے بجائے میرا ذہن پریشانی کے عالم میں سوچنے لگا کہ "آخر میں نے کیوں بلا تحقیق ان قاتل لوگوں کی جماعت کے ساتھ آنا پسند کیا؟ میں ایک مہینہ اور اپنے جوان والدین کے ساتھ رہ کر کسی اور قافلہ کا انظار کر سکتا تھا۔ یہ میرے تجربے کی کمی ہے" یا میری حماقت کہ میں ہمیشہ بد قسمتی کا شکار ہوتا ہوں۔ یہ صبح ہے کہ موسیٰ نے میرے ساتھ دھوکا کیا کہ آؤ گے لئے دھوکہ کرتا تو ایک مذاق ہوتا تھا ہے لیکن دیکھ جاتے تو قصور میرا ہے کہ میں اس کے فریب میں آیا۔ میری عمر اب اٹھارہ سال کی ہے اور تم میں ایسے دیرے کی پہچان ہوئی چاہئے۔"

میں نے خود کو ابتدائی مجبور اور لاچار چٹا اور جیسا کہ ان حالات میں ہوتا ہے، میں نے "بہیں غم" ان کی جانب دیکھا اور دھاک کے طور پر ہاتھ اٹھا کر خدا سے یہ دعا مانگی "سے رحیم و رحیم"۔ تب مجھے اس عذاب میں جہنم کے گام "یہ" میری قسمت میں لکھ دیا گیا ہے کہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان ڈاکوؤں، قاتلوں اور غیروں کے ساتھ رہوں۔ اے

مالک ارض و سما کی میں اپنے خاندان کے نام کو بے عزت کرنے کے لئے پیدا ہوا ہوں؟ اگر ایسا ہی ہے تو میرے خدا مجھ پر رحم کر اور اسی وقت میری زندگی کا خاتمہ کر دے۔ آمین

"جب میں یہ دعا مانگ رہا تھا میرے آسمان خود بخود آنکھوں سے نکلنے میرے گلوں سے نکلتے رہے تھے۔ اس کے ساتھ ایک دوسرا جیس میرے ذہن میں آیا اور اس نے مجھے میرے جرائم و گناہوں سے ہٹا کر دانا چلا۔ میں سوچنے لگا کہ "اس میں میرا کیا قصور ہے کہ میں نے ان لوگوں پر اعتبار کیا۔ میرے نزدیک تو یہ انسان تھے اور اگر یہ انسان کے بجائے ڈاکو اور قاتل تھے اس کی دوسری جگہ پر تو نہیں۔"

رات کو آٹھ بجے کے قریب موسیٰ واپس گھر آیا۔ اس نے آتے ہی ہمیں آواز دی اور ہم سب لوگ بھاگے ہوئے اس کے پاس پہنچے۔ ہم نے بڑی حیرت اور موت سے دیکھا کہ اس کے ساتھ کچھ بھیل بڑی مقدار میں ہمارے کھانے کے لئے دودھ، "شکر" پانی اور روٹیاں لے کر آ رہے ہیں۔ بھوک اور اطمینان کی حالت میں ان شہام کو بڑی نعمت سمجھا گیا اور سب نے مل کر موسیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ ہم نے دھوکا دینے والے اور مغرب و مشام کی گناہیں ایک ساتھ پرہیز۔ کھانے کے بعد سب سوتے چلے گئے "سوائے دو خیروں کے" جنہیں حفاظت کی غرض سے چھوڑ دیا گیا۔ ان میں سے ایک برآمدے میں تھا جو کہ دوسرا ایک لوسٹے دوست پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ چونکہ تمام لوگ گئے ہوئے تھے اس لئے مجھے سمیت سب ہی سو گئے۔ میرا خیال ہے کہ میں ان سب میں خود گہری نیند سوا "کیونکہ صبح کے وقت میں خود سے نہیں اٹھا" بلکہ میرے شانوں کو ہلا کر مجھے بیدار کیا گیا۔

انھوں نے خود میں لے سوا کہ بھڑکے ہے کہ میں اپنی ماری پریشانیوں کو بھول جاؤں اور اپنے ماحول اور وہاں کے رہنے والوں سے واقفیت پیدا کروں۔ لہذا میں بھی کبھی تھا صحت کے بچے چھوڑ جانا اور سوچ و فکر میں ڈوب جانا۔ کبھی کبھی میں اپنے افغان دوستوں "جو کہ حرام کے دشمن تھے" سے بات چیت میں مصروف ہو جاتا۔ "اس دوران ٹوٹ مار اور مصروفی کی قتل و غارت گری کا سلسلہ دور اور اس کے پھیلنے کے تعاون سے جاری رہا۔ یہ "جگ" نہ صرف قاتلوں اور کاروائیوں کو بولنے تھے بلکہ سوچ و فکر کا قریبی گاؤں اور قصبوں میں بھی یہ گرجا بنی پھیلاتے تھے ان کا دستور تھا کہ لڑائی یا ٹوٹ مار کے دوران اگر ان کا کوئی ساتھی زخمی ہو جاتا اور اس قاتل نہ ہوتا کہ ان کے ساتھ ہوا گئے تھے تو یہ خود اس کا مرگت کر دیتے تھے یا دھوکہ دیتے تھے تاکہ وہ گرفتار ہو کر کسی ان کے راز

تھی کہ چوتھی رات کی دعوت ہو آخری تھی اس کے بعد انہیں جانے کی اجازت مل جائے گی۔ دعوت کی صبح کو میں حلدی بیدار ہو گیا اور اس چشمے کی جانب چلا گیا کہ جہاں میں وضو کرتا تھا۔ در سے فارغ ہو کر میں بیٹھ کر آگے والے دروں کے درے میں سوچنے لگا کہ جب میں ازاں ہو جاؤں گا تو سردی رہے گی اور میں چلا جاؤں گا اور ان ۱۱ دروں اور بیروں سے ہنگامہ پانچواں گاہ فیکن میں نے ایک عجیب چھڑھوس کی کہ ان خیالات نے خوش کرے تھے اے جہاں مجھے اس کرنا۔ مجھے چاہیے یہ کیوں ہوا؟ صبح کے سائے وقت میں بجائے اس کے کہ میں خوش ہوتا ہوں میرا دل جھپٹے گا۔ فیکن میں نے ان باتوں پر زیادہ دھیان نہیں دیا اور آہستہ بہ آہستہ اپنی رہنمائی کی جانب چلا۔ جب میں اس جگہ کے قریب پہنچا تو میں نے اچانک چپختے چلانے اور ایسی توجہ میں کہ جیسے خدا کی جانوروں کو ذبح کر رہا ہوں۔ اس نے بعد دردناک آواز میں "میں توجہ کر سکیاں میں نہیں۔ یہ کس کر میں تھوڑی دیر کے لئے رات کی لور سوچنے لگا کہ شاید یہ بھیڑوں کی لور ہو کہ جس میں دعوت کے لئے سب سے پہلے میرا دل ہو۔ جس پر میں نے سوچا کہ اس دہشت انگ چیز کا کیا مطلب ہے؟ اس صورتحال میں ہو یہ کہ میں جو آگے جا رہا تھا اس کے بجائے پیچھے کی جانب ہٹا دیتے۔ تھوڑی دیر میں میں نے یہی ارادہ کر کے عالم میں دیکھا کہ ایک افغان کہ جس کے سر سے خون بہہ رہا تھا اور جس کا لباس اس سے سرخ ہو گیا تھا وہ بھاگا ہوا آ رہا ہے۔

اسے دیکھ کر میں اس کی جانب بھاگا اور اس سے پوچھا "پراچم خاں کیا بات ہے؟" اس پر اس نے جواب دیا "میں سب ختم ہو گئے، بیروں سے تمام افغانوں کو قتل کر دیا ہے۔ میں نے اپنے سر کو پچھتے ہوئے دیکھا، تین انگلیں کٹ دی ہیں۔ میرے جسم میں قدر گہرے ٹھیس ہیں، لیکن موت سے بچنے کی خاطر میں بھاگا جا رہا ہوں۔ تم میرے پیچھے مت آنا، وہ شاید میرا پیچھا کریں اور پکڑ لیں۔ تم خود بھاگ جاؤ اور اپنی جان بچاؤ۔"

"خدا حافظ ابراہیم" میں نے کہا "خدا تمہاری حفاظت کرے۔"

یہ کہنے پر میں آگے بڑھا۔ میرے دل کی تیز رفتاری سے شمال کی جانب دھکے لگنے لگے۔ دوڑتا رہا۔ اس عرصہ میں میں نے بالکل پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور کوئی چٹائیوں، کھنڈوں اور اونچے دیوے پر تھوڑے تھوڑے سے ہونا ہوا ہوتا چلا گیا۔ کبھی کبھی میں اس قدر ہلندی پر چلا جاتا تھا کہ اس میرے پیچھے ہوتے تھے اور یہی بالکل ہستی کی جانب گرائی میں۔ اس قدر دوڑنے کی وجہ سے میں بالکل تھک کر چور ہو گیا اور جب میں اپنے کے قاتل مل میں

رہا تو آدھ دم ہونے کے لئے ایک درخت کے سایہ میں بیٹ گیا۔ بھوک اور پیاس نے مجھے مزہ حاصل کر دیا۔ اس وقت تک مجھے پتہ نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں؟ اس وقت میری یہ حالت تھی کہ اگر ہوا یا کسی جانور کے چلنے سے اگر پتہ لڑا بھی کڑکڑاتے تھے تو میں سم کر رہ جاتا تھا۔ میں اس شل سے لرز کر رہا جاتا تھا کہ وہ قاتل مجھے پکڑ کر مار دالیں گے۔ کچھ گھنٹے آرام کرنے کے بعد میں نے اپنا سفر دوبارہ سے شروع کر دیا۔ اگرچہ اس بار میں اپنی پہلی دلی رفتار کو برقرار نہیں رکھ سکا۔ میں پہلوں کی غاسوتی لور کھینے جنگلوں کے درمیان صوبہ عرب ہونے تک پہنچا رہا اور جب کبھی میں تھک جاتا اور چلنے کے قابل نہیں ہوتا تو اس صورت میں رک کر تھوڑا سا آرام کرتا تھا۔ اس دوران میں میں نے نیچے گرے ہوئے بیروں سے اپنی بھوک کی شدت کو مٹایا۔ اگرچہ یہ میری بھوک کا پوری طرح اثر نہ کر سکا۔ میرا خیال ہے کہ دہشت کی وجہ سے میرا دماغ غراب ہو گیا تھا اور میں کچھ اعظم نہیں کر پاتا تھا۔ خوش قسمتی سے میرے پاس غلیں رہ گئی تھیں جس سے میں نے کوشش کر کے چھوٹے پرندوں کو مارنا چاہا مگر مجھے اس میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

ادھر آ رہے پر مجھے طمیتان ہول میں نے سوچا کہ "رات کی مارکی" مارا نہ شت کے ساتھ مجھے اپنی حفاظت میں لے لے گی۔" نہیں ساتھ میں یہ ارادہ بھی تھا کہ کہیں کوئی وحشی جانور میرے ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دے۔ مجھے دور نزدیک تک کسی آبادی کا کوئی نام و نشان بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ پورے دن کے سفر کے دوران مجھے کسی انسانی قدم کے نشانات تک نظر میں آئے۔ میں نے سوچا کہ میرا ہنر کہاں ہے کہ جس پر میں آرام کر سکوں؟ میرے دوست کہاں ہیں؟ کس کوئی نہیں کہ جو اس ایسے پن میں میری مدد کرے؟ کیا میں اس قاتل ہوسکوں گا کہ وہ وہاں سے منسوب دیا کو دیکھ سکوں؟ ان خیالات میں غرق میں ایک پتھر میں بیٹے پانی کو دیکھ رہا تھا۔ اگرچہ میرے نے ان حالات میں بھی میرا ساتھ نہیں چھوڑا تھا مگر میرا مار اپنی جگہ موجود تھا۔ یہ ذکر کہ یہ تو میں قتل کر دیا جاؤں گا یا کسی جانور کے منہ کا منہ لگا۔ میرے دل میں پوری طرح سے سوچ رہا تھا۔ ان بے خیالوں سے بچنے کے لئے میں ایک اونچے درخت پر چڑھا اور اس کی ایک شاخ پر بند کر صبح میں غری ہو گیا۔ چند منٹ غری گری غاسوتی تھی۔ کبھی کبھی جانوروں کے ہونٹے سے ٹوٹ جاتی تھی۔ جب میں نے نظریں اٹھا کر آسمان کو دیکھا تو وہاں صاف و شفاف نیچے آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھ کر میں خدا کی قدرت کا قائل ہو گیا۔ اس دوران مشرق سے چاند اس طرح سے ابھرنا شروع ہوا جیسے کہ سولے کا پانچواں آہستہ آہستہ ابھر رہا ہو۔ اس کی روشنی سے قریب کے تمام

پہاڑ چمک اٹھے۔ اس کے ساتھ ہی میرے قریب دھواں کا نظری ہوا گیا۔ پہاڑ سرسبز و رخنوں میں گھرے ہوئے ایسے معلوم ہو رہے تھے کہ وہ کلاٹ و ابلوانت ہوں کہ جن کے سامنے ہرے بھرے باغات ہوں۔ میرے خیالات کے جانے ہوئے یہ کلاٹ 'پہاڑ کی شفاف روشنی' بنا ہوا جو کہ پھولوں کی خوشبو سے بھری ہوئی تھی۔ ان سب نے مل کر مجھ پر ایسا نشہ جاری کر دیا کہ میں فوراً اوڑھ پر ہو گیا۔ خواب میں نے رکھا کہ میں شاہدار باغ میں حوریں اور غلام کے ساتھ چل قادی کر رہا ہوں۔ میں خواب سے اچانک اس وقت بیدار ہو گیا کہ جب میں نے اپنی پیٹھ اور سر پر ایک دھمکے محسوس کیا جس کی وجہ سے میں دھواں سے ہوش دار ہوا۔ اس میں کہیں۔ میں سے دیکھا کہ میں درخت کے نیچے پرا ہوا ہوں تو دھواں میرے لئے تو میں حرات کرنے کے بھی قابل تھا۔ نہ پر میری حالت بہتر ہوئی۔ خوش قسمتی سے جس رخت سے میں گرا تھا وہ تیلی زمین پر تھا۔ اس نے شہرہ میرے چپ تھکی۔ مگر اس قدر نہیں کہ میں چل بکھر نہ سکوں۔ میں دھواں سے درخت پر چڑھا اور اس بار خود کو اپنی پگڑی سے ایک شاخ سے کس کر پانچہ لیا اور پھر گھوڑے سے چکر لگایا۔

یہاں میں قارئین کی توجہ اس بات کی طرف دلاؤں کہ ہم ایسی ہی باتوں کا ہوس یورپیوں کے تنگ اور تنگی اصول میں بیٹے سے ہاس سے کسی قدر بہتر ہوتا ہے۔ یورپی لباس صرف جسم کو ڈھانپنے کے واسطے ہے، یہ کپڑا ہمارا پسند یا قبا ہاس کے مادہ اگر ضرورت پڑے تو ہستر کا کام بھی دیتی ہے۔ ہماری چادر رات کو اوڑھنے کے بھی کام آسکتی ہے اور اسے دن میں سورج کی روشنی سے بچنے کے لئے ہموں خیر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ہماری پگڑی ہاس کا سب سے اہم حصہ ہے اور ہر صورت میں یورپی ٹوپی سے مادہ درج بہتر ہے۔ یہ اسالی سر کا سب سے ضروری لباس ہے اور اسے سورج کی حرارت بچاتا ہے۔ یورپی رہنے اس کے مقابلہ میں سورج کی روشنی کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ پگڑی ہاس سے ساتروں کو پانی فراہم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے جبکہ وہ صحرا یا جنگل میں سفر کر رہا ہوں اور پانی کے لئے کمرہ نہیں لے سکتا۔ وہ کوئی دوسرا ایسا موقع ہے پگڑی کو کتوں میں ڈال کر آسانی سے پانی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اگر پگڑی سلک کی ہو تو یہ سر کو تھوڑی کثرت سے بچاتی ہے۔ اگر کوئی رخی ہو جائے تو اس کے زخموں کے لئے پانی کا کام کرتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے اور بھی بہت سے فائدہ ہیں کہ جن کو اگر بیان کیا جائے تو اس میں وقت اور جگہ دونوں کا بے پناہ استعمال ہوگا۔

صبح کے وقت چڑیوں کی ضرورت چھٹا منٹ نے مجھے بیدار کیا۔ مجھے کچھ کے بعد میں نے

خود کو احتیاطی تروبان محسوس کیا۔ لیکن میرے جولو دور کر رہے تھے اور حرکت کرتے ہوئے مجھے تکلیف ہوتی تھی۔ میں نے اس بلند و بالا جگہ سے اتر کر ایک اچھے مسلمان کی طرح ایک چشمہ کے پانی سے وضو کیا اور نماز پڑھ کر شمال کی سمت ہی میں اپنا سفر جاری رکھا۔ پتہ میں تو کئی دن چلتی و چلائی تو نہیں تھی، لیکن جب میں آگے سبیل کے قریب چل رہا تھا تو میرے جسم کی کئی قسم ہو گئی اور میری دگوں میں دھواں سے نئی قوت آگئی۔ میں جیسے سمجھتا تھا کہ اس سفر میں مجھے جو مشکلات درپیش آئیں وہ ناقابل عقین ہیں کیونکہ میں نے اس سفر کو دیکھا تھا کہ کسی انسانی قدموں کے نشانات کے میں چلا رہا۔ لیکن ہر حال حقیقت ہے کہ میرے آگے جانے کا راستہ اس سے زیادہ مشکل تھا جتنا کہ میں چل کر پاتا تھا۔

میں اپنی پریٹن حالی کو مختصر کرتے ہوئے یہ بتانا ہوں کہ میں نے چار دن سورج کی انہری میں راستہ طے کیا اور چار راتوں میں درخت کے اوپر سویا سوئے وقت میں پھنسے کی طرح خود کو اپنی پگڑی کے ذریعہ شاخ سے پانچہ دیتا تھا تاکہ گردن نہیں۔ میرے کھانے میں محدود گوار تھے۔ اس حرم میں میں نے تین چڑوں اور ایک موطا مارا اور ان کا گوشت کھیا جو مجھے ذیہ تھکا۔ اگرچہ موطے کا گوشت کھانا ہمارے مذہب میں حرام ہے مگر بھوک کی شدت۔ مجھے اس کے کھانے پر مجبور کر دیا۔ پانچویں دن صبح وقت پہاڑی کی ایک چوٹی سے میں نے ایک سبیل کے قاصد پر کچھ بھیل عورتوں اور مردوں کو دیکھا کہ جن کے سروں پر آگ جلائے کے لئے لٹری کے بٹل رکھے ہوئے تھے۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ یہ کسی پہاڑی میں اس لٹری کو فریخت کرنے جارہے ہیں۔ میں ان کی طرف اس قدر تیزی سے کہ جس قدر ممکن تھا بھاگا اور ان غریب لوگوں کی جماعت کو لو بہنے کے قریب جا کر جا بیا۔ اس وقت وہ ایک ٹھوس کے پاس بیٹھے ہوئے خود کو مادہ دم کر رہے تھے۔ انسان کو انسان کے لئے محبت اس وقت معلوم ہوتی ہے کہ جب وہ دوسروں میں تھا ہو۔ اس لئے جیسے ہی میں نے انہیں دیکھا میں ان کی طرف کھینچا چلا گیا۔ اس وقت میں یہ بھی سمجھ گیا تھا کہ میں ان کے جو مذہب دنیا کے لئے غلط ہیں۔ اگرچہ وہ اختلافی بری حالت میں تھے۔ میں نے ان کو خوار تھی کہ اگر وہ چاہتے تھے تو اس دھما سے میرے وجود کا خاتمہ کر دیتے تھے۔ اس طرح سے سانپ چاہے کسی قدر چمکے کیوں نہ ہو، زہرا ہوتا ہے۔ لیکن میں نے ان سے کہا کہ آپ کا اس لئے لب وہاں داپس جانا ممکن نہیں رہا تھا۔ اس لئے میں کے قریب پہنچے ہوئے میں سہا کر ان سے سوال پوچھا جانتے کہ یہاں سے گاؤں کتنے

دور کے قافلہ ہے؟ یہ سوال سن کر شاہد مجھے بظاہر مسافر سمجھیں اور اس طرح میں خود کو ان کے حوالے کر کے ان کے رحم و کرم کا محتاج ہو جاؤں کہ وہ جس طرح سے چاہیں میرے ساتھ سوک کریں۔

گلد میں نے اپنا ڈر اور خوف دور کرتے ہوئے اپنے اوپر عجیبگی طاری کی اور بے درعب سے ان سے لکڑی کے بڑوں کی قیمت معلوم کر لی شروع کر دی۔ ان میں سے ہر ایک نے بڑی معمولی قیمت بتائی اور پوچھتے گئے کہ میں یہ ای جگہ خریدوں گا یا حاصل پرور میں۔ یہ وہ نام تھا کہ جس کا ذکر شیخ نسواہ نے کیا تھا۔ یہ سن کر میں ایک لحاظ سے سرگرم ہو رہا تھا۔ وہ ذمہ ہو گیا۔ میں نے پر عجب لمحہ اختیار کرتے ہوئے ان سے کہا کہ میرے دوستوں کی جماعت میرے پیچھے آ رہی ہے۔ ہمیں چلنے کے لئے لکڑیوں کی ضرورت ہے لیکن میں ایسی گاؤں شیخ ر حیدوں کا گردہ یہ بند ہے کہ میرے ساتھ چلنے پر تیار ہو گئی۔ یہ سن کر ان کی پوری جماعت میرے ساتھ چلی۔ تین میل چلنے کے بعد کہ جس میں ہم پہاڑیوں کے اوپر پہنچے اور اترے۔ "خاکار ہم گاؤں نے اعراب میں پہنچ گئے۔ میں اس طوفانی و صرست کو بیان نہیں کر سکتا کہ جو مجھے اس وقت ہوئی۔ میں اپنے حلقہ وصل کو جو میرے ساتھ تھا چپے چسوا کر بھاگ ہو گاؤں میں داخل ہوا۔ اس وقت گیارہ بجے ہوں تھے کہ جب میں بڑے شیخ کے گھر پہنچا۔ وہ اس وقت اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھا ناشہ کر رہا تھا۔ ایک بڑے کونے میں لہلہ ہوئے گیسوں تھے اور اس کا ایک ایک پار گھر کے ہر کمرے کے سامنے تھا۔ بوڑھے شیخ نے مجھے دروازے سے بھانپا ہوا اور ڈوڑا ہوا اگر تھ سے بغل کر لیا جو اور اس طرح چانک کر اسے بے انتہا خوشی بھی ہوئی۔ میں نے کوشش کی میں اس کا شکریہ ادا کر سکی اور اس کے حامداں کی صحت کے بارے میں پوچھوں مگر کتھڑی کی وجہ سے پوری طرح سے اپنی بات واضح نہیں کر سکا۔ بوڑھے آدمی نے کہا کہ اس سے میرا حلق ٹاٹا کہ میں گودیا۔ سے رہاں گیا ہوں اور پھر چانک غائب ہو گیا ہو رہا۔ "مجھے وہ بناؤ تو بھروسہ کہ تم کہاں رہتے؟" اس نے سوال کیا۔ میں اس کا جواب اس نے میرے دل سے سننے کے بجائے میری آنکھوں میں دیکھ لیا۔ وہ اس وقت حیران ہو گیا کہ اس کے ذہن میں میری آنکھوں سے آنسو نکل رہا ہے۔ اس نے مجھے قہر سے کی کوشش کی اور مجھ سے پوچھا کہ کیا کسی نے میرے ساتھ ہر سلوک کیا ہے؟ "میرے دوست" مجھے بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے؟" وہ مجھ سے سوال کرتا رہا اور میں اس کے جواب میں آئندہ ہوا۔ وہ شیخ نے فوراً اٹھ کر پانی کا برتن منگوا اور میرے ہاتھ دھو اور چھینا کو اکر

سے دھویا۔ اس سارے علاج سے میری حالت سنبھل گئی اور مجھ پر وہ دہائی کیفیت طاری ہو گئی تھی وہ دور ہو گئی۔

اس کے بعد ہم نے ایک دوسرے کی جہت پر چلی۔ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوں۔ اس وقت بھوک کی شدت نے دلہ اور لسی کو میرے لئے سخت بنا دیا اور میں نے خوب بہت بھر کے کھانا کھایا۔ میں نے شیخ کو اپنے کنبہ و حالات سے باخبر کیا جس کی وجہ سے اس کی ہماری میری جانب سے اور بھی کئی وہ میری دوستی پر اس نے انوس کا تہار کیا۔ بہت بھر کر کھانے "حفظ کا احساس ہونے اور بھاگ کر گئے کی بے انتہا خوشی نے فوراً ہی مجھ پر خود کی طاری کر دی۔ میری حالت کو دیکھتے ہوئے شیخ مجھے کہا میں نے کیا جہاں میں انکار کئے تھے تب گری جیو سوا "یعنی دن کے بقیہ چھ گھنٹے اور پوری رات" دوسرے دن صبح شیخ نے مجھے بیدار کیا اور نماز پڑھنے کے بعد ہم دونوں باتوں میں مصروف ہو گئے۔ اس نے مجھے ایک خبر سنائی جسے سن کر میں پریشان ہو گیا۔ خبر یہ تھی کہ میرے سوتلا باپ "یعنی صوبدار نے حد حیا کی علامت پھول دی ہے اور اپنے سالے کے ساتھ مل کر چند گھڑ سواروں کو لے کر اندر میں بٹکر کے ہاں ملازمت کر رہا ہے اور وہیں یہ وہ اپنے گھر والوں کو لے گیا ہے۔ عہد میں جانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اس میں اور اس کے سالے میں جھگڑا ہو گیا جو پڑھتا رہا یہاں تک کہ کالم گھونچ دیا۔ یہ تک نہت شیخ مکی بھرہ لوں میں تھوڑا پانی ہوئی "چونکہ اس کا سالہ نوان اور باہر شہر دن تھا "لہذا اس نے صوبدار کو زخمی کر کے اودھا کر دیا۔ یہ سوچتے ہوئے کہ اس کا کام تمام ہو چکا ہے" اس نے وہاں سے بھاگنے کا ارادہ کیا "اس کوشش میں جو بھی اس کے قریب آتا اسے زخمی کر دیا۔ لیکن اس جھگڑے کا شور سن کر لوگوں کی ایک بڑی تعداد گھر کے باہر جمع ہو گئی اور جب اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو کسی نے گولی مار کر اسے شتم کر دیا۔ صوبدار بھی دوسرے دن لوگوں کی گھمبیر لڑکر مر گیا۔ حکومت نے فوراً ان کی تمام جائیداد اس جیل سے ضبط کر لی کہ دونوں گھر تھے کیونکہ انہوں نے "امن و امان کو خراب کیا اور قانون کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔

اس صدمہ کی خبر نے مجھے افسردہ کر دیا۔ مجھے صوبدار کی موت کا انوس تھا مگر میں اپنی طرف سے فکر مند ہو گیا۔ اس کے اوپر کیا جی "اس کے بارے میں مجھے کچھ پتہ نہ تھا۔ میں قہر کے گھڑتین دن تک ٹھہرا۔ چوتھے دن میں اس کی مرضی کیخلاف وہاں سے چل کر ہوا اور اندر کی جانب روانہ ہوا۔ وہاں میں وہ دن کے اندر پہنچ گیا اور خوش

منشی سے جلد ہی اپنی ماں کے گھر کو تلاش کر لیں۔ ہمیں دونوں کو ایک دوسرے سے مل کر خوش خوشی ہوئی وہ جوں سے جا رہے تھے۔ اس سے مجھے اس حال پر گھڑے کے بارے میں تفصیل سے بتایا اور پھر کس طرح حکومت نے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تمام سارے ممالک کو لٹا۔ میرا اپنا صندوق کہ جو میں اس سے پاس پھونکا تھا اور جس میں میری اور چیزوں کے ساتھ میرے پیسے بھی تھے وہ لٹیروں سے اس لئے بچ گیا کہ وہ لوٹا پھوٹا اور بھرا تھا۔ بس میں نے اپنی ماں کی صحت کے بارے میں پوچھا جو مجھے کئی زیادہ اچھی نظر نہیں آتی تو اس سے جو جواب دیا اس نے میرا دل افسردہ ہو گیا۔ اس سے کہا کہ اس مسلسل معیوسہ و غار رہنے لگا ہے اور ساتھ میں کھائی بھی ہے لیکن اس سے اپنی اس بیماری کی طرف زیادہ خیال نہیں کیا۔ لیکن اسے یہ احساس ضرور ہو گیا کہ اس کی لڑائی کم ہو رہی ہے۔ اس کی بظاہر معیوسہ نظر آئے وہ بچائی جو اس حقیقت اشتباہی حد تک غلطی اس کے بارے میں معلوم ہو کر میں پریشان ہو گیا۔ لیکن اس کی موجودگی میں میں نے اپنی پریشانی کو ظاہر نہیں ہو سکا۔ اور جب پردوں کے ساتھ اس سے کہا کہ گھر کی کوئی بات نہیں وہ جلد ہی ٹپک ہو جائے گی۔ ساتھ ہی میں نے اسے مشورہ دیا کہ اس کی صحت کے لئے تدریجی "سپ" دیا ضروری ہے۔ لہذا کہوں نہ وہ لپچ آہائی شہر جا کر اپنی ماں بھائی اور دوسرے رشتہ داروں سے مل لے۔ اس پر وہ خوشی سے تیار ہو گئی اور اپنے کڑے آثار کو بھیرے ہوئے کہ اس کو بچ کر میں سر کے اجازت کا بندوبست کروں۔ میں نے اس پر انکار کرتے ہوئے کہا کہ میرے صندوق میں میرے پیسے ہیں۔ جو ان اخراجات کے لئے کافی ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے دوست اس حد تک نہیں پہنچے ہیں کہ ان چند ریوڑتوں میں وہ کسی کو جو لٹیروں کے ہاتھ سے بچ گئے ہیں انہیں قرضہ کر کے گزارا کریں۔ ہونے والوں سے سچے حکومت کے احکامات کے مطابق گھر کا سارا سامان لوٹ لیا مگر انہیں اس بات کی جرأت نہیں ہوئی کہ وہ ایک راحت خاؤں کے زور دلت کو ہاتھ لگائیں۔

میں فوراً ڈاکر گیا اور سفر کی تمام تیاریاں جلدی میں مکمل کر لیں۔ دوسرے دن صبح میں نے صبح سویرے اندر بیٹھ دیا اور خدا کی مہربانی سے بغیر کسی رکاوٹ کے تیسرے دن اپنے سفر پہنچ گیا۔ بس اب عرب خانے میں داخل ہوئے تو تمام گھروالوں نے اپنی طبیعت کے ساتھ ادا حیرت مند کیا۔ ہمارے پاس اچھا "سپ" تھا۔ حالہ حالوں میں خوشی سے ساتھ ساتھ حیرت و تعجب بھی تھا۔ یہ دن میرے طبعاً سب کے لئے انتہائی خوش کا تھا۔ میں آگے والے محسوس دن کے خیال سے خوشی کے ان لمحات میں پوری طرح سے ان کا

شریک نہ ہو سکا۔ میں نے غیبی طور سے اپنے ماموں کو ان کی بہن کی مودی بیماری کے بارے میں بتا دیا۔ وہ خود اس کے چہرے کی زبردستی کھائی اور ٹامپڈی کے جذبات کو دیکھ کر اس بیماری کا اندازہ لگا چکے تھے۔ وہ اپنی بہن کی حالت سے کافی متاثر اور پریشان تھے لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے مجھے تسلی دی اور کہا کہ میں مریض کے سامنے کسی قسم کے احساس کا اظہار نہ کروں۔ بلکہ اس سے متعلقہ کرتے ہوئے خود کو خوش و مسرور ظاہر کروں۔ کیونکہ اس قسم کی بیماریوں کا یہ سب سے بہترین علاج ہے اور یہ کہ اس صدمہ سے میں خود کو بحال نہ کروں کیونکہ زندگی اور موت مکمل طور پر خدائے برتر کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ کہ دونوں ایسے ہیں کہ جن پر موت کا خوف کرنا عقل مند ہی نہیں، یعنی ایک وہ دن کہ جب مرنا ہے اور دوسرا وہ کہ جس دن نہیں مرنا ہے۔ ان دونوں دونوں میں ڈرنا عقل منات ہے۔

میں نے ان ہدایات پر سختی سے عمل کیا اور وہ تمام طالع کئے کہ جو ہمارے اختیار میں تھے۔ لیکن یہ قسمتی سے ان کا کوئی لائحہ نہیں ہوا۔ بیماری روز بروز بڑھتی رہی اور مریض اسی طرح سے کمزور ہوتا گیا۔ میں دن کے اندر اندر وہ کھل (حافظہ میں کر رہا تھا) یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس کا آخری وقت قریب آگیا ہے اس نے اپنی "خوشی و صحت اس طرح سے کی" میرے بیٹے! میری طبیعت ہے کہ تم نیکی کی زندگی گزارا اور اس دنیا میں رہتے ہوئے عقل اور اپنے ضمیر کے بتائے ہوئے راستہ پر چلو۔ میرے بعد اس خیم بچے کا خیال کرنا جو صرف چھ سال کا ہے اور جس کی خبر گیری کرنے والا سب کوئی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرتا۔ میری دعا ہے کہ تم جہاں کہیں بھی رہو، خدا تمہاری حفاظت کرے۔ مجھے اب یقین ہے کہ میں اب اس دنیا میں واپس جائے گا ہوں کہ جہاں سے میں آئی تھی۔" یہ کہتے ہوئے وہ کمری بے ہوشی میں ڈوب گئی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر میرے وہ "آنسو" جو اب تک رکتے ہوئے تھے کسی بند کے چھنے کی طرح سے پھوٹ پڑے۔ اس کے بہتر کے قریب جتنے لوگ کھڑے تھے "میری بھائی" بہنوں اور دوسرے رشتہ دار سب ہی مجھے روکتے دیکھ کر میرے رونے میں شریک ہو گئے۔ یہ سب کوئی آواز نہ تھی۔ بلکہ وہ پھر اس وقت ہماری خوشی کی انتہا نہیں رہی کہ جب اسے ہوش آیا اور اس نے اس کے لئے پانی ڈال دیا۔ اس کے بعد سے وہ بڑی پرسکون ہو گئی اور ہمیں تسلی پہنچ گئی اور طبیعت کرنے لگی کہ ہمیں محسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دوسرے دن بنا محسوس ہوا کہ وہ بالکل ٹھیک ہو گئی ہے اور ہمیں کچھ کر خوشی ہوئی کہ وہ صبح کے ہمارے

تھوڑی دیر تک چلی بھی۔ لیکن انہوں نے یہ دینی صحبت باہلی ایسی ہی تھی کہ جیسے چراغ کے بجائے دھندلے شعلے بجھتا ہے۔ 24 اپریل کو جمعہ کے دن دھندلے شعلے کے جیسے اس کا سر میرے سینہ پر رکھا ہوا تھا۔ اس کی دھندلے شعلے سے حلقی سے مائی۔ میری دعا ہے کہ خدا نے رحیم و کریم بیٹے اس پر اللہ کی بخشش کرنا ہے۔ آمین۔

چونکہ میں ہی وہ شخص تھا کہ جس سے فقیرہ عیسیٰ کے بارے میں پوچھا گیا۔ اس لئے میں نے بدایوت دی کہ اس کی تیاری جس قدر بہتر ہو اس طرح سے کی جائے۔ ان تمام اعتراضات کو میں نے برداشت کیا جس کی وجہ سے میری تمام رقم ختم ہو گئی۔ تجزیہ و تحلیل کے علاوہ غریبوں کو خیرات دینا اور ان دوستوں و رشتہ داروں کے کھانے و پینے کا انتظام کرنا کہ جو دور و نزدیک سے توجہ کے لئے آئے تھے ان سب میں میرا کافی حصہ خرچ ہو گیا۔ اگرچہ میں نے اپنی ماں کے چند دیورات بھی روشت کر دیے مگر اس نے باقی خرچہ کے لئے رقم کی ضرورت تھی۔ اس لئے میں نے سوچا کہ بہتر یہ ہے کہ میں خاموشی سے یہاں سے چلا جاؤں کیونکہ اس شر میں اب مزید رکھنے سے میری شہرت خراب ہو رہی ہے کیونکہ جن لوگوں سے میں نے تمنا بہت قرض لیا تھا اب وہ اس کی واپسی کے لئے شدید اصرار کر رہے تھے۔

میرا ایک دوست ٹیٹل علی خاں جو کہ ایک قلیل عرصت اور شریف شخص تھا وہ اس وقت برطانوی حکومت کے انکسٹ کے طور پر دھارا پر میں تھا۔ میں اکثر اس کے پاس جانا رہتا تھا اور وہ ہمیشہ خود سے عورت و حرام سے دور کرتا تھا کیونکہ میں اس اہم جہیں پہنچا کر اس کی مدد کیا کرتا تھا۔ ایک دن موقع پا کر میں نے اسے اپنی حالت وار سے آگاہ کیا جسے سن کر سے بے انتہا انہوں ہوا۔ اس نے فوری طور پر مجھے رقم دے کر قرض خواہوں سے میری جان چھڑائی۔ ساتھ ہی میں اس نے اپنی اپنی خوشیوں سے اور میں کہنی میں ٹلرک کا ایک نمبر ۱۷۰ اس کی تحویہ چندہ روپے ۱۵۰ ر تھی۔ ۸ ستمبر کو مجھے وہ نمبر دے لے تقریبی کے کاغذات مل گئے جس پر نمبر کے پیڑ کو اور سے سر جان مالہ کے دھندلے تھے۔ اس میں تھا یہ تھا۔ مجھے۔ میں کہنی کی راست میں لے گیا تھا۔ ۹ ستمبر کہنی سے وفودا رہا تو مستقبل میں میری ترقی کے امکانات ہیں۔ اس کے ساتھ مجھے بدایت کی مٹی کی میں فوراً پانچ ہزاروں کے ساتھ دھرم پوری کے لئے روانہ ہو جاؤں اور پست ماٹر کا چارج منجھانوں جس کی بد قسمہ داری ہوگی کہ وہ شدید دالے سے منہ پھوٹا رہا جو بھی واگ ہو۔ اس کو منہ لے۔ اس کے علاوہ میری بد قسمہ داری تھی کہ منہ پھوٹا رہا

نے وہی کی تمام خبریں روز ایک خط میں لکھیں اور اسے ساتھ میں منتریل کو روانہ کیا گیا۔ جیسے ہی مجھے یہ بدایت میں میں نے سر کی تیاریاں شروع کر دیں اور ہر کاروں کو لے کر اپنی مقرر شدہ جگہ پر چلا گیا۔ یہاں تک پہنچنے میں مجھے عین دن لگے یہاں پہنچ کر میں نے وہ اپنی جماعت کے ایک ہندو مندر میں قیام کیا۔ یہاں آئے والا میں پہلا انگریزی مندر رہا۔ یہاں کے رہنے والوں نے سب ہی نے میری بڑی عزت کی۔ اس جگہ کا گورنر بہت دھار ریاست کی طرف سے ایک برہمن قلم جس کا نام تاتھو بھائی تھا۔ اس کی عمر ۶۰ کے قریب ہوئی۔ دلا پتل اور کالی رنگت کا انیم پی۔ اس کا رویہ لوگوں کے ساتھ بڑا تھا جس کی وجہ سے اس کے بارے میں رعیت میں خراب رائے تھی۔ اس کے قول کی پوری پوری عکاسی اس کی شخصیت میں ہوتی تھی جو اتنی ہی مختلف تھی جیسے کہ اس کے نام۔

کھابری طور پر تو وہ مجھ سے بڑے اخلاق سے ملا اور مجھے جس چیز کی بھی ضرورت تھی وہ اس نے مجھے مدت میں فراہم کر دی۔ لیکن دلی طور پر وہ شر میں میری مہر کی کو سخت پسند کرتا تھا۔ وہ اس پر بھی سخت غرض تھا جس اپنے اختیارات کو کبھی استعمال کرتا ہوں اور وہیں کے لوگ اس کے بجائے میری کون زیادہ عزت کرتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت چاہیے کسی قدر غلط کیوں نہ ہو تاتھو بھائی کو یہ سب برداشت کرنا پڑا۔ اس کو یہ بات پوری طرح معلوم تھی کہ اس کے راجہ کی طاقت انگریزوں کے سامنے ایسی ہی ہے جیسے کہ ایک بے قی باقی کے سامنے۔ چونکہ میرا تعلق بڑی طاقت سے تھا اور اس کے مقابل میں میں خود مختار تھا اور تو لانا بھی تھا۔ لہذا مجبوراً اس نے حالات کو اپنے دھارے پر چلنے کے لئے چھوڑ دیا۔

میں مل پیسے دھرم پوری ایک بڑا شر تھا۔ مگر اس وقت یہ چھوٹا ہو کہ محل ایک گاؤں رہ گیا تھا اور باقی تمام کھڑوت ہی کھڑوت تھے۔ اب اس میں صرف ایک سو کے قریب حکمت تھے جن میں انتہائی غریب لوگ آباد تھے۔ اس طرح یہ جگہ اب میری حکومت کے لئے تھی۔ یہاں کے لوگ تاتھو بھائی جیسے گورنروں کے ظلم و ستم کا شکار رہے تھے اور تاتھو بھائی کو توں اور لٹیروں کے ہاتھوں متاثر ہوئے تھے۔ اس لئے ان کی شدید خواہش تھی کہ کوئی انصاف کے ساتھ حکومت کرے۔ چونکہ انہوں نے سن رکھا تھا کہ ان کی حکومت اپنے انصاف اور دلی پوری میں دنیا میں واحد ہے لہذا وہ اس پر تیار تھے کہ پہلا موقع ملنے ہی وہ خود کو اس حکومت کے سولے کر دیں۔

دھرم پوری آکرچہ کھڑا رہا ہو چکا تھا مگر جتنی فوری طور پر یہ دروازے کھولے گئے تھے
بہتر کن جگہ پر واقع تھا۔ یہاں صاف و شفاف پانی دریا کی دھڑلے سے بہتا ہوا بڑا خوبصورت
گلیا تھا۔ اس کے دونوں کناروں پر کئی شاندار مندروں کے جو مشہور زمانہ ایویا پانی سے تعمیر
کرائے تھے جس سے 1769ء سے 1795ء تک ملک کی ریاست پر حکومت کی تھی۔ اس کا
انصاف 'مرووں والی ہست' اور فیاضی و سخاوت وہ خوبیاں تھیں کہ جن کی وجہ سے
اس کا نام کلیں تک زندہ رہے گا۔

یہاں دریا میں کئی مقام کے پرندے تھے۔ اس کے جنگل اگرچہ بہت زیادہ گئے نہیں
تھے مگر اس میں شکار کے لئے ہر قسم کے جانور و پرندے مل جاتے تھے۔ یہ جنگلی وحش
جانوروں سے بھی بھرا ہوا تھا۔ یہ جانور ہمارے گاؤں کے لوگوں کے لئے مسلسل مخلوق تھے
اور ہر مہینے میں ایک یا دو مرتبہ یہ ان کی کھوپاں اور چمڑے اٹھ کر لے جاتے تھے۔ یہاں
تک کہ ان کے گھروں کے باہر لگی ہوئی ہاتھ میں سے بھی۔ میری رہائش جس مندروں
میں چڑھ کر اس کا کوئی دروازہ نہیں تھا اس لئے یہ رات کو خطرناک ہو جاتی تھی۔ اس لئے
میں نے اپنے ہر کایا کو پہلیت کر رکھی تھی کہ وہ رات بھر اٹھ جاتے رہیں تاکہ اس
کے ذریعے یہ وحشی جانور اندر نہ آسکیں۔

میں نے ان کے تھوڑے ہی عرصہ بعد دریا سے مقامی فوجیوں پر مشتمل ایک دستہ ایک
بستری جو بھارت انگریز کی کمانڈ میں تھا اور میرے گاؤں میں قیام کیا۔ اس کی آمد سے
میں اور گاؤں کے لوگ بہت خوش ہوئے۔ مگر ناخوشی یہ تھی کہ رات بھر رگڑی۔ اس
جنگل سے پہلے مجھ سے معلومات حاصل کیں۔ اس سے بعد میں دستہ ایک ہندوستانی
صوبہ دہلی کی ماتحتی میں چھوڑ کر خود ایک ٹانگہ اور تین چابیوں کے ساتھ موہ چلا گیا۔ اس
نے بعد سے گاؤں میں میری پابندی اور زیادہ مضبوط ہو گئی۔ یہاں پہلے میں نے
وقت گزرا رہا تھا۔ دہلی کے سب سے بڑے سپر مارٹ تھا۔ حکومت کی جانب سے فراہم
نہایتی میں ہر روز سے زیادہ آج کل تھا۔ اس سے بعد پورے اس ٹانگہ مانگ
ہوا تھا۔ وہاں میں نے دہلی کے ایک صاحب دلی میں تھا اور اس سے بعد دہلی کے لوگوں
کا شکار کرتا تھا اور پھر مقامی فوجی دستہ کے افسروں کے ساتھ طریقہ کھاتا تھا۔ رات میں
میں مندر میں باقاعدہ دوبارہ آتا تھا جس میں گاؤں کے بچے اور قریب کے عیدوار شریک ہوتے

تھے یہ نشست آدمی رات تک جاری رہتی تھی۔

دہلی سے بعد ایک اور انگریز انجینئر جس کا نام مسٹر انجینئر تھا وہ اپنے آلات کے
دستیوں کے لئے آیا۔ اس نے اس جگہ کی تمام کاری کے بارے میں مجھ سے معلومات
حاصل کیں۔ اس کے بعد مجھ سے اور حوالہ دئے کہ جن کا جواب میں نے دیا۔ ایسا
معلوم ہوا تھا کہ وہ انتہائی بیمار تھا جس وجہ سے وہ رشتہ اور چچا ہو گیا تھا۔

اس کا انتقال اس واقعہ سے لگا ہوا تھا ہے کہ ایک مرتبہ جب وہ بیٹا ہو گیا تو ایک
کسی بیمار اس کے منہ پر اگر بیٹھ جاتی تھی۔ اس پر اس نے نہ صرف لازم کو جو اس پر
سے کھینچا دیا تھا برا بھلا کہا بلکہ اس کے چہرے پر مکہ مارنے کی بھی کوشش کی جس کو
اس نے اپنے سر کو بھٹکائے کر ناکام بنا دیا۔ اس سے وہ اور بھی زیادہ مشتعل ہو گیا۔ یہاں
تک کہ وہ قریب لازم خود کو پھانسی دینے لگا۔ اس کے چہرے پر اس کے غم کے
بہت زیادہ اثرات تھے۔ وہاں میں نہیں آیا۔ یہ دیکھ کر میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا مگر
اس کے چہرے پر کسی قسم کی خوشی ملنے کے آثار پیدا نہیں ہوئے۔

یہاں پر بغیر کسی رکاوٹ کے میں چار مہینے تک رہا۔ یہاں تک کہ ستمبر کے شروع مہینے
میں میرے شیپن پر ڈاک کا بند ہو گیا۔ اسی مہینے کے آخر میں مجھے ہیڈ کوارٹر سے ایک خط
ملا جس نے مجھ پر بھی اثر کیا کہ وہ ملک کی گولی کسی پرندے پر کرتی ہے اس میں کہا گیا
تھا کہ آمندہ سے میری ملازمت کی ضرورت نہیں رہی اس لئے مجھے فوری طور پر درخواست
کیا جاتا ہے۔ اس خط کا ترجمہ یہ ہے: 'میں نے اپنے فرائض گورنمنٹ عالی کی مرضی کے
مطابق قلمی طور پر انجام دیئے۔ چونکہ بیٹرا گرفتار ہو چکا ہے' ملک کے حالات مسلسل
گئے ہیں اس لئے اب قسری خدمات کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ لہذا تمہیں درخواست یہ
دیتا ہے۔ تم کو جو معلومات ہیں وہ ملت ہر کاروں کے ہوا کہ تم کو صحیح رہے۔ یہاں رہو
فی ریم جو تمہیں بھیجی جا رہی ہے اسے وصول کرو۔ یہ اس مہینے کی تنخواہ ہے۔ اس کے
بعد وہ مہینے کی تنخواہ بطور انعام ہے۔ ان حکایات پر مبنی سے گل کر۔'

اس کے بعد میں نے خود کو پھر اس حالت میں پایا کہ جس کے پاس قومی دستہ رقم
تھی جس سے دنیا کا کاروبار چل سکتا تھا۔ لیکن میری وہ تمام میسر ہو اس ملازمت سے
تھی اور میں جو خواب ترقی اور اعلیٰ عہدے کے دیکھ رہا تھا وہ ساری امیدیں اچانک
میرے گسٹ اور ہوا میں قیر کے گئے تھے عہدہ ہو کر غائب ہو گئے۔

دہلی کے دن میں گاؤں کے لوگوں 'دوستوں' مقامی فوجی دستہ کے افسروں سے رخصت

۔۔۔ میں چاندنی راہیں تھیں، اس لئے ہم نے اپنا سفر رات کو چھپے شروع کیا۔
 رستہ کا ایک نامک جس کا نام گی الدین تھا وہ ایک میل تک میرے ساتھ گیا۔ اس قیام
 کے دوران اس سے میری کئی دوستی ہوئی تھی، ہم دونوں اکثر شہرچہ کھینچتے تھے۔ میں یہ
 تسلیم کرتا ہوں کہ اس کھینچ میں اس کو صارت حاصل تھی۔ میں نے دوبارہ گی الدین
 صاحب کو 1840ء میں سورت میں دیکھا۔ اس وقت وہ بالکل بڑھاپے ہو چکے تھے، اور اس کے
 چہرے پر سلیڈ داڑھی چھائی ہوئی تھی۔ وہ مجھے اس آدمی سے بالکل مختلف لگے کہ جس سے
 میں پہلے مل چکا تھا۔ مجھے انیسویں کے ساتھ کتنا جانتا ہے کہ اس کی اس تبدیلی اور بد بختی
 کے باوجود اس کے حالات بہت زیادہ نہیں بدلے۔

میں اپنے سات ہرکاروں کے ساتھ دھرم پور سے چلا۔ پروگرام یہ تھا کہ میٹروپولیٹن
 کر میں ان سے ملوں، مگر اپنے کئی شہرچہ جاکوں اور یہ مہم۔ ہم نے پتا سفر شروع کیا تو
 کچھ وقت تو ایک دوسرے سے ہاتھ کر کے میں گزرا اور کچھ ایک گاہ والے سے گانا سننے
 میں۔ جو بہت اچھا گاتا تھا، اور ہر شخص سے اپنے اچھے گانے کی قیمت وصول کرنے میں
 مصروف تھا۔ رات کو بارہویں کی وجہ سے مڈان ہی اندھیرا ہو گیا۔ میں نے مشورہ دیا کہ ہر
 شخص داری داری جلتی ہوئی لکڑی کو سہ کر آگے آگے چلے تاکہ وحشی جانور ڈر کر ہم سے
 دور رہیں۔ چونکہ اپ میں ملازمت میں نہیں تھا اس لئے کسی نے میرے مشورہ کو نہیں مانا
 اور نہ ہی اس پر کوئی توجہ دی۔ اس کے برعکس انیسویں سے میرا مذاق اڑا اور کہنے لگے کہ
 "پتا تو تم خاموشی سے ہمارے ساتھ چلو" اور اگر نہیں تو واپس چلے جاؤ" اور جو مرضی میں
 آئے وہ کرو۔" یہ ملازمت بھڑکنے کے بعد پہلی ذات تھی جو مجھے برداشت کرنی پڑی اور
 اس سے میں اس قدر دلگیر ہوا کہ پھر میں نے ان سے کوئی بات نہ کی۔

رات کے کچھ بجے کے قریب سڑکی تھکان و درت کی نصیب کی وجہ سے میرا ذہن
 بھاری ہو گیا اور میری دل بالکل نہ تھا۔ میں ان کے ساتھ جاؤں۔ مگر مجبور میں قدم بڑھانا
 رہا۔ کبھی کبھی سب چاند بارہوں سے گل آتے تھے تو ہر طرف رش و سوائی تھی اور جب وہ
 چھپ جاتا تھا تو ہر کھپ اندھیرا چھ جاتا تھا۔ اچانک ہم نے اپنے بائیں جانب محاذیوں کے
 چرچنے کی "دھڑائی" سنی۔ جسے سن کر ہم سب ہوشیار ہو گئے۔ لیکن اچانک بھاڑی میں سے
 ایک چپتے سے چھڑک اٹکی۔ اور ان لوگوں میں سے جو میرے آگے تھے ایک کو اٹھایا
 جھپٹنے میں ناکب ہو گیا۔ اس وحشی جانور کا آنا اس کے منہ میں اس کے شکار کی بڑبڑ کا
 جھڑنا اور درد و تکلیف سے اس کا ہلے ہلے آواز ان سب میں کوئی تھپ تھپ لگے ہوں

مگر اس کے بعد مجھے تو پتا نہیں کہ کیا ہوا؟ جب مجھے ہوش کیا ہے تو میں اپنے ساتھیوں
 سے جدا ہوا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر شخص غلو کو وحشی جانوروں کے حوالے
 کرنے پر تیار ہے۔ میرے قلم میں اتنی حالت نہیں کہ اس وقت میں جس خوف سے دوچار
 تھا اسے الفاظ میں بیان کر سکوں۔

ہمارے جسم اڑ گئے تھے، ہماری بولنے کی حالت غم ہو گئی تھی، ہمارے دل دور دور
 سے وحشک رہتے تھے اور ہمارے چاروں طرف ہلے ہلے کی آواز گونج رہی تھی۔ اس
 حالت میں ہم سب کچھ دیر تو بیٹھتے ہوئے چلے، اس کے بعد اپنی اپنی زندگی بچانے کے لئے
 بھاگنے لگے۔ میرے ہوتے ہم اس رفتار سے بھاگے کہ شاید عرب کا گھوڑا بھی ہمارے مقابلہ
 کر سکتا ایک گھنٹہ کے بعد ہم ایک جھوٹے سے گاؤں میں پہنچے جہاں تقریباً پچاس کے
 قریب بچے ملاقات تھے۔ ہم بھاگتے ہوئے گاؤں میں داخل ہوئے اور کھن کی کونوں دور
 شور کا بھی خیال نہیں کیا کہ جنہوں نے ہم انہیوں کو آگے دیکھ کر بھونکا شہرچہ کہہ دیا۔
 اس عرصہ میں خود سے گاؤں والے بھی اٹھ گئے اور یہ سمجھے کہ ہم شاید ڈاکو ہیں کہ جو
 روکنے کے لئے آئے ہیں۔ ان تمام باتوں سے بے پروا ہو کر اس جموینڈی میں چلے گئے جو کہ
 ہمیں کی تھی اور جہاں سامنے آگ اٹھ ہوئی تھی۔ پہلی پہ ایک بوڑھا میل پرلیس افسر
 تھا جس نے ہماری شان کو دیکھ کر انداز لگا لیا کہ ہم ڈاکو نہیں ہیں۔ لہذا اس نے گاؤں
 کے لوگوں کو تسلی دینی چونکہ ہمارے ساتھی بولے ہوئے تھے اس لئے ہم فوراً تو نہیں بول
 سکے، لیکن جب ہمارے ہوش و حواس درست ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ ایک ہرکارہ جس کا
 ہم نام تھا وہ غائب تھا۔ اس کے بعد ہم نے اپنی پوری کمانی لوگوں کو سنائی۔ انیسویں نے یہ
 سن کر ہمیں برا بھلا کہا کہ ہم نے کیوں اس خطرناک جگہ میں رات کے وقت بھر آگ
 بھڑکنے مڑ کیا۔ اس لئے، ہمیں اس پر کوئی تعجب نہیں ہوا کہ ہمارے ساتھ یہ حادثہ پیش
 آیا۔ اس کے بعد وہ کسی کا ایک بڑا برتن لائے اور ہم سب کو اس میں سے ایک ایک پیالہ
 پینے کو دیا۔ ہم نے غصے سے پینے سے کئی پی اور اپنے بیرونیوں کا شہرچہ ادا کیا۔ اس کے فوراً
 بعد ہم سب کو سخت ہتھکڑیاں لگا دی گئیں جس سے کہ پورے جسم پر کچھ جھٹ طاواری ہو گئی۔ یہ کیفیت
 صبح تک رہی۔ پھر ہم وہاں سے دو بھینوں کی گھرائی میں مشورہ بداد ہوئے اور صبح نو بجے
 "نق" لگے یہاں پہ میں نے ہرکاروں کا ساتھ چھوڑ دیا اور اپنے نام قاضی کے پاس
 لا میرا رشتہ دار بھی تھا، ٹھہر گیا۔

یہ ہفتہ میں نے قاضی کے گھر والوں کے ساتھ گزارا جس میں نے اس قیام کے دوران

میری خاطر تواضع کی۔ ہر ایک کافر کے ہمراہ میں اپنے شہر چلا آؤں۔ جہاں جگہ عرصہ میں نے خاموشی سے گزارا۔ لیکن مجھے اس پر افسوس تھا کہ مجھے کیوں اس طرح غیر متوقع طور پر ملازمت سے درخواست کیا گیا۔ خدا کا شکر تھا کہ میرے پاس قرض ادا کرنے کے بعد بھی اس قدر مدد تھی کہ ایک سال تک میں نے اور میرے بھائی نے قرام سے گزار دیا۔ ہوا یہ کہ اس موقع پر سرچاں مالک ہماری درگاہ پر آیا اور اس نے اس کے مقبولیت کی خدمت میں خاصی رقم بطور نقد دی۔ اس نے ایک گائے چتر کی سل میں بھی بڑی چھپی لی جو سجدہ کے نمبر کی شہت پر لٹھ تھی اور جس پر ایک بندہ بیٹا لکی قصہ سنسکرت زبان میں بڑے قریب سے لکھا ہوا تھا۔ اس نے ہم سے کہا کہ۔ پھر سے مناسب قیمت پر فروخت کر دیں۔ ہم نے اس درخواست پر بڑا غور و خوض کیا اور اس وجہ سے مناسب جانے ایک یادگار کو جسے طاقتور بادشاہ نے اس وقت صوبہ کیا تھا کہ جب اس جگہ کے سردار مسجد میں پیدا تھا اس کو اس کے حوالے کیا جائے۔ اس کو نظر رکھئے ہو۔ ہم نے فوراً اس کی درخواست کو منظور نہیں کیا۔

لیکن دوسری طرف ہم نے یہ بھی سوچا کہ اس جیسے طاقتور اور بااثر شخص کو نکال کر بھی مناسب نہیں ہے کیونکہ اس کے ایک اشارہ پر یہاں کا راجہ اس چتر کی سل کو ہم سے کر بیٹھ موقوفہ کرے اس کو دے۔ گا۔ اس لئے ہم نے جنرل کے اسموں سے درخواست کی کہ اس چتر کو دے جائیں کیونکہ مقدس سجدہ میں اس مشرفانہ یادگار کا صوبہ ہونا شاید ہاسی میں لفظی سے ہوا ہوگا۔ اس لئے اس کو جس قدر جلدی یہاں سے ہٹایا جائے اس قدر مناسب ہے۔

چتر کو الٹا کیا اور اس کی جگہ جنرل کے اسموں نے عمدہ طریق سے درست کر دی۔ جنرل نے ہم سے کہا کہ اپنے شہر میں بلایا جانے میں سے اس نے مجھے اس قابل سمجھا کہ مجھ سے گفتگو کی جائے۔ لہذا میں اس کے آغا قریب ہو گیا کہ اس کے جسم کو چھونے لگا۔ اس کے بعد وہ مجھ سے چاہا کہ وہ اور بڑی خوش دل اور دوستی کے ساتھ داری میں بہت قیمت کی اور اس چتر کی سل اور کافرے خاندان کی تہذیب کی جس کی وجہ سے ہم بہت خوش ہوئے اور یہ خوشی اس قیمت سے زیادہ تھی جو ہم اس سے لیتے۔

پانچواں باب

واپس آنے کے بعد میں نے پھر ملازمت کی تلاش شروع کر دی اور ایک عملی کمپنی کے صاحبزادے کو ملا دیا ہے وہ پاتا ہے جلد ہی مجھے کامیابی ہو گئی اور ایک شریف انگریز پینٹسٹ بی جیک موہن' جو کہ ناچ میں بھیلوں کے پس ایٹ تھا' اس کو فارسی زبان پڑھانے کی تہہ داری دی گئی۔ ہوا یہ کہ وہ لیٹینٹ سی ایف پارٹ کے ساتھ ہمارے شہر میں نکال کھیلے آیا اور ہماری درگاہ کے قریب کی مسجد میں دو یا تین دن کے لئے ٹھہرا۔ یہاں اس نے ایک دن' اچانک یہ پیش کش کی جسے میں نے بغیر کسی جمل و جھٹ کے فوراً قبول دیا اور اس کے ساتھ اس کے بیٹے کو اڑھائی روپے ہونیک پینٹسٹ جیک موہن' جو شاید اب کرنا یا اس سے اعلیٰ حد سے دار ہو' ایک لہا اور دلا شخص تھا جو دیہات اور قابضیت کے ساتھ اور بڑی عمر کے ساتھ بھیلوں کے اشاروں اور خطبہ کی نقل کرتا تھا جو وہ قطرے' انتظام اور خوشی کے وقت نکالا کرتے تھے۔ وہ ان کی شکل اور نہ سمجھ میں آنے والی زبان کو بھی اچھی طرح سے پوتا تھا۔ یہ کہنا سکتا ہے اگر اسے ہوں کے پیچھے کھڑا کر دیا جائے' یا اس کو گالے رنگ سے چھٹ کر دیا جائے اور لکھنی پتا کر اس کے ہاتھ میں تیرہکان دے دی جائے تو وہ عمل طور پر بھیل معلوم ہوگا۔

میں اس نوجوان لڑکے کو ملازمت سرپرستی میں ساڑھے چار مہینے ایک قدیم محل میں رہا۔ بد قسمتی یہ ہوئی کہ وہ بھیل کے مرض میں مبتلا ہو گیا اور اپنے علاج کے لئے پیدہ کی جانا پڑا۔ وہاں سے جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا وہ اپنے وطن چلا گیا۔ ناچا سے جاتے وقت مجھے غصہ ایٹ کے حوالہ کر گیا تھا جس کو میں نے ہندوستانی پڑھائی شروع کر دی۔ اس وقت سے کہ 1835ء تک میں نے انگلستان سے ملے گئے واپس کو ہندوستانی فارسی اور مراٹھی زبانیں پڑھائی شروع کر دیں۔ پڑھانے کے لئے میں ان کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا تھا اس لئے میں کہ جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے' میں نے تقریباً سو طالب علموں کو پڑھایا ہوگا اور یہ بات میرے لئے باعث فخر ہے کہ ان میں ہر ایک نے حکومت کی انتظامی کمپنی سے اچھے نمبر لئے۔ میرے پاس ان تمام شاگرد کی ایک کتاب ہے کہ

ان انہوں نے مجھے دیکھیں جنہیں میں نے پہچانیا تھا۔ انہوں نے میری تعریف کی۔
 وہاں ہی کر دی ہے۔ لیکن میں ضرور کہوں گا کہ اس پیشہ میں "اور دوسرے لوگوں کے مقابلہ
 میں کافی بہتر رہا۔"

مجھے مسٹر ہارٹ کے پاس ملازمت کرتے ہوئے نہیں مہینے ہوئے تھے کہ اس کو ایک فوجی
 دست کے ساتھ کرمل پارک کی ماحولی میں مگر پارک جانے کا حکم ملا۔ اس صبح کا مختصر ایک
 بلوچ قبیلہ جو چاکر جو کھوسہ کے نام سے مشہور تھا، اس کو سرا دینا مقصود تھا۔ مجھے اس صبح
 میں اپنے شہر کے ساتھ جانا پڑا اور ہمیں سووہ کے آرام و کثافت کو چھوڑ کر پارک کے
 علاقہ میں سفر کرنا پڑا کہ یہاں پہ بلوچ قبیلوں نے پناہ لے رکھی تھی۔ ہماری فوج تمام سے
 ہٹا دی گئی۔ پہلے ہم سے ایک اور فوجی دست آکر ملا۔ اس کے بعد ہم راجہ
 پور گئے اور پھر پورہ کرنا دیکھنا شروع کیا۔ یہ علاقہ کوئی چالیس میل سہ ہوا اور چوڑائی میں
 دس ادا پورہ میں سبیل ہوگا۔ اس کے گردوں کا صحرا اور ریت کے ٹیلے ہیں۔ اس کے ہر
 گاہ میں دس یا بارہ کے قریب انتہائی قلعہ۔ صحرا میں ہیں۔ صرف ویراں ایسا گاہ ہے کہ
 جہاں چار سو چھوٹے ہیں۔ اس کا جو مرکز شہر ہے اس میں چار سو کے قریب جنگ
 تاریک چھپرے نما مکان ہیں۔

سووہ سے روانگی کے وقت پینڈیٹ دست کا خدا بھی بلکہ گیا تھا اور اعلیٰ افسروں میں
 اس کے لئے عزت و احترام تھی۔ اسے برکت کا پتھر دیا گیا تھا۔ میرے ساتھ اس کا سلوک
 یہاں جیسا تھا اور اس سے اپنے مانتوں سے کہہ رکھا تھا کہ مجھے اس کے برابر سمجھیں۔
 میرے لئے ایک ٹیبلہ ڈھپ اور سواری کے لئے علیحدہ گھوڑا تھا۔ میں اسے شکل سے لینے
 میں ایک یا دو بار پڑھا تھا۔ میری خواہش تھی کہ میں نے جو اس کا ٹکٹ لکھا ہے اور اس
 کے ٹیکٹ سلوک سے یہی پاب ہو اس کے لئے چھ سو۔ اس لئے میں نے
 رضا کارانہ طور پر اسے گھریلو مصروفیات کا چارج اپنے سر لے لیا۔ اس نظام سے نہ صرف
 وہ خوش ہوا بلکہ اس کے دوست بھی۔ آپ ہم سوار تھے تو میں سب سے پہلے اس کا جیہ
 کھڑا کرتا۔ جب ہم قیام کرتے تو میں نظر رکھتا کہ اس کے مانتوں کے ساتھی کی
 چوری چکاری نہ کریں۔ میرے اس غلوں اور محل سے ہماری دوستی مضبوط ہوئی۔

جب ہم بیرون پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں کچھ سہ قیام نہ ہو سکا۔ ایک بے ساری
 تیاری کے لئے لوگوں کو تمام کے لئے کھانا ساتھ ہی میں کھانے کی اشیاء کا بندوبست کیا
 گیا اور ملکوں میں پان بھرا گیا جو کہ ان کے غلوں سے سب لئے اسباب اور جانوروں

کے لئے انتہائی ضروری تھا اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں صبح و شام گھوڑے پر
 سوار ہو کر شہر کی تفریح کرنے لگا جاتا تھا۔ ہمارے رخصت ہونے سے پہلے ایک صبح کو جب
 کہ میں شہر میں گھوم رہا تھا ایک عرب گھڑ سوار نے جو دیکھنے میں پالا و عجیب لگتا تھا مجھ پر
 حملے کیے۔ مجھے غلے کرنے کے لئے وہ اپنے گھوڑے کو بھی میرے قریب لے آیا، بھی
 دونوں جانب سے اور بھی پیچھے اس طرح سے گھوڑا دوڑاتا جس سے مجھے کھڑکی کا احساس
 تھا۔ اس کا قصد شاید یہ بھی تھا کہ وہ یہ مانا جاتا ہو کہ میرے حمل گھوڑے کے مقابلہ میں
 اس کا مقصد اور مزین گھوڑا دوڑا جیتی اور زیادہ اچھا ہے۔ کبھی کبھی وہ اپنے بھڑے کو
 میں سے ہٹ کر مجھے ڈراتا اور دھمکتا تھا کہ بس اب وہ اس کو میرے سینے میں اتارے
 دے گا ہے۔ کبھی وہ گھوڑے کو دوڑاتا ہی جاتا اور ہوا میں دھال اچھا کر اسے دھال سے بھر
 لیتا۔ اس کی ان حرکتوں کی وجہ میں کافی پریشان تھا چونکہ میرے پاس ہتھوڑوں کی بہتری
 ہوئی تھی۔ اس لئے میں نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ اگر اس نے اپنے بھڑے یا کسی ہتھوڑے سے
 وہ بھی چھوڑا تو میں اسے گولی مار کر ہلاک کر دینا تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی کہ میرا
 ہتھوڑا خود بخود دست پڑ گیا اور اپنی حرکت میں لاپرواہی برتنے لگا۔ اس موقع پر اس کے
 ہتھوڑے عمل کو دھس میں لاسے بغیر میں نے گھر جانے کا ارادہ کیا لیکن جیسے ہی میں نے
 اپنے گھوڑے کو اٹھائے کے لئے سوڑا وہ شخص دھال سے تڑپاؤ ہو کر تکی توڑنے کے ساتھ
 میرے سامنے آگیا اور پھر گھوڑے کو دوڑاتا ہوا میرے پیچھے ہو گیا۔ اس دوران میں وہ میرے
 گھوڑے کے اس قدر قریب ہوا کہ اچانک مدد کی طور پر اس کا گھوڑا میرے گھوڑے کی
 دھ سے ٹکرایا۔ اس پر میرے شریف حمل گھوڑے نے اپنی پوری حالت سے اس کے دھاتی
 رسید کی جس کے نتیجے میں گھوڑا اور اس کا سوار دونوں زمین گڑنے کے فاصلے پر ایک دوسرے
 سے جدا ہو کر پڑے۔ میں سوار کی اس حرکت پر انتہائی حیرت رہا ہوا۔ یہاں معلوم ہوتا تھا
 کہ نظام اس کے دھن میں پیدا ہو چکا تھا اور وہ شخص کسی مناسب موقع کا انتظار کر رہا تھا۔
 گھڑے کے فوراً بعد اس کا گھوڑا اپنے سوار کو چھوڑ کر ایک گھوڑی کے پیچھے ہو گیا کہ اس
 وقت وہاں سے اپنے سوار کو لے کر جا رہی تھی۔ اس کے بعد اس نے جو کچھ کیا اس کی وجہ
 سے تاریک میں کافی الزام تفریق ہو گئی۔

قریب گھڑ سوار کی تیار گھوڑے سے گھڑے کے بعد نیام سے باہر لگا اور اس کے ہاتھ
 کو چھوئی سا زخمی کر دیا جس کی وجہ سے اس کے جسم سے کافی خون بہہ گیا۔ پولیس نے
 اس حادثہ کا مجھے ذمہ وار ٹھہراتے ہوئے گرفتار کر لیا۔ دھنی گھڑ سوار کہ جس نے شاید اس

سے پہلے بھی خون نہیں دیکھا تھا۔ بنا وٹم اور خولہ دیکھ کر حلا پڑ گیا اور حوروں کی طرح چیخے ہوئے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ "تمہاری گھڑسوار کی کہاں گئی؟" کسی نے مجمع میں سے آواز لگائی۔ "یہ مٹی خود سے" چچھوڑے ہوئے۔ "ایک سپاہی نے کہا" جو وہیں کھڑا تھا۔ "اس قاتل ہیں کہ انہیں منڈی میں طوائفوں کی طرح دکھانے کے لئے رکھا جائے۔ ان میں کوئی ہمت و عزت نہیں" بلکہ یہ باعث ذلت ہیں۔"

اپنے ہمراہ کو وہاں بھڑک کر' میں پولیس کے ہزار مجسٹریٹ کی عدالت میں آ جا جب میں اس کے دفتر پہنچا تو دیکھا کہ ایک موٹا برہمن سنگ کی سیڑ پر گھونک رہا تھا۔ سہارا لئے بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے پاس تھپی محمد اور کچھ چڑاس تھے وہاں بیچ کر میں نے اپنے گھوڑے کو ایک ستھن سے پانڈھا اور مجسٹریٹ کے سامنے جا کر اسے گواہ کیا جس کا جواب اس نے انتہائی پر غور انداز میں دیا اور سر ہلانے کے بجائے اپنے ہاتھ کو اپنی تھوڑی سی پانڈ کیلے اگرچہ میں نے اس کے اس انداز کو بالکل پسند نہیں کیا مگر پھر یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ آج کا دن میرے لئے قسمت کا دن ہے۔ اس نے اپنے ایک محمد کو حکم دیا کہ میرا بیان لے۔ اس آدمی نے میرا بیان اسی بیڑی سے لکھنا شروع کر دیا کہ جس وقت سے میں ہوں یہ تھا۔ عدالت کو جیسے ہی یہ معلوم ہوا کہ میں کون ہوں اور کس کی ملازمت میں ہوں' اس کا رویہ فوری طور پر بدل گیا' کیٹین ہارٹ کا نام لیتے ہوئے عدالت کے تمام حاضرین اچانک چوکانا ہو گئے اور مجسٹریٹ کا رعب و ہرجا بھی کافور ہو گیا۔ لکھ اس کی جگہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ اس کے قریب گدی پر بیٹھ جاؤں مگر میں نے شرائط سے اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ میں ہمت پہنچے ہوئے ہوں اور اب اس کی اجازت نہیں دے گا کہ میں اس کی کالین کو شراپ کردوں۔ یہ سن کر میرے لئے فوری طور پر ایک کرسی منگوائی گئی۔ میں نے اس کا حکم یہ ادا کیا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسی دوران میں وہ اٹھی جیسے 'گھوڑا' گھوڑی اور اس کا سوار ان سب کو عدالت کے سامنے لایا گیا۔ میری شہادت کے بعد 'گھوڑی' کے مالک کا بیان ہوا کہ جس نے اپنا درد بھرا قصہ عدالت کو سنایا۔ اس کے بعد وہ مٹی خور آ یا جو اس وقت بجلی کی باتر باغش اور سا ہوا تھا۔ اس کی ساری توجہ اپنے زلم پر تھی کہ جس سے اب تک خون رس رہا تھا۔ ان بیانات کو سن کر عدالت نے اس مسئلہ پر چند منٹ غور کیا اور پھر اپنا یہ فیصلہ سنایا۔

"مگر سچائی دیکھ (اس بڑیل گھڑسوار کا نام) چند میٹوں کے اندر اندر ہا پھر میں حرجہ اس

عدالت کے سامنے آئے ہیں' چار مرتبہ یہ اور ہجرت لوگوں کے ساتھ جھٹکا کر چکے ہیں' عدالت نے اس سے پہلے اس لئے انہیں چھوڑ دیا تھا کہ شاید وہ خود کی اصلاح کر لیں' لیکن معلوم ہوتا ہے کہ عدالت کی اس قری نے ان کی حرکتوں میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اب انہوں نے حکومت برطانیہ کے ایک افسر کی بے عزتی کی ہے جبکہ اس افسر کی جانب سے کسی قسم کا جواب نہیں دیا گیا۔ یہ انتہائی گھٹیا جرم ہے کہ جس کو مخالف نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس قسم کی حرکت سے ایک طاقتور حکومت اگلے خلاف ہو سکتی ہے۔ لہذا ہنگر دیکھو کہ قدرتی طور پر سارا جہ کی ملازمت سے برطانت کیا جاتا ہے' اس کی جائیداد ضبط کی جاتی ہے اور اس کو دیہاتے دیہاتے کے اس پار جلاوطن کیا جاتا ہے۔ برطانوی افسر کو تھلائی کے جہاز - تھار دی جاتی ہے اور اس سے کہہ جاتا ہے کہ وہ معاف مانگے۔"

ان بعد کو انحصار کے ساتھ لکھوا گیا اور اس کو ریاست کے نقشے کے پاس روانہ کیا گیا۔ "یہ مجھے تمہارا" اس شخص کی معافی اور عدالت کی جانب سے تعریف کلمات تھے۔ اس طرح میں جب گھر واپس آیا تو پلور انعام میرے ہاتھ میں تلوار اور میرے دس میں اٹھتار تھ۔ میرے اس طویل حرم تک فیروزہ شہر رہنے کی وجہ سے کیٹین ہارٹ پریشان ہو گیا تھا اور اس کو حشر ہو گیا تھا کہ شاید میرے ساتھ کوئی حادثہ ہو گیا ہو۔ اس لئے میں جیسے ہی شہر میں داخل ہوا وہ مجھے دیکھ کر نچے سر پی بھاگتا ہوا آیا اور مجھ سے ایک اچھے انگریز کی طرح کونجوشی سے مصالحت کیا۔ خوشی کے عالم میں اس نے انگریزی میں مجھ سے ایک سوال کر ڈالا "اس وقت وہ بالکل بھول گیا کہ مجھے اس کی زبان سے ناواقفیت ہے" "الطاف اللہ تمہیں اتنی دیر کیوں ہو گئی؟" میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ مجھ سے کیا سوال کہا رہا ہے' اس لئے میں نے اسے تفصیل سے بتایا کہ میرے ساتھ کیا ہوا۔ میری کہانی سن کر وہ خوب ہنس

چھٹا باب

اس میں بڑی مہر کی طرف آتا ہوں۔ میری کمرسوار کے خلاف میری کامیابی کے بعد دوسرے دن صبح کے وقت ہم احمد آباد گئی تھی۔ راتوں رات سوئی گام ہوتے ہوئے گھر پر کی طرف روانہ ہوئے۔ ہم صرف روزانہ دس میل کا سفر لے کرتے تھے۔ سوئی گام سے رات کو ہم نے گاڑا کو عبور کیا جو کہ دن کے عداوت کی زیادہ دیرن تک ہے۔ یہاں سے ہم نے دیوڑا کی طرف سفر کیا جو اٹار سب سے بہتر تھا۔ دینے والا سفر تھا۔ اس وقت تک ہم تھک کر اس قدر چر ہو گئے تھے کہ باقیوں کی ایک بھولی سی جماعت ہماری پوری فوج کو مار کر کشتی تھی۔ اس تھا دینے والے سفر کا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ ہمیں تانہ پانی میں ل رہا تھا۔ اگرچہ پانی کی کافی تعداد ہمارے ساتھ اٹھائے ہوئے تھی اور گھوڑوں پر بھی لیکن ہڈیاں کھینچتے کھینچتے یہ تمام پانی ختم ہو چکا تھا اور ہمیں مجبوراً اس پانی پر مجبور کرنا پڑا جو کہ ہمیں قیام کی جگہ پر ملتا تھا۔ یہ پانی انتہائی کڑوا ہوتا تھا جو نہ تو ہمارے لئے دھما تھا اور نہ چاندروں کے لئے۔ اس کے پینے سے ہمارے سب نے پیٹ خراب ہو گئے۔ پانی کی کمی یا اس کے ختم ہونے کی وجہ سے ہماری پیاس اور زیادہ بڑھ گئی۔ ہماری فوج کے رہنما سپاہیوں کی حالت خاص طور سے بہت زیادہ نازک ہو گئی تھی کیونکہ وہ ایسے پانی کو پھونکے تک نہ تھے کہ جو مشکوں میں بھرا ہوتا کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق چار پانی کو بھانک کر مرنے کا ہے۔ ان کو پانی کے جو برتن دیے گئے تھے ان میں پانی زیادہ مقدار میں نہیں آسکتا تھا اس لئے یہ جلد ہی ختم ہو گیا۔ ہر حال ہمارے السروں کا نظام اور ہمارے لوگوں کی احتیاط کا نتیجہ تھا کہ ہم مخالفت سے شک کے اس صحران تک پہنچ گئے۔

دن میں پہنچنے کے بعد ہمیں احساس ہوا کہ اس کا موسم اس قدر خوب نہیں ہے۔ دن ایک ایسا صحران ہے کہ جس میں راستوں کے نشانات نہیں ہیں اور یہ دور تک چلنا ہوا ایک ہی سطح کا نظر آتا ہے۔ جہاں تک صحران میں نظر جاتی تھی سوئے اس کے اور کچھ نظر نہیں آتا کہ ایک سفید سی چادر بھی ہوئی ہے اور دور افق میں آسمان اس کو ڈھکے ہوئے ہے۔ اس پر سے منظر کی راہ میں نہ تو کوئی درخت ہے اور نہ ہی جانور۔ درختوں سے یہاں

بہت کم ہیں۔ صحران میں بڑے بڑے درخت اور خوبصورت پھلتے پھرتے لگتے تھے۔ جب ہی دھوکہ میں آ گئی ان کے قریب جانا تھا تو اس کو اصلیت کا پتہ چتا تھا۔ لہذا ہمیں اس کا کچھ خیال نہ رہا۔ یہی سے بھاگتا ہوا ہمارے قریب سے گزرا۔ درختوں کے بعد وہ ہمیں بڑے بڑے گھوڑوں کی طرح نظر آئے اور کبھی ایسا معلوم ہوا کہ بائیں ہوا میں آ رہے ہیں۔ درختوں کے ہوتے تو وہ ہمیں اپنے گھوڑوں کی طرح نظر آتے جو زمین و آسمان کے درمیان میں بڑے بڑے پھرتے ہوئے ہوتے ہوئے غائب ہو گئے۔

پہنچنے کے بعد میں صبح کو کیمپ سے چلا ہوا شکر کے باہر گیا کہ اگر کوئی دلچسپ چیز تو اس کو دیکھوں۔ میں ایک کریموں کو گیا کہ وہاں ایک شریف یورپی شخص تھا جو ایک چتر کی سل پر علی عبادت کو پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا جو کہ ایک حلقہ سجدہ کی عمارت سے حاصل کی گئی تھی کیونکہ وہ اسے پڑھنے بغیر خاموشی سے لٹل کر رہا تھا۔ اس نے میں سمجھا کہ یہ وہ معین سا پڑھا تھا جس کو عربی زبان کی سیدھی اور صوفی کی سادگی سے ہمارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ یہ سوچ کر میں نے اپنی پنسل نکالی اور پانچ منٹ میں اس عمارت کی لٹل کر لی۔ اس طرح اس کو کافی پیچھے بھروسہ۔ اس کے بعد میں نے اپنی کھسی عمارت کا اصلی سے مقابلہ کیا اور اس عمارت کو دور سے پڑھا۔ جسے اس یورپی نے فور سے منہ میں لے ایک حصہ کو جان بوجھ کر اس لئے لٹل پڑھا کہ اس کا اچھا نہ سکوں۔ اس نے فور میری لٹلی بکڑی اور اس کو درست کیا۔ اس نے مجھے اشارہ ہو گیا کہ وہ چھا لکھا اور اعلیٰ ملا جلیوں کا مالک ہے۔ میں نے لوب سے اس کو سلام کیا اور پھر ہم دونوں نے فارسی زبان میں گفتگو کی تاریخ پر حوالہ خیالات کیا۔ اس کے بعد ہم دونوں نے ایک دوسرے کا نام دہرہ پڑھا اور وہ دونوں کی طرح ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

اس کا نام کیشین ملا تھا اور یہ پائن پور میں رہتا تھا۔ میں اس سے دسمبر 1844ء میں لندن میں اس کے گھر ملا۔ اگرچہ وہ مجھے اچھی طرح سے یاد تھا مگر وہ خود مجھے سول چکا

یہاں سے گویا راکر کا حاصل تھی۔ میں نے قریب تھا۔ جو ہم نے چار حلوں کے بعد زمین سے لے کیا۔ سفر کے دوران میں کوئی پریشانی پیش نہیں آئی۔ ایک شام کو ہمیں یہ معلوم ہوا کہ چائیں سیک کے قاصد پر انیوں کا ایک کڑوا ہوا دوسرا کیمپ پہنچا ہے۔ یہاں پر ایک فوجی دستہ بھیجا گیا کہ اس پر اچانک چھاپے۔ اس دستہ میں گرناد کرنا جانتے۔ دوسری صبح بائیس پر حملہ کیا گیا جس میں

چشمه باب

اس میں چٹ مھر کی طرف آنا ہوتا۔ مہر گھڑوار کے خلاف میری کامیابی کے بعد دوسرے دن صبح کے وقت ہم احمد آباد گئی تھی۔ راجن پور اور سوئی گام ہوتے تھے۔ گھر پار کی طرف روانہ ہوئے۔ ہم صرف دورے دس میل کا سفر لے کر تھے۔ سوئی گام سے رات کو ہم نے نازا کو عبور کیا جو کہ دن کے عدا کی زیادہ دیرین جگہ ہے۔ یہاں سے ہم نے ویرا کی طرف سفر کیا جو انارامب سے سب دور تھا۔ دینے والا صرف اس وقت تک ہم تک کر اس قدر چھ ہو گئے تھے کہ بائیں کی ایک جھولی سی جماعت ہماری پوری فوج کو چار کر لیتی تھی۔ اس جگہ دینے والے سفر کا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ ہمیں گندہ پانی میں ل رہا تھا۔ اگرچہ پانی کی کافی تعداد ہمارے ساتھ ادھن، بیس اور گھوڑوں پر تھی لیکن ہمارا کچھ بچے یہ تمام پانی ختم ہو چکا تھا اور ہمیں مجبوراً اس پانی پر مجبور کرنا پڑا جو کہ ہمیں قیام کی جگہ پر ملتا تھا۔ یہ پانی انتہائی کڑوا ہوتا تھا جو نہ تو ہمارے لئے، چھ تھا اور نہ جانوروں کے لئے۔ اس کے پینے سے ہمارے سب کے چہرے خراب ہو گئے۔ پانی کی کمی ہمارے ختم ہونے کی وجہ سے ہماری پیاس اور زیادہ بڑھ گئی۔ ہماری فوج کے رہنما سپاہیوں کی حالت خاص طور سے بہت رونا نازک ہو گئی تھی کیونکہ وہ ایسے پانی کو پی رہے تھے کہ جو مفکوں میں بھرا ہوا کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق چڑیا پانی کو ناپاک کر دیتا ہے۔ ان کو پانی کے جو برقی دینے گئے تھے ان میں پانی زیادہ مقدار میں نہیں ہو سکتا تھا اس لئے یہ جلد ہی ختم ہو گیا۔ ہر حال ہمارے اسروں کا نظام اور ہمارے لوگوں کی احتیاطات تھیں تاکہ ہم حفاظت سے جنگ کے اس سمر تک پہنچ گئے۔

دن میں کھینچے کے بعد ہمیں احساس ہوا کہ اس کا ہوش اس قدر خراب نہیں ہے۔
میں ایک ایسا صرا ہے کہ جس میں راستوں کے شاہدات نہیں ہیں اور یہ دور تک چلکا ہوا
ایک ہی رخ کا نظر آتا ہے۔ جہاں تک صحر میں نظر جاتی تھی سوئے اس کے اور کچھ نظر
نہیں آتا کہ ایک سفید سی چادر بچھی ہوئی ہے اور دور اقل میں آسمان اس کو ڈھکے ہوئے
ہے۔ اس چادر سے منظر کی راہ میں نہ تو کوئی درستہ تھے اور نہ ہی جانور درجہ صحر

[illegible]

پہنچنے کے بعد میں مہج کو کہنے سے چلا ہوا شہر کے باہر گیا کہ اگر کوئی دلچسپ
 شے تو اس کو دیکھوں۔ میں دیکھ کر حیران ہو گیا کہ وہاں ایک شریف یورپی شخص تھا جو ایک
 چتر کی سل پر علی عبادت کو پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ ایک شلٹ سبھ کی عمارت سے
 حاصل کی تھی تھی کیونکہ وہ اسے پڑے بغیر خاموشی سے لٹل کر رہا تھا، اس لئے میں سمجھا کہ
 وہ محض سا پڑھا لکھا شخص ہے کہ جس کو عربی زبان کی پیچیدگی کی طور محض کی سادہ
 سے اس میں کچھ علم نہیں ہے۔ یہ سوچ کر میں نے اپنی پس نکالی اور پانچ منٹ میں اس
 عبادت کی لٹل کر لی۔ اس طرح اس کو کافی پیچھے بھجوا دیا۔ اس کے بعد میں نے اپنی نکلی
 عبادت کا اصلی سے مقابلہ کیا اور اس عبادت کو دور سے پڑھا۔ جسے اس یورپی نے غور
 سے شد میں نے ایک حصہ کو جال پر جو کر اس لئے غلط پڑھا کہ اس کا حتمان نے
 سکوں۔ اس نے غور، میری لٹلی چکائی اور اس کو درست کیا۔ اس لئے مجھے حیران ہو گیا کہ
 وہ پڑھا لکھا اور اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہے۔ میں نے اوب سے اس کو سلام کیا اور ہجریم
 دونوں نے فارسی زبان میں ہجرت کی تاریخ پر تبادلہ خیالات کیا۔ اس کے بعد ہم دونوں نے
 ایک دوسرے کا نام و پتہ پوچھا اور وہ دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے جدا ہو گئے

اس کا نام کھینچیں مائلر تھا اور یہ پائن پور میں رہنے لگا تھا۔ میں اس سے دوپہر 4:44 PM

یہاں سے گویا سر کا حاصل تیس میل کے قریب تھا۔ جو ہم نے چار سطروں کے بعد
میں سے لے کیا۔ سفر کے دوران میں کوئی پریشانی پیش نہیں آئی۔ ایک شام کو ہمیں یہ
بر ضرورت ملی کہ بائیس میل کے فاصلہ پر باغیچوں کا ایک گروہ ہے جو کہ ہمارے کیمپ پر پھرا
ہوئے کا پورے گرام ہمارا ہے۔ یہ سن کر ایک فوجی دست بھیجا گیا تاکہ ان پر ایسا قلعہ جس پر
رائیس انیس کے چل میں گرفتار کر دیا جائے۔ دوسری صبح باغیچوں پر حملہ کیا گیا جس میں

ان کے کچھ نوک اسے لے کر چلے گئے اور باقی اپنا سہارا چھوڑ کر ہٹا کر کھڑے ہوئے جس پر اناری فرخ نے بلند کر لیا، دوسرے دن اناری بڑے گڑھ کا قحانہ عمارت میں داخل ہو گیا۔ لیکن ہمیں اس وقت شہر صدمہ ہوا کہ جب ہمیں پتہ چلا کہ جس جماعت پر حملہ کیا گیا تھا وہ ہمارے دوست تھے۔ انہیں متحدہ حکومت کی جانب سے بھیجا گیا تھا کہ ہمارے ساتھ تعاون کرتے ہوئے یا تو انہیں سے صلح کر لیں یا ان کو غم کھانے میں اناری ہلا کر دیں یا ان کو چھوڑ کر دیں کہ وہ جیسو د وال دیں۔ یہ ایک لاش غلطی تھی کہ ہم غلط فہمی کا شکار ہوئے۔

جب ہم دیر پا روانہ ہوئے تو راستہ میں ہمارے دو افسران کو جنہیں علم آثار قدیمہ سے
بہت کچھ تھی، جنہیں ایسے مواقع ملے کہ انہوں نے اپنے علم اور اپنے تجربے کو پوری طرح سے
آلایا۔ یہاں سنگ مرمر کے بنے ہوئے کثیف سائز کے بت اور بدھ ازم کے دیوی و
دیوتائی کی شکلیں کافی تعداد میں دیکھیں میں دفن ہیں۔ انہیں اعتقاد ہے زمین سے کھود کر
اُٹال گیا اور ساتھ میں لے جایا۔

گنہگار کر چکے کے بعد جبکہ ہم غیبی کارنامے میں مصروف تھے اور فوجی دستے ترتیب کے ساتھ گزرو رہے تھے کہ اسی وقت جانپوں نے دود سے ہم پر فائرنگ کرنا شروع کر دی۔ ان کا خیال تھا کہ ہم میں سے کچھ کو قتل کر کے اور کچھ کو زخمی کر کے وہ ہمیں ہار گئے پر مجبور کر دیں گے اور پھر انہیں موقع مل جائے گا کہ ہمارا سامان آسانی سے لوٹ لیں۔ لیکن ہوا یہ کہ ہماری فوج نے فائر کے بعد اپنے عیسوی کپتان کو ہٹا دیا اور اپنی پوری قوتِ جانپوں کی سرکوبی پر لگا دی۔ تھوڑی دیر میں وہ مجبور ہوئے کہ شہر چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ اس کے بعد انہوں نے شہر کی قریبی چٹانوں میں پناہ لے لی اور وہاں سے وہ چٹانوں کے پیچھے سے ہم پر فائر کرتے رہے۔ چوتھ کے بعد ہماری فوج سے دور تھی، اس لئے ہم ان کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکتے۔ ان کی فائرنگ کا سلسلہ عین بجے تک جاری رہا مگر وہ ہمیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس دوران کچھ گولیاں سنسناتی ہوئی میرے سر سے بھی گزریں۔ چار بجے کے قریب باقی چٹانوں اور داؤروں میں مددگار ہوئے۔ ہم ان کے خلاف اس لئے کچھ نہیں کر سکتے کہ یہ راستے دارے لئے ابھی تھے جبکہ وہ ان سے بھلی واقف تھے۔

اس بھڑپ میں قریب تھا کہ کچھ دن ہارٹ کو اپنی جان سے ہاتھ دھوٹا چلتے اور یہ کسی دشمن کی گولی سے نہیں جوتا بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے۔ اس نے ایک سپاہی کے ہاتھ سے بندوق لے کر کھوسے ہاتھوں سے فائنل شوٹ کر دی اور جوش میں اس قدر آگے بھاگا کہ ایک

چنان کے تجارت پہنچ کر پہنچ کر ملے اور تھا کہ اس پہاڑی نے کہ جس کی بددلتی سے جا قاتر
 تھا، سے تیروں سے بڑا کر اور اٹھ گیا۔ اس نے اس پہاڑی کو اس کی توقع سے زیادہ
 حیرت سے دیکھا۔ پہاڑی کے لئے یہ رقم اتنی زیادہ تھی کہ اس نے اپنا ملازمت سے استعفیٰ
 دے کر وہاں رہنے اپنے گاؤں جا کر باقی زندگی بسر کرنے سے کافی۔ دو سال پہلے جب وہ
 بحیثیت سپاہی سے ملازم ہوا تھا تو اس کی حالت گنوار اور ہندوؤں میں تھی، لیکن ایک لمحہ
 کے بعد ہی سے اس کی زندگی کو بدل دیا اور اس کی قسمت ایسی چمک کہ وہ اپنے گاؤں میں
 پہنچ کر چلے اور ہزاروں اور ہزاروں غصہ بن گیا۔

اس مسئلے سے واقف کے بعد ہماری فوج لودھراں سے ہوتی ہوئی بھوج پہنچے۔ رانا کو
دوران سے مجبور کرتے ہوئے ہمیں بھراہی شکست کا سامنا کرنا پڑا جو کہ پہلے سفر میں ہمیں
درپیش آئیں تھیں۔ لیکن اس خیال سے کہ اس حملے سے گزرنے کا ایک کارنامہ ہے۔ اس نے
ہمیں قہر دیا۔ جلد ہی ہم کچھ کے علاقے میں داخل ہوئے اور بھوج کی طرف پیش
قدمی شروع کردی جو کہ اس صوبہ کا مرکز تھا۔ یہاں تک جانے کے لئے ہم نے انوار کا
رحم اختیار کیا۔ یہ اس صوبہ کا مشہور قلعہ ہے اور 18 جون 1819ء میں اس کا قلعہ زلزلہ کی
شدت سے بے اتا ہوا تھا۔ جب ہم بھوج پہنچے تو کچھ دنوں کا شہر بنار چڑھ گیا
جس کی وجہ سے وہ بھوج میں رہنے کی جگہ بنا۔ ہماری فوج کیرا کی طرف بڑھی جو کہ
بھوج اور لودھراں کے درمیان واقع ہے۔ یہاں پہ کرائے دیں اٹھن سوپ کی سرنگی میں
دوسرے فوجی دستے بھی آکر مل گئے۔ ان کا مقصد تھا کہ سندھ کی گود گھٹت کو اس فوجی
کارروائی سے دھشت دہ کیا جائے۔

کینٹن ہارٹ کی بیماری نے خلل پکڑ لیا اور وہ طبعی ہفتہ تک استراحت پر رہا۔ اس عرصہ میں
میں نے ایک بھائی کی طرح اس کی بیماری کی حالت پائی کے بعد میں نے عروس کیا وہ
سے تہہ پہنچا، ہو گیا ہے درجہ کے۔ یہ شہر تہہ پہنچا، ہو گیا ہے۔ خالص پاک
میں نے جو کچھ کیا ہے وہ میرا فرض تھا۔ لہذا جب میں اس سے رخصت ہو تو میں
تہہ میں تھا۔ جب میں سے اس کی ہارٹ بیماری سے تہہ میں نے خود اس رخصت
تہہ پہنچا، ہو گیا ہے درجہ کے۔ یہ شہر تہہ پہنچا، ہو گیا ہے۔ خالص پاک
میں نے جو کچھ کیا ہے وہ میرا فرض تھا۔ لہذا جب میں اس سے رخصت ہو تو میں
تہہ میں تھا۔ جب میں سے اس کی ہارٹ بیماری سے تہہ میں نے خود اس رخصت

جسے وہ اغراضات کے لئے کافی نہ سمجھ لیا گیا کہ وہ قطعی طور پر میری خواہش کی تکمیل سے غار نہیں کرے۔ لیکن وہ یہ سمجھتا ہے کہ جج پر جانے پہلے میں کوئی مداخلت کر کے پیسے جمع کروں اور پھر اپنی خواہش کو عملی جامہ پہناؤں۔

میں نے اپنے ان دو معاون دوستوں کی نصیحت پر عمل کیا۔ غلط مجھے کبیر کے عجب سے بھروسہ لے گیا جہاں میں بیلینٹ ایج - ایجنٹ کو بددستائی پہنچانے پر مقرر ہوا اور اس رجسٹر کے کچھن ایک ٹولہ کے لئے قادی میں پہلی کی تاریخ نقل کرنے کی ضرورت ہی بھی لے لی۔ جب میں کھیرا میں تو اس نے منڈاوی کا ایک پتہ لگا دیا اور زندگی میں پہلی مرتبہ سمندر کا لہرہ کیا تھا۔ جب میں نے وسیع عرضی سمندر میں پانی کو جھونک دیا اور اس کے آثار و چھانڈ کو دیکھ کر میں غصہ کی قدرہ اور اس طاقت کا شور مچا کر بول گیا کہ اس کے سامنے یہ پوری لاکھات ایک معمولی رقم کے برابر ہے۔ ان خیالات میں غرق ایک دن میں حاصل پر کھڑا ان پتے پر پہنچا اور دیکھ رہا تھا کہ وہ جہاز کو جھونک دے رہی تھیں تو اس وقت میرے ذہن میں جین مت کی یہ تعلیم آئی کہ دنیا میں سوائے خدا کے اور کوئی چیز ابدی نہیں ہے۔ میں نے ابھی اس کفرانہ خیال کو قبول ہی نہ کیا تھا کہ اچانک خاموشی سے پیچھے ہٹ کر ایک کتے نے زور سے میری ٹانگ میں کاٹ لیا اور مجھے میرے گناہ کی سزا دے کر فوراً بھاگ گیا۔ میں کچھ دور اپنی نگاہ سے اسے مارنے بھاگا تاکہ اپنے زخم کا انکشاف نہ ہو۔ مگر وہ کتا فوراً میری نظروں سے غائب ہو گیا۔ میں گھبراہٹ میں لوٹ کر آؤں تو میری ٹانگ میں سخت درد تھا۔ دوسرے دن میں کھیرا واپس گیا اور وہاں اپنے فرائض میں مشغول ہو گیا۔ کام میں میں صبح سے شام تک مصروف رہتا تھا۔ رات کو میں اپنا مہاں کے ساتھ گزارتا۔ ان سے میں نے انگریزی حروف تہجی سکھنے اور جلد ہی اس قابل ہو گیا کہ بددستالی اور قادی میں رسم الخط میں کلمہ سکھانے اور مولیٰ کے ساتھ پڑھ سکوں۔ اس وقت سے لے کر 1829ء تک میرا یہ دستور رہا کہ میں سوتے اس وقت جاتا تھا کہ جب انگریزی کے دس الفاظ لکھائی ہو کر لیتا تھا۔ میں نے اکثر فکر اسے کی گرامر کی کتاب کو بھی غور سے پڑھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آٹھ سال کی محنت کے بعد میں نے انگریزی زبان پر کہ وہ دنیا کی مشکل ترین زبان ہے عبور حاصل کر لیا۔

مگر وہ دار کا جانے سے پہلے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کے بارے میں کچھ ذکر کر دوں۔ یہ علاقہ ہندوستان کے دوسرے اور غیر عادی کے مقابل میں قطعی دلچسپ نہیں ہے۔ یہاں گاؤں پانی کے کوئی دریا نہیں ہیں۔ لیکن یہاں کے باشندوں کے لئے وہ چشمے کو جو

کچھ پاروں سے نکلتے ہیں باعث نعمت ہیں۔ لیکن یہ چشمے بارش کے موسم کے ختم ہوتے ہی خشک ہو جاتے ہیں۔ ان چشموں کے خشک حصہ میں یہاں کے لوگ گڑھے کھود کر اپنی ضروریات کے لئے پانی جمع کر لیتے ہیں۔ ہر ضرورت گاؤں میں کنوئیں موجود ہیں۔ ہر گھر پانی کی ضرورت تو پوری کرتے ہیں۔ گھریلو کی کوئی غریب ہوئی ہے۔

میں نے قرعہ کے نکالات "موجودہ لئے نور ماضی کے" واضح طور پر موجود ہیں۔ یہاں کی سطح پر آتش فشاں کا ٹکڑا ہوا ہے۔ ان میں سے کچھ بڑے بڑے جیسے جیسے چر ہیں۔ نور کچھ تاریک درخت ابھی کچھ عرصہ پہلے جو زلزلہ آیا تھا اس نے انہماں اور بھوج کے گھوٹوں میں دراڑیں ڈال دی ہیں۔ اس کے نتیجے میں اس قدر شدید تھے کہ مسیحی عمارتیں اور یہاں کے چھوٹے گھر گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ لوگوں کی کافی تعداد نکالت کے گرنے سے ان میں وہب ملی اب یہ لوگ بددستالی میں پناہ جھونک رہے تھے۔ اگرچہ ظاہراً طور پر یہاں کے لوگ اچھے ہی نظر آتے ہیں۔ لیکن جب ان میں دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ انسانی طور پر ان کا معیار کوئی بلند نہیں ہے۔ شاہراہوں پر لوٹ مار، دیکھو، اور چوری چکاری کو یہاں بیماری سمجھا جاتا ہے۔ جہاز جسی شکایات کا ہونا اور بچوں کو مار ڈالنا۔ لہذا اس سے بھی گھٹانے جرم کا ارتکاب کرنا۔ ان کے لئے معمولی بات ہے۔

بچوں کو قتل کرنا جو کہ تمام جرائم میں سب سے زیادہ قتل جرم ہے۔ اس کا یہاں پر عام مذاج ہے۔ یہ جرم کوئی عام آدمی ہی نہیں کرتے ہیں بلکہ یہاں کے حکمران طبقے اس میں بھی طرح سے ملوث ہیں۔ خاص طور سے جارج راجپوت جن کا قطعی حدود سر قبیلہ سے ہے اور جو کہ اس ملک پر قدیم زمانہ سے حکومت کرتے ہیں۔ ان کے حکمرانوں کا خطاب جام ہے۔ یہ لوگ اس قتل نفرت جرم کو شاید اپنے ساتھ اپنی آبائی وطن سے یہاں لائے ہوں۔ شاید یہ بعد میں کی رسم نہ ہو بلکہ اس عمل سے نفرت کرتے ہیں۔ جارج قبیلہ کے لوگ خود کو دوسرے راجپوت قبیلوں سے برتر سمجھتے ہیں اس لئے ان کا خیال ہے کہ اپنی زمینوں کو شادی میں دے دیا گیا تو ان کی بے عزتی ہوگی۔ اس سے بے فکرانہ ان کے دلوں کو سخت کھڑا ہے اور وہ بچوں کے قتل میں اس حد تک چلے گئے ہیں کہ جب میں سے کچھ میں مصروف نہیں تو پتہ چلا کہ یہاں کی کل آبادی پانچ لاکھ نفوس پر ہے ان میں سے تین ہزار جارج ہیں۔ ان میں سے صرف سترہ ہزار عورتیں ہیں۔ خوش قسمتی سے اب یہ صحت برطانیہ کی دہر گمانی آ رہا ہے۔ اس کے وفات شدہ راجہ راجو انگریزوں نے بددستالیوں کی وجہ سے حکومت سے محروم کر دیا تھا۔ اب اس کا پانچ لاکھ راجو دیکھی اس کا جانشین

ہے۔ اس کی بدولت جب حکومت کا کام برطانوی حکومت سنبھالے ہوئے ہے۔ اور اس نے ملک کی اصلاح کے لئے کئی اقدامات کئے ہیں۔

میں کچھ کے کیمپ میں ملازمت کرتے وقت ایک قریبی صہ میں رہا تھا اور اپنے دوست ابا میاں کی صحبت سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ میری دعا ہے کہ خداوند کی مہربانی اور مدد کی بنا پر جو انسانوں نے میرے ساتھ کی "ن کو بیش خوش" غم رکھے۔ وہ نگرانی سکھائے والے میرے اول اور "قری استاد تھے۔ کیونکہ ان کے بعد میں نے یہ زبان کتابوں کی مدد سے سیکھی۔ جیسا کہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں جب میں نے کپٹن بیگ لولڈ کے لئے کتاب کی نقل مکمل کر لی تو اس نے مجھے اس کا اچھا انعام دیا۔ جب سال ختم ہونے کو آیا تو یہ حکم آیا کہ ہماری فوج کا ایک حصہ مسہور کے ذریعہ دھار کا اور صہ کے جزیروں میں کرل۔ اہل ایشیہ پوپ کی سرکردگی میں جاتے تاکہ وہاں باقیوں کو مڑا دی جائے۔ چونکہ میرے شاکر و اسکالر کی رجعت کا تعلق اس سے تھا اس لئے ہم سفر کے لئے منطوقی کی بددھ کے لئے روانہ ہو گئے۔ صبح سے پچھلے ہم اپنی حوٹ پر پہنچ گئے۔ صبح صبح میری آنکھ توپ کے چلنے سے کھلی۔ یہ پہلی مرتبہ تھا کہ میں سولن کی اذان کے بجائے توپ کے گولوں کی توار سے سو کر اٹھا۔ میرے کھوجتی سے ذرا غصے پر اترے۔ یہاں لڑائی جاری تھی اور دشمن کی قہوں کے کچھ گولے ہمارے صولن کے اوپر سے گزرے۔ اسی وقت ایک انگریز جہاز بددھ پہنچا اور اس نے قلعہ پر گولے برساتا شروع کر دیے۔ ایک دوسری جماعت صیحت کی مامحتی میں قلعہ کی فصیلوں پر چڑھنے لگی۔ فوج مارے جیسے ہی فصیل چڑھ کر قلعہ پر پہنچا تو وہاں اس کو قلعہ والوں نے گولوں سے کٹ کر کھوے کھوے کر دیا اور اس کا جسم بچے بیسنگ رہا۔ میں کچھ حشر اس کے چند ساتھیوں کا ہوا لیکن یہ سہلہ کوئی بیادہ نہیں تھا۔ قلعہ والے تربیت یافتہ معلم فوج کے "کے نہیں فہر کے اور جد ہی اس میں ہتھ نہ لگائی۔ قلعہ میں دشمنوں کی تعداد چھ سو کے قریب تھی۔ بددی تدبیر میں چند کے مدد سے ہی مارے گئے ہندوستان فوج کے دست نے کپٹن سویری کی سرکردگی میں اس دستے پر حملہ کیا کہ جو قلعہ سے باہر آیا تھا۔ یہ بڑی ساری سے لڑے اور مردوں کے لئے ہوئے رہے۔ اس لڑائی میں کپٹن سویری کے ہاتھوں کی لگیوں کو مار کر کات سے کٹ گئیں۔ اس میں کچھ لوگ دشمنی ہوئے مگر ہمارا پہلی نقصان نہ ہونے کے برابر تھا۔

میری اس شاندار فتح کے بعد "اس جگہ پر کہ جو ہندو مت پرستوں کے لئے بڑی مقدس

ہے" ہمیں یہ حکم ملا کہ یہاں ہم کچھ دنوں کے لئے قیام کریں۔ قیام کے دوران میں نے اس جگہ کو خوب محوم چکر کر دیکھا اور اس وقت میری حیرانی کی انتہائیں رہی کہ جب میں نے یہاں ایک مسلمان صوفی کی درگاہ کو پایا جو "میر پٹھ" کے نام سے امارہ جزیرہ پر ہے۔ یہ درگاہ کٹر کے اندر جسے میں اسلام کی روشنی بن کر چمک رہی ہے۔ ہماری رجعت کو حکم ملا کہ ہم کچھ کے چاندوں میں کالیز اور کٹلی قبیلوں کے ہاتھوں کا خاتمہ کریں۔ جنہوں نے انہوں کی سرکردگی میں بدعت کی آگ بڑھا رکھی ہے۔ ہم ایک ہندوستانی جہاز پر سو رہے اور اندر گئے کے تکلیف دہ سفر کے بعد سربراہ درگاہ پر اترے۔ یہاں سے ہم نے پٹا رجعت کو دو کپٹیوں میں تقسیم کیا اور کالیز قبیلہ کا گھرنار کے چورے علاقہ میں بکھا کیا۔ یہاں پر کھانڈ کی اونچائی ہندوستان کے دوسرے کھانڈوں کی طرح نہیں ہے۔ اس لئے ہرے بھرے اور سبز پہاڑوں کو دیکھ کر بڑا اچھا لگا۔ یہ جگہ تمام ہندوؤں کے لئے احتمالی مقدس ہے۔ اس کا قدیم نام ان کے ہاں ریاست جیل ہے ان کھانڈ کی ایک شاخ کو گل واد میں پانی ملا۔ تک کپٹی ہوئی ہے یہاں پر کئی قسم کے جھن مت کے مندروں ہیں جو کہ اس کے سامنے والوں کے لئے احتمالی قائل احترام ہیں۔

ان پہاڑوں میں کثرت سے جانور و پرندے ہیں۔ جن میں خنراک شیروں سے لیکر تیز تک شامل ہیں۔ ان پہاڑوں کی دہرائی میں ہندو حیا کی عبادت میں مشغول پائے جاتے ہیں۔ وہ یہاں کے تمام تکلیفوں سے دور اس جگہ حاشوش اور تعلیمی کے ساتھ خود غری میں غور رہتے ہیں۔ ان مہیسیوں کی خوراک اس جگہ پیدا ہونے والی تیزی سے آگ و آتش کے درخت جلاتے ہیں تاکہ سردی میں خود کو گرم رکھ سکیں۔ وہ اپنے جسم پر راکھ مل بیٹے ہیں جس کی وجہ سے ان کے جسم کے سامان بھر جاتے ہیں اور انہیں بھر کپڑوں کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔ ایک ایسا شخص اس طرح سے دل و باطن مل رہے کے بعد جانوروں کی طرح ہو جاتا ہے جو انسانوں کو دیکھ کر بھاگتا ہے۔ یہاں اکثر لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ یہ مہیسی تو م خور ہیں اور اگر کوئی ان کا شکار کرے تو اس کو کھا جاتے ہیں۔ مگر یہ سب ناقابل حقیق اور نلہ ہے۔

ایک صبح کو جب میں اپنے اسکالر شاکر و کے ساتھ چار ماہ قلعہ ہم نے ماہ اور مہر کے مہضوع پر تحقیق شروع کر دی۔ اسے اس مہضوع میں اس قدر دلچسپی نظر آئی کہ اس نے رمت، ایک دوسرے مہضوع کے پردے کی اور مجھ سے کہا کہ ہم ذرا شاہراہ سے لگ بھگ کر دور بغیر کسی دخل اندازی کے آرام سے تحقیق کریں۔ ہم دونوں نے اپنے

انگل دل لا دینے والا تھا۔ اس مہمت کا مظاہرہ کیکو از فوج کے ایک دستہ نے کیا تھا۔ جو ہمارے ساتھ تھانوں کر رہا تھا اور یہاں ہم سے تین دن پہلے آیا تھا۔ اس طرح پٹانوں میں تیس مہینے تک کھوٹے پھرنے کے بعد "خاکہ" میں تیار کیا گیا کہ باجیوں پر قابو پا گیا ہے یا تو انہیں گرلا کر لایا گیا ہے یا قتل کر دیا گیا ہے۔ "خاکہ" میں قتل کر دیا گیا ہے یا قتل کر دیا گیا ہے۔

جاگیں اور وہاں بارش کے موسم ختم ہونے تک قیام کریں۔ میرا کار شکر ہے ہوا بخلی اور چھلنے کا وقتین لہجہ ان تھا وہ سفر ہوا قیام بھی اپنا سبق نہیں پھوڑا تھا۔ مون مون موسم کے ختم ہوتے ہوتے وہ بدستاری زبان کا ہر دو چھا تھا۔ اس کے بعد اس نے درخواست دی کہ اسے بھیجی میں اتھان کی اجازت دی جائے۔ میں اس کے ساتھ گوتو تک گیا اور یہاں ہم 17 ستمبر 1821ء کو دوستوں کی طرح سے ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ اس نے بطور احسان مجھے نقد مدد دی۔ یہ میری تنخواہ کے علاوہ تھے۔ میں نے اسے اتھان میں کامیابی کی نیک تمناؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ بعد میں مجھے خبر ملی کہ اس نے اتھان میں شہر کار کامیابی حاصل کر لی ہے اور جلد ہی اسے رخصت میں کارزار باشر کا حصہ ملے والا ہے۔

گوگو ایک چھوٹا قصبہ ہے جو کسے کے مغربی حصہ میں واقع ہے۔ یہاں پر مسلمانوں کے تقریباً تین ہزار گھرانے ہیں۔ وہ بات کے مطابق ہرم کا جزیرہ پر سنے رہاؤں میں گوتس راجپوتوں کا صدر مقام تھا۔ بعد میں یہ گھرات کے جزیرہ نما سے مل گیا۔ یہ جزیرہ اب ویران ہے۔ یہاں حکومت نے دست ہلاں خیر کرا دیا ہے۔ یہاں پر کئی قسم کے ساجوں کی بکھرت آبادی ہے۔ چاندروں اور دوستوں کے فوسلو یہاں پر قموڑی سے کھدائی پر دستیاب ہو جاتے ہیں۔ بہت سے پادری سراج ان کو بطور غور اشیاء کے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ گوگو کی مسلمان آبادی بہت چھوٹا ہے۔ مسیحیت مندہ اور بحرین طرح ہیں۔ میں یہاں تین دن چار دن رہا۔ اس کے بعد وہاں سے جہاز میں سوار ہو کر سرت چلا گیا۔ مجھے جہاز پر بتایا گیا کہ یہاں پر کسٹم لوگ ہر مسافر کو ٹنگ کرتے ہیں۔ چاہے اس کے پاس پیسے کا سامان ہو یا نہ ہو۔ اس لئے میں پیسے سے تیار ہو گیا اور آٹھ مے رشوت دیکر میں نے خود کو اور سامان کو خاموشی سے باہر نکھوایا۔ لیکن اس کے لئے مجھے رات کا انتظار کرنا پڑا۔ رات کے اندر میرے میں دو ملاحوں نے میرا سامان اٹھایا اور مجھ سے کہا کہ میں ان کے پیچھے پیچھے چلوں۔ یہاں سے ہم ایک جگہ پہنچے جسے بادشاہی بھاگل یا شاہی دروازہ کہتے ہیں۔ یہ کسے کو دروازہ ہے۔ مگر یہاں اس کا کوئی نام نہ تھا۔ سوائے وہ لٹنی ہوئی دیو اسی کے کہ جن

کے دو دروازے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ اس کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا کہ قموڑی دیر چلنے کے بعد نہ تھکتے سے کسٹم ہلاں کے ایک چڑائی نے اس آڑی کو پکڑ لیا کہ جو میرا سامان اٹھانے کے لئے تیار تھا۔ اسے قلعہ و قاتوں کی غلاب دروزی پر برا بھلا کہا شروع کر دیا۔ وہ اصرار کرنے لگا کہ میں کسٹم ہلاں سے کر جائے گا اور اس جرم میں رات بھر قید میں رکھے گا۔ دوسرے دن ہم پر جھانٹ مارتا ہوا اور ہمارا سامان تھپ کر لیا جائے گا۔ میں یہ سن کر ڈر گیا اور اس کی دھمکیوں کو حقیقت سمجھنے لگا۔ لیکن طرح ہو شیدہ بن سب باتوں کا تجربہ رکھتا تھا۔ اس نے خاموشی سے بن سب باتوں کو سنا اور اس سے کہا کہ یہ کئی تاہر نہیں ہے اور نہ اس کے پاس جہازت کا کوئی سامان ہے۔ اور پھر یہ اس کے لئے تیار ہے کہ اس کو بطور شہادت پتہ دے۔

یہ کہتے ہوئے اس نے میرے بچل لی کہ میں اس کی صحبت پر عمل کروں۔ اس پر میں نے اس شخص کو وہ رقم دی کہ جس کا مجھ سے کہا گیا تھا۔ اس پر وہ مجھ کے بغیر خاموشی سے چلا گیا۔ میں نے رات کو ایک مسجد میں قیام کیا کیونکہ اتنی رات مجھے میرے لئے کوئی مکان تلاش کرنا مشکل تھا۔

25 ذی الحجہ 1236ھ جو کہ چھ سالہ سنہ کے حساب سے 23 ستمبر 1821ء ہوگی، جب میں سری مد سے موٹن کی اڑان پر آ رہا تھا تو میں نے اپنے لازم کو آواز دینے والے کہا "اسامیل ذرا حقہ کر گرم کر دو تاکہ میں لہو سے پیسے اس کے دو ایک گل لگا دوں۔" لیکن مجھے اس وقت سخت حیرانی ہوئی جب میں نے دیکھا کہ وہاں اسامیل کا کوئی وجود نہیں تھا۔ میں نے کہا کوئی بات نہیں۔" دنیا کے حالات بھی عجیب و غریب ہوتے ہیں۔ میں نے ایک رات میں وہ کچھ کھو دیا کہ مجھے چار سال کی مدت میں حاصل کیا تھا۔ لہذا عظیم ہے انسان کی تقدیر میں کچھ کھو دیا کہ وہ تو پورا ہو کر رہتا ہے۔" یہ سوچتے ہوئے میں نے اپنے بستر کو غلا لیا۔ جس میں میں نے ایک چھوٹا سا کیک اور دو سری چھریاں ہاندہ دیں تھیں۔ یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ یہ سب چھریاں اپنی جگہ پر تھیں۔ وہ لڑکا صرف اپنے سامان کو دیکھ کر نہیں لے گیا تھا کہ جو میں نے اسے خرچہ کے لئے دینے تھے۔

جب دن کا اچلا ہوا تو میں سامان کے ساتھ مسجد کے باہر کھڑا ہو کر کسی مزدور کا انتظار کرنے لگا کہ جو میرا سامان کرنے کے مکان تک لے جائے کہ جس کا انتظام مسجد کے مہذبن نے کیا تھا۔ میں نے کھڑے کھڑے دیکھا کہ مسلمان چاہے اسیروں یا غریبوں یا باکلیوں

تلی گاڑیوں، پٹ پھول ایک ہی سمت میں چارے ہیں۔ اور ان کے چھوٹے سے المیہ و
مردم کا اقتدار ہو رہا ہے۔ میرے معلوم کرنے پر بتایا کہ شہر کا لوہا نصیر الدین خان کا کل
راست انتقال ہو گیا ہے اور یہ سب اس کی چھینڑ و تنگی میں چارے ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم
ہوا کہ لوہا کے رولروں میں سے ایک ۵۰ مہینہ پہلے انتقال ہو گیا تھا یہ لڑکا اپنے کردار
اور خیریت کی وجہ سے سب لوگوں میں مشہور تھا اس کا دوسرا لڑکا اس کے بالکل برعکس
ہے اور بری صحبت و عادات کی وجہ سے بدنام ہے۔ لیکن یہ امید کی جاتی ہے کہ انگریزی
حکومت اسے اپنے باپ کا جانشین تسلیم کرے گی جس کے بعد سے ڈیڑھ لاکھ روپے سالانہ
کی پاشن اور وہ دوسری تمام مراعات میں کی ہو اس کے خاندان کو دی گئی ہیں۔

سورج شہر میں کہ جسے باپ الگ بھی کہا جاتا ہے وہی میں چار دن ٹھہرا اور اس
عصر میں اس شہر کو دیکھا کہ جہاں جگہ پر چلنے سے پہلے ملتی لوگ قیام کرتے ہیں۔ یہی وہ
جگہ ہے کہ جہاں سب سے پہلے انگریز ہندوستان میں آئے انگریزوں میں سب سے پہلے
آئے والے لیکن ہائیں تھا جو 1608ء میں یہاں آیا۔ اس کا مقصد تھا کہ اپنی قوم کے تاجروں
کے لئے تہہ بنی مراعات حاصل کرے۔ اس نے اپنے کچھ ساتھیوں کو سورت میں چھوڑا اور
خود جہاں گیر سے ملنے کے لئے دوبار روانہ ہو گیا تاکہ اس سے مرہط کا فرمان حاصل
کر سکے۔ اس نے خود کو انگلستان کے بادشاہ کا سفیر کہا جس کی وجہ سے دوبار میں اس کی
آؤ بھگت ہوئی۔ اس نے بادشاہ کی خدمت میں سفیر سے ملنے کے لئے دوباروں کو
درخت دے کر اپنی مرضی کا فرمان حاصل کر لیا۔ دوبار میں اس کو جتنی خلعت دی گئی وہ
ساتھ ہی میں ایک بھائی کثیر بھی اسے دی گئی جو کہ عورتوں کی طور پر پہنی کی حیثیت سے
بادشاہ کے حرم میں آگئی تھی۔

سورت کا شہر دھڑکے پائی کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کے ارد گرد فصیل کی چل
کمان کی طرح ہے۔ شہر کا رقبہ تقریباً چھ میل کا ہوگا۔ فصیل پر چھوٹے چھوٹے قلعے
میں سے بنے ہوئے ہیں۔ اس کی پانچ دیواریں ہیں۔ اس کے اندر کھنڈے سے یہ شہر
ہی سے کوئی مہینہ فصیل میں ہے اور جب سے خیر ہوئی ہے اس کی مرمت بھی نہیں
ہوئی۔ اس لئے اس وقت اس کی حالت انتہائی خراب ہے۔ اس میں ہمارے دو قلعے ہیں۔
اس کے بعد ایک اندرونی فصیل ہے مگر اس کی حالت اس سے بھی زیادہ خراب ہے اور یہ
اکثر جگہ سے بالکل گر چکا ہے۔

1512ء میں شہر کی کوئی فصیل نہیں تھی۔ اس زمانہ میں اسے پرتگیزیوں نے ہوتا تھا۔

اس وقت اس کے بعد سے یہ چھوٹا سا قصبہ کی طرح ٹھہرے جیسے تھے اور متحدہ جزیرہ کے
فرقہ دہیوں کے ہاتھوں جلا ہوا۔ اس لئے گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ کے حکم پر جہا آباد
کے حکم نے اس شہر کے گرد یہ فصیل اور قلعہ خیر کراوا۔ جو 1530ء میں چاکر مکمل ہوا۔
۵۰ فوجی پوریج روی خاں تھا جو کہ ایک بڑی قدم تھا۔

اب معلوم ہوتا ہے کہ شہر زوال پا رہا ہے۔ اس کی آبادی اس وقت صرف ایک لاکھ
تھیں بڑا ہے۔ یہ اس کی آبادی کا صرف چھٹا حصہ ہے کہ جو آج سے ساٹھ سال پہلے
تھا۔ یہاں کی حکومت کس طور پر انگریزوں کے ماتحت ہے۔ یہاں پر چوبیس کے قریب
تھیں صدر اور صدر عدالت مقرر ہے۔ پانچ فوج کی دو ریشمش اور ایک جماعت گورنر
تعدادوں کی یہاں موجود رہتی ہے۔ فوج کی موجودگی شاید مسلمانوں کو ڈرانے کے لئے ہو۔
لیکن حکومت کے اخراجات اس وجہ سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔

میں نے پارسیوں کے قبرستان کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا۔ اس لئے میں جاتا کہ
اس شہر میں جہاں ان کے قبرستان تھے ان کا مشاہدہ خود کروں۔ اس لئے ایک سچ جگہ میں
جاننے کی تیاری کر رہا تھا میرے مولانا دوست نے مجھے مشیہ کرتے ہوئے کہا کہ میں اب
ہرگز نہیں کروں۔ کیونکہ ان کے قبرستان میں ان کا مذہبی پکارتی پھیر گرنی کے لئے رہتا
ہے اور اگر کوئی جہاں داخل جاکر دیکھنے کی کوشش کرے تو دیکھتے ہیں کہ اس سے
ان کی جگہ ناپاک ہو جائے گی۔ اس لئے تو وہ سے سخت مڑا رہے ہیں یا مار ڈالتے ہیں۔
میرے دوست کی مشیہ نے میری فوج کو کم کرنے کے بجائے اور بڑھانے اور میں نے
کہا کہ "ہاں ہے جو کچھ بھی ہو" اب تو میں نے اسے دیکھنے کا بیڑہ کر لیا ہے۔"

جب اس نے دیکھا کہ میں اپنے واسے سے باز نہیں آؤں گا تو وہ مجھ سے کہنے لگا کہ
اپنا راستہ ہونے تک انتظار کرو کیونکہ وہ میرے ساتھ چلنے کا اور اس میں میری مدد
کرے گا۔ چنانچہ ہم دوبار کے بعد روانہ ہوئے اور شہر کے مشرقی دروازے سے ایک میل
کے فاصلہ پر ہمیں کئی عمارت نظر آئے کہ جن پر کافی تعداد میں ایسے بدسورت گدے بیٹھے
ہوئے تھے کہ جن کے سر گینچے تھے اور کوئی پر نہیں تھا۔ ہم ایک درخت کے نیچے رگ گئے
اور اندھیرا ہونے کا انتظار کرنے لگے تاکہ نہ تو ہمیں پوسٹوں کا پکارتی دیکھ سکے اور نہ کوئی
سفر یا چڑھا۔ جب اندھیرا ہوا تو میں نے اپنے دوست کو درخت کے صاف میں چھوڑا اور
خود چھتر کی جانب روانہ ہو۔ میرے دوست نے کہا کہ میں پر دی طرح سے تھکا ہوا ہوں۔
اگر اس نے کسی شخص کو میری جانب جاتے دیکھا تو وہ خود سے کھٹکے گا جیسے من کر میں

میں نے اس سے کہا کہ میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ وہ نے کہا کہ میں نے بھی دیکھا ہے۔

میں نے سوچا کہ میں نے اپنے والدین کو یہ سب سنا دیا تو وہ کیا کریں گے؟
 تو کہ میں اپنی رشتہ داروں کو سنا دیا تو وہ بھی یہ سب سنا دیا تو وہ کیا کریں گے؟
 وہوں نے اس لئے میں نے قادیان سے ہجرت کر لی تھی کہ ان سے کہا کہ میں اور
 میرا چچا کھانا ان کا شکر گزار ہے کہ ان کے حرم و ولد نے اس وقت اپنی زندگی ختم

کہ جب ہم پریشانی کے عالم میں تھے، ہم اس قتل تو نہ ہو سکے کہ ان کی مسمولی کا بدلہ
وچے، لیکن ہم سب ان کے بیٹے احمد سے رہیں گے اور خدا تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں
گے کہ وہ انہیں بیٹہ پوش و خرم اور خوش حال رکھے۔ لیکن اس آدمی میں جو نیکی او

میرا ہاتھ پکڑ کر زبردستی مجھے اپنے گھر لے گیا اور مجھے علیحدہ سے ایک کمرہ دیا کہ جہاں میں آرام سے رہوں۔ یہاں میں نے ایک ہفتہ گزارا، جس میں میں شرمیلی نکلا اور اس کا بہت بہت شک کی محبت سے فائدہ بھی اٹایا۔ اس کے بعد میں نے اس سے رخصت

تجھے میرا شہر مانیں، عمارت ہی چاہئے۔ ان کے ساتھ ساتھ مجھے بھی لکھو کہ
در قہر میں ہے یہ شہید، ۱۳۶۸ھ میں یہ شہید ہوا۔ یہ ہے راہِ ہمدرد
روئے بہار ہے یہ، یہ ہیں شہرِ بہار، یہ ہیں شہرِ بہار، یہ ہیں شہرِ بہار
وہ جو یہ شہر ہے، یہ ہیں شہرِ بہار، یہ ہیں شہرِ بہار، یہ ہیں شہرِ بہار

— 10 —

ملاؤمت کی جاتے۔ چوتھے کے بعد رائے میں انیس امر چھپ گئے۔ اس امر کو بھی اس نے
جو کہ شہزادے کے ساتھ شادی میں شرکت کرنے جارہا تھا۔ راجہ نے اس کا استقبال ہونے
احکام کے ساتھ کیا۔ اس نے راجہ اور اس کے وزیر راکھو ناتھ برادو باپ کو کچھ خطوط فارسی
زبان میں لکھے ہوئے دیئے۔ راجہ کے پاس کچھ دہم لکھ کر تھوڑی دور نصب اپنے قبیلہ

میں چلا گیا۔ راجہ کے محلہ میں کوئی ایسا نہیں تھا کہ ہر فارسی زبان سے واقف ہو، لہذا یہ خطرات ان کے لئے صورتِ راز رہے۔ وہیں نے فوراً معلومات کراہیں کہ کیا ٹیمپ میں کوئی ایسا شخص ہے کہ جو فارسی سے واقف ہو۔ اس پر دیوار میں میرزا تقی خان فارسی کے استاد کی نشان دہی سے کراہ گیا۔ وہ شخص کو راجہ کے لئے اور دیواروں کے آداب بجا دیا۔ اس پر مجھے

پیشے کو کا گیا اور گافذات میرے حوالے کئے گئے۔ آگ میں انہیں زور سے چڑھوں۔ یہ کام میں نے اجمالی قابلیت اور اطمینان سے کیا۔ وہ بارہوی اس ہلے پر بڑے حیران ہوئے کہ میں نے اس کے ساتھ ان کا ترجمہ مراہفی زبان میں بھی کر دیا۔ وزیر، جو کہ چالاک، ہوشیار

مظفر آبادی معلوم ہوا تھا کہ میرے کام کی اس بجا کوری سے بڑا خوش ہوا۔ چپ میں دہلی سے چلا آیا تو اس نے فوراً اپنے کلرک کو میرے پاس بھیجا اور پچاس روپیہ ماہوار پر مجھے ملازمت کی پیشکش کی۔ شام کا کھانا دہشتہ اور کھورے ۲ ماؤلس جس کے علاوہ چھ تکہ میں آیا اسی شخصہ کے لئے تھا جس لئے میں نے اس پیشکش کو فوراً قبول کر لیا۔

وڈیر کی ملازمت میں میرے ارنالٹس کچھ زیادہ نہ تھے۔ مجھے دلنا میں دو مرتبہ دہرایا جاتا ہوتا تھا، یا تو راجہ یا وڈیر یا دونوں کو آپ کرنے کے لئے۔ میں سینے میں ان کے لئے دو یا تیس خطوط لکھ کرتا تھا۔ کبھی کبھی دوسرے کو بھیجے س کے ساتھ شائع کی جاتی تھی جس میں مجھے اپنے دل کی بات لکھ کر دے گا۔

۱۱ اس کیل میں سبہ ایمانی کرنا تھا۔ جب کبھی میں اس کی کوئی گواہ دیتا تو یہ تو وہ دھارہ سے ہوس داپس مالک لیتا یا چال بدلتے پہ اصرار کرتا۔ چمک میرے عہدہ اٹھا رہا تیس تھا کہ

میں انکار کرتا اس لئے ہر بار میں اس کی بات مان لیتا تھا جس کے بعد میں آخر کار میری جان بولی تھی۔ اس پر وہ تو بے اختیار طریش ہوتا مگر میری دل اس سے اداس ہو جاتا تھا۔ اس کے

علاقہ وہ بڑی خوشامدی سے ہر اس موقع پر مجھے کٹ دیتا تھا کہ جب میں شہر لوہے کی لاکھوں
شہر آتا اور اس کی توجہ مجھ پر ہوتی۔ اس کے اس رویہ کی وجہ سے میں اس سے خوش
نہیں تھا۔

بیب شادی پوری شان و شوکت کے ساتھ ختم ہو گئی۔ تو ہم سب کو خود صبا کے محل میں دعوت دی گئی۔ یہاں پر انتہائی مزیدار کھانوں اور میز پر قش و شادابی سے اداری خاطر تواضع کی گئی۔ اس کے بعد تین چھتیس نام سب کو ہمارے رتبہ کے اہتمام سے دی گئیں۔ اس کے بعد علم اور فرق گلاب کے ساتھ سونے کے دو تون میں لپٹے ہوئے پان رہے گئے۔ اس کا مطلب تھا کہ لب و رخصت ہوا جائے۔ اس کے بعد حوائج دہا کے سب رخصت ہو گئے۔ اس کے بعد محل میں اسے شب عروسی کے لئے کہا گیا کہ جہاں وہ چلا گیا۔

اس کے ایک ہفتہ بعد دایس کے سفر کی تیاریاں شروع ہوئیں اور دو مہینہ کے قیام کے بعد ہم منہ حیا کے لیے رخصت ہو گئے۔ اب دھارا چھوٹا سا کپ ساڑھی میں بڑا ہو گیا تھا۔ اس میں اب ایک ہاتھی، ساڑھیاں سے مرصع گھوڑے تھے۔ بھت دار گاڑیاں تھیں کہ جن میں زہرات اور بھپے چھ تھے۔ حرم کے لئے شاندار ٹیمہ تھا۔ اس کے علاوہ مود، حررت، ملازم، ایک خالقی دستہ، ایک تجربہ کار مرشد، سوار کی سرپرستی میں تھیں۔ اس سالہ سالانہ اور لوگوں کے ہمراہ ہم سترہاٹن میں خلافت کے ساتھ اپنی منزل مقصود کو پہنچ گئے۔

مرغوں کے ساتھ رہنے کے دوران ایک واقعہ اور ایسا ہوا کہ جن کی وجہ سے میری طبیعت بے انتہا حالات سے غفلت ہو گئی۔ جو یہ کہ جیسے ہی ہم دھن پچھے ڈویر کے آدھوں نے ہم سب سے وہ عینیں واپس لے لیں جو کہ ہمیں دعوت کے موقع پر دی گئی تھیں اور انہیں مرگادی نزلے میں بھیج کر ایمپید دکھا جانے کو یہ عمل اتنی ہی گرا ہوا اور کینٹ پن کا تھا اور ان کے لئے مناسب نہیں تھا کہ جو طوق کو مرگاد اور ریاست کئے ہیں۔ بعد میں ان لباسوں کو مارکینٹ میں فروخت کر کے دوسرے سے کپڑے ان کے بدلے خرید لئے گئے جس میں لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔ یہ قسم کے وقت میں مجھے ہوا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

پچھے اور اہل قلم کیا تو ایک دن ٹھکر ایک بغلی لئے ہوئے صوفے چم کیا بود بغلی کھوں کر اس میں سے ایک پکاری و ایک جوزی شاپوں کی بجے ڈویر کی جانب سے دی۔ ۔

اب اس ثلث کے مقابلہ میں جو ہمیں دی گئی تھی بہت ہی کم تر تھا۔ اس میں دو بار بھی نہیں تھا کہ جس کی قیمت دو سو روپیہ تھی اور جو میری سخت کے ساتھ تھا جس نے اس آدمی سے پوچھا کہ کیا وہ اس مکان ہے کہ جو جیسے تجھے منوہیا کے دوبار سے میں تمہیں د

اس میں کیوں نہیں ہیں؟ اس نے اس کا کوئی صاف جواب تو نہیں دیا۔ مگر اپنی ٹانگوں سے یہ حضورؐ بتا دیا کہ یہ جو کچھ ہوا ہے اس قسم کا نظارہ سب ہی ہیں۔ اس نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ میں اس غصہ کو بظاہر ٹوٹی کھاتھ لے لوں۔ اس قسم کے پتہ سہر جو کہ دربار سے غصہ تحائف لے کر آتے ہیں وہ یہ توقع کرتے ہیں کہ انعام دے دلا ان کی غصہ صفت میں کچھ چیزیں بھی کرسے۔ انعام میں نے انہیں وہ غصہ پیش کر دیا کہ جو وہ لایا تھا مگر اس نے یہ لینے سے انکار کر دیا۔ اس پر میں نے اسے اس کی توقع سے زیادہ انعام دیا تاکہ وہ اپنے آگے سے میری فیاضی اور جیسے آزادانہ اخراج کے بارے میں بتا سکے۔

ٹھہرایا کہ گھر پہنچ کر میں نے وزیر کی خدمت میں اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ مجھے اس پر حیرت کہ میں نے اپنا استعفیٰ واپس نہیں لیا تھا، تک میرے ساتھ جو مجھ سے تھا اس کی معافی وزیر نے مانگی اور میرے تحفہ پر پھانسی کا وعدہ کیا، مگر یہ ساری باتیں میرے اہل خانہ میں مائل نہیں ہوئیں اور میں دوبارہ سے آزاد ہو گیا۔

ملا سکتا چھوڑنے کے بعد ہر کوئی دلوں تک میں بیکاری کی حالت میں رہا۔ انہی دلوں میں
آنکھوں کی آواز سے شہر میں راجہ سے ملاقات کرنے آیا۔ اگرچہ بھارتیوں کا مقصد شادی کی
بارگاہ دینا تھا مگر وہ حقیقت یہ سیاسی معاملات تھے کہ جو اسے اس شہر تک لائے تھے اس
موقع پر اس مشہور پوڈھے جس نے ہمارے درگاہ کی زیارت کی اور ہمیں بھاری کی صورت
میں منتہی دیا۔ اگرچہ اس کا تعلق سر جانہا نام سے لڑا تھا مگر اس کی ملاقات سے ہمیں وہ
خوشی ہوئی کہ جو سر جانہا، کلمہ کی خوش اخلاقی اور دستاویز گفتگو سے ہمیں ہوئی تھی۔
میں نے اس کے لئے دردناک لکھے ہوئے عربی وقادی میں لکھے گئے کئی نسبت پڑھے
اس پر اس کو اعلان ہوا کہ میری قابلیت اس کے وہ مخالف بہت بڑی غاری کے بیکاریوں
سے لڑا ہے۔ یہ وہ کرم خاں اور ملک بواکمن تھے۔ مجھے پتا چلا کہ ان دونوں کو روایتی
میں اسی جگہ کا رہنے والا تھا اور یہ نسبت مجھے پہلی بار تھی۔ جب کہ ان دونوں کو روایتی
کے ساتھ پڑھنے میں وقت ہوتا تھی۔ جب میں ایک کتبہ کو فرزندہ رہا تھا تو میں نے
میرا احسان لینے کی فریض سے مجھے روکا اور کہا کہ میں ان الفاظ کی نشان دہی بھی کروں کہ
کہیں ہیں۔ میں نے اسی وقت اس جگہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس سے وہ بہت خوش ہو
اور بعد میں مجھے علیحدہ سے انعام سے نوازا۔

لئے کہا تھا کہ میں کوئی دوسرا قلی نہ کروں اور اس طرح اس کی ملامت ہی ہو جائے لیکن میں اس قسم کے لوگوں کو قطعی پسند نہیں کرتا۔ اس لئے میں نے اس کے رویہ کو اشتعال دلانے والا پایا اور اس کے چپکے ہانکا کہ اپنا سامان واپس لے لوں۔ تھوڑے چلنے کے بعد میں اس قابل ہوا کہ کچھ سے اس کی لنگولی پکڑ سکوں۔ یہ وہ واحد لباس تھا کہ جو اس کے جسم پر تھا۔ مگر ہوا یہ کہ لنگولی پرانی تھی اور پوری طرح سے بدھمی ہوئی تھی نہ تھی۔ اس لئے جب میں نے اسے کھینچا تو وہ میرے ہاتھ میں آگئی۔ وہاں کھڑے ہوئے کسٹم افرا اور دوسرے لوگ اس صبر تحمل کو دیکھ کر دور دور سے بچنے لگے۔ مگر کچھ حیرانی اس وقت ہوئی کہ جب قلی نے ان باتوں پر کوئی جواب نہیں دیا اور اطمینان سے اس نے دوبارہ سے اپنی لنگولی کو کسا اور مجھ سے طالب ہو کر کہنے لگا کہ اس میں میری کوئی تصویر نہیں۔ قصور لنگولی کا ہے کہ وہ اتنی پرانی ہو گئی ہے۔ میں نے اسے دو سال ہوئے عریض ہے مگر دیکھیں یہ بالکل پست کی ہے۔ جبکہ اس سے پہلے ہی کپڑا پانچ سال تک چتا تھا۔

کسٹم ہاؤس میرے سامان کی جانچ پڑتال کے بعد میں اپنے شریف قلی کے ساتھ شہر کی حدود میں داخل ہوا۔ جب میں نے رہائش کے بارے میں معلومات کیں تو میرے قلی نے بتایا کہ شہر میں مسافروں کے رہنے کی کوئی سہولت نہیں ہے۔ اگر کوئی گھر کرانے پر کیا جائے تو مالک ایک مسیح کا بیٹا بن کر آئے ہوں گا۔ تاہم یہ کہ یہ شرط پوری کرنا میرے لئے ممکن نہیں تھی۔ اس پر جب میں نے اپنے دوست قلی سے مشورہ مانگا تو اس نے کہا کہ میں میری حاجی ڈکوی میں جا کر ٹھہر جاؤں۔ مسجد میں حاجی ڈکوی کے داروں نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا اور بڑے ادب کے ساتھ پیش آئے۔ کچھ دن بعد جب میں نے اس کے ملازموں سے درخواست کی کہ میں مسجد کے باغی اور قلیک میں حاجی سے ملنے کا خواہش مند ہوں کہ جس کے دوسرے میں میں نے بھی میں رہتے ہوئے بہت کچھ سنا ہے تو انہوں نے کہا کہ میں نے مسجد میں نماز کے بعد کئی مرتبہ اس سے بات چیت کی ہے اور اس کے ساتھ وقت گزارا ہے۔ اس پر مجھے یاد آیا کہ واقعی ایسا ہوتا رہا ہے لیکن مجھے کبھی محسوس نہیں ہوا کہ میں ایک عظیم آدمی سے باتیں کر رہا ہوں۔ میں نے پیش اس کے خراب لباس اور سحرے پن کی باتوں کی وجہ سے اس کو حقیر سمجھا اور کبھی اس کے ساتھ مہذبہ طریقہ سے نہیں ملا۔ اس پر مجھے بہت افسوس ہوا کہ ایک شخص جو میرے ساتھ اس قدر مہمان نوازی کا سلوک کر رہا ہے میں نے اس کے ساتھ اس قدر بد چہری کی۔ لیکن اس میں اس کا قصور بھی ہے کہ آخر وہ کیوں اس قدر میرے کپچے لباس میں رہتا ہے اور کیوں ادب تو اس کا

خیال نہیں رکھتا ہے۔ لیکن میں نے سوچا کہ یہ میرا فرض بنتا ہے کہ میں اس سے اپنے رویہ کی اصلاح مانگوں۔ لہذا میں اس کے دفتر گیا کہ جہاں وہ ایک پرانی گدی پر اتنی پائنی بارے بیٹھا جھوٹے کامیاب لائے بیٹھا ہوا تھا۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ اس کے ملازم فوراً خود بخود صاف ستھرا لباس پہنے ہوئے تھے اور اپنے مالک کے مقابلہ میں زیادہ اسٹریٹ نظر آ رہے تھے۔ یہاں پر کچھ انگریز بھی تھے۔ ایک کپٹن اور اس کا اسٹنٹ تھا جو شاید اس کے جہاز پر ملازم ہوں۔ یہ اپنے ہاتھوں میں سیٹھ لائے اس کے احکامات کے منتظر تھے۔ میں بے بسی داخل ہوا اس سے اپنی خوش گفتگو کے ساتھ میرا حرمہ کیا اور مجھے اپنے قریب بٹھایا۔ میں نے اپنے رویہ کی اصلاح مانگی کہ میں اس کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش نہیں آیا اور یہ محل اس لئے ہوا کہ میں اس کی اصلیت سے واقف نہیں تھا۔ اس نے صاف کوئی سے کہا کہ خاک سے بے ہوئے اسٹنٹ حرمہ اور ایک ہوا چلے اس پر میں نے اس سے درخواست کی کہ وہ مجھے شناختی گفتگو دے کیونکہ ان کے بغیر کوئی بھی مجھے سے باہر نہیں جاسکتا ہے۔ اس پر اس نے کہا کہ میں حلق لے کر یہ کہوں کہ اس مسئلہ میں میری کوئی ہمت نہیں ہے۔ جب میں نے یہ حذر لے لیا تو اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ میرے شناختی گفتگو تیار کر کے مجھے دے دیں۔ یہ گفتگو فوراً ہی کئے گئے تیار ہو کر اس کے رکھنا ہوئے اور مجھے دے دیے گئے۔ اس پر میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور واپس مسجد میں آگیا۔

بھٹی میں چار دن گزار کر میں ایک سٹیشن میں پانویل کے لئے روانہ ہوا۔ جہاں سے میں میل کا حاصل ہو گا۔ ہم شام کو پہنچے۔ روانہ ہوئے اور دوسرے دن صبح کے چھ بجے میں پہنچ گئے۔ یہ سرناقرہ دار مرکز کے لئے شاید مسموم ہو گیا ہو۔ کیونکہ وہ کہ یہ سفر میرے لئے انتہائی اذیت ناک رہا۔ میں اپنے قارئین کو تنبیہ کرتا ہوں کہ کبھی کسی مقامی سٹیشن پر یہ سفر نہیں کریں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو انہیں بھی اس تجربے سے گزرنا ہو گا کہ جس سے میں گزرا ہوں۔ یہ پوری کشتی موروں موروں اور بچوں سے پوری طرح سے بھری ہوئی تھی۔ اس کے نیچے حصہ میں جہاز میں توازن قائم کرنے کے لئے شاید انہوں نے سلی اور سڑی ہوئی ٹھیکیاں بھر دی تھیں جس سے اس قدر سخت بدبو اٹھ رہی تھی کہ دماغ اڑا جاتا تھا۔ وہ رات بھی خاص طور پر جس دلی تھی۔ انگریز مسیح کا مہینہ تھا مگر جہاز کے تہہ ملازمین اس قدر عجیب میں تر تھے کہ اس کی بو بھی ناقابل برداشت تھی۔ اس کرنی کی شدت میں جب پانی گئی اور پانی پینے کا ارادہ کیا تو اول تو گرم تھا اور پھر اس میں بھی

جہاز کی بدلتی ہوئی تھی۔ اس پر ستم یہ کہ کھیل اور کھل ہمارے پاس میں تھے جارہے تھے اور بڑی سے درولی سے ہمارا خون چوسنے اور جسم کالنے میں مصروف تھے۔ ان کی تعداد اس قدر تھی کہ اگر ایک کو مارا جاتا تو فوراً اس کی جگہ ایک درجن در آجاتے تھے۔ جس کا ہر حصہ کھلا ہو تھا وہ چھوٹی اور چھوٹی کی فو میں تھا۔ پھر سر پہ بھجواتے ہوئے جب موقع ملا تو ڈاک ہارے تھے "جگہ بھینگر اور سے اور جاتے ہوئے سہ نور گروں پر حملہ آور ہوتے تھے۔ ہم پلائے ستم یہ کہ کشتی والے کرایہ کے ملازم یہ قلعہ کہہ رہے تھے یا ان کا مطالبہ تھا کہ انہیں کچھ تھے خائف بھی رہے جاگئے۔ ان میں سے ایک خلیہ چالہ ہاتھ میں لیا ہوا ہر مسافر کے سامنے سے گزرنے لگا تاکہ اس میں کچھ رقم ڈال جائے۔ جبکہ ایک دوسرا ایک ڈرم پر کھڑے ہو کر یہ قلعہ کرنے لگا۔ میرے دوستوں نے بھی "ماکر تم خائف کے ساتھ ساحل پر پہنچے۔" ہمیں معلوم ہے کہ تم ایک خطرے میں ہو تمہارے اور موت کے درمیان صرف ایک غصہ درمیان میں ہے۔ ہوا کا ایک ٹھنڈا ہم سب کو ایک لمحہ میں جہ و بہاد کر سکتا ہے۔ ہم کو شعل کر کے تھارے اور تمہارے سامنے کی حفاظت کر رہے ہیں اس لئے اگر معمولی سے میرے سوال کیا جائے تو اس کے رہنے میں ہچکچاہٹ سے کام نہ لیتے۔ ایک دلی بول تاکہ خدا ہمیں اس مشکل سے جلد نجات دلائے۔"

غریب اور طعیف، لاہتار مسافروں نے اس تنبیہ کے ذریعہ دوسری مرتبہ ان بدعاشوں کو کچھ نہ کچھ دیا۔ ان میں ایک جب اپنی ٹوپی میں پیسے جمع کرتا ہوا میرے پاس آیا تو میں نے اس سے درشتگی کے ساتھ کہا "میں نے اپنا کرایہ ادا کیا ہے" اور میں ان لوگوں کو کوئی حلیہ نہیں دلاں گا کہ جو اپنی کشتی کو کبھی نہیں دھوئے ہیں اور نہ ہی دوسرے لوگوں سے آرام کا فیور دیتے ہیں۔" اس غیر متوقع جواب کو سنا میں نے "ارے یہ کھڑے ہوئے اپنے سامنے سے کہا۔" اس دوران کی ہے وہ دن خانہ کی یہ شکایت سرد ہے کہ کشتی کو دھوئے نہیں گیا ہے اور یہ کہ یہاں پر آرام سے نہیں ہے۔ اس کو پچھ نہیں کہ کشتی جب پانی کی سطح پر ہوتی ہے تو وہ مسلسل دھلی رہتی ہے اور یہ اس لئے تکلیف میں ہے کہ یہ سمندر میں ڈوبا نہیں ہے۔" اس کی اس بدتمیزی کی باتیں سن کر میں ہنس میں آگ نکلا ہو گیا اور اس سے کہا کہ "تو وہ اپنی زبان پر کچھ دوسرے نتائج کو بھگتے کے لئے تیار ہ جائے۔ میرے اس طرح بولنے سے وہ لوگ قہقہہ چاک رہ گئے اور ہم پر کفر محض نے اس سے غصہ ہو کر کہا کہ "اس شخص کو چھوڑو یہاں اور غلی و فیوض اور ٹیک لوگ ہیں جو کہ عیادت دینے کے لئے تیار ہیں۔" لیکن ہوا یہ کہ میرے الفاظ۔

لوگوں پر اثر کیا۔ میری تقریر کے بعد کسی نے ر بدعاشوں کو کچھ نہیں دیا بلکہ ان میں نے ان دونوں کو برا بھلا کہا اور ان کی دھوکہ بازی کا خاتمہ ہوا۔

ہم جیسے ہی پانیوں پر پہنچے جو کہ اسٹریٹ کونکس میں واقع ہے تو میں وہاں سے اس طرح بھاگا کہ جیسے کوئی قیدی پر بندہ جیل سے بھاگتا ہو۔ یہاں میں نے پورا ایک دن غم کے ایک سایہ دار درخت کے نیچے کونکس کی آباد ہوا میں گزارا۔ اس کے بعد میں نے اپنے سر سے کپڑوں کو خوب دھویا اور خود بھی سیاہ دھویا تاکہ وہ چار دن جو کشتی کی زندگی میں گزارا ہے اور ایک رات جو کشتی کی خلافت میں بسر کی اس کی بدلتی ہوئی۔ دوسرے دن میں پوتے کے لئے روٹ ڈال دیا جو یہاں سے اکثر میل کے فاصلہ پر تھا۔ سڑک انتالی اچھی تھی اس کے دونوں طرف درختوں کی وجہ سے سایہ دار تھی۔ اسے پھاڑوں کے درمیان سے انگریزی حکومت نے کٹ کر ہٹا دیا تھا۔ سوائے مالدار کھاٹ کے کہ جو پانیوں سے نہیں میل کے فاصلہ پر تھا۔ یہ کھاٹ کچھ زیادہ اونچا نہیں ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 10 ہزار فٹ ہوگی۔ چونکہ غصہ کی پیدا کردہ چٹھائیں ہوا نہیں ہیں اس لئے پھٹنے سے کئی گاڑیوں کا گزرتا مشکل ہوتا ہے اور چار پائوں کے لئے مشکل ہے کہ وہ بوجھ کو اٹھائے یہاں سے گزر سکیں۔ پانیوں سے تین دن کے سفر کے بعد میں عربوں کے سابق دارالحکومت پونا پہنچا۔ یہ ماضی میں اورنگ زیب کے صوبہ میں تھا لیکن بعد میں عربوں کے قبضہ میں آیا۔ جب 1858ء میں انگریزوں نے عربوں کے علاقوں پر قبضہ کیا تو یہ برطانوی حکومت کے ماتحت ہو گیا۔

یہ شہر اجمین سے لونا لٹف میں ہے۔ سوائے اس کے کہ پونا پھاڑوں کے درمیان گھر ہوا ہے۔ اس شہر کا قلعہ کہ جسے محل کہا جاتا ہے اس قلعہ میں اس کا ذکر کیا جاسکتا ہے قلعہ کی دھند ہے کہ جس میں چلنے کا ایک ہی دروازہ ہے۔ اس کی دیواریں مٹی اور اونگ ہیں جو کہ چار پہلوں کو گیرے میں لئے ہوئے ہیں۔ جب ہم شہر کی چلی سمت سے داخل ہوئے تو پہلے دوڑنے والا کو عبور کیا جو کہ تھوڑے فاصلہ پر مولا دینا سے چاکر ملا ہے۔ یہ جگہ کہ جہاں دونوں دریا ملتے ہیں شہر کھلائی سے اور میں پر پھیلا ہے۔ وہاں سے وہاں سے ملان پرنیٹ کا گھر ہوا کرتا تھا۔ میں یہاں وہاں کا تاکہ شہر پر پھیلے ہوئے ہو۔ اس شہر کی دولت اور شان و شوکت کے بارے میں میں پہلے سے سمجھتا تھا کہ اس چکا تھا لیکن جب میں نے ذاتی طور پر شہر کو دیکھا تو میں انتالی ہاؤس ہو۔ یہاں کے لوگوں نے بتا دیا کہ اس کی ساری شان اس کے قلعہ کھراؤں کے ساتھ ملی گئی۔

انہوں نے بتا دیا کہ "مہ بازار کے جہاں اشرفیوں کے دھڑ بھڑتے تھے" موچیوں کے ہار ہوتے تھے" اور حقیقی ریارات کے صدو تھے ہوتے تھے" اس پر سارا ساز و سامان اور ملین بازار میں منتقل ہو گیا۔ اس شرکی آبادی میں پیسے کے متبادل میں گھٹ گئی ہے۔ آبادی کی کئی چیزوں کی جگہ "اس کی فوج کی برطانی اور سوداگری کی وجہ لوگوں کا شر پھوٹا ہے۔"

شر میں ہوتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ شر کا سفر دیکھنے کے لئے کیوں نہ میں بارہی پہاڑی پر چلاؤں اور وہاں ہندی سے اس کا جائزہ لوں۔ اس مقصد کے لئے میں نے ایک گھوڑے کا انتظام کیا اور اس کے ہمراہ چاڑی کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ یہاں سے پورے شر کو دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں سے میں نے شر کے گرد پیش کا علاقہ "انگریزی کیمپ" اور شر سے باہر علاقہ کہ جہاں پیشوا نے لڑاکہ آدمیوں کے دوست لگائے تھے "دور جو اب "لوگھا باغ" کہلاتا ہے وہ سب دیکھا۔

دوسرے دن میں پڑا سے ستارا کے لئے روانہ ہو گیا جو کہ میری منزل مقصود تھی اور جس کا یہاں سے 56 میل فاصلہ ہے۔ میں آرام سے سفر کرتا ہوا یہاں تین دن کے بعد اندر پہنچ گیا۔ میری آمد کی تاریخ 30 مارچ 1823ء تھی۔ ستارا کا شہر اجڑاؤ میں پھاپور کے صوبہ میں قلعہ پر چاڑی علاقہ میں آباد ہے اور تین اطراف سے چاڑیوں میں گھرا ہوا ہے۔ جب میں نے اس کا قلعہ دیکھا تو مجھے نعمت اللہ کا واقعہ یاد آیا جو اورنگ زیب کے دربار کا ایک اہم امیر قلعہ پر وہ پہلا شخص تھا کہ جو قلعہ پر مغلوں کے قبضہ کی خبر لے کر بادشاہ کے پاس گیا تھا۔ جب وہ بادشاہ کے خیمہ کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ بادشاہ خیمہ کے سامنے بیٹھا ہوا دور سے قلعہ کو دیکھ رہا ہے اور ساتھ ساتھ تسبیح پڑھ رہے ہیں مصروف ہے۔ جب نعمت خان آواپ بجا لایا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا "کیا خبر ہے؟"

"میرے سرکار! میں اچھی خبر لایا ہوں" نعمت خان نے کہا "مہم کی دعوت کے اثر سے قلعہ پر قبضہ ہو گیا ہے۔ اس قبضہ کی تاریخ اعلیٰ حضرت کے ہاتھ سے ظاہر ہے۔" اس کا مطلب تھا کہ اس کے ہاتھ کی انگلیاں اور اس کا انگوٹھا جو جھٹکی کے اوپر تھا "یہ چار کے ہونے کو چار مرتبہ دہرائی تھی" اس سے میری سال 1111ھ کا تھا۔

برطانوی کنٹونمنٹ اور ریفرنسی شہر کے شرق میں وہ سب کے بعد پر قہری قلعہ میں وہاں چلا گیا "یہاں میری ملاقات میرے پرانے دوست کسی شام "سکندر خاں جو اب والدہ اب مجھ سے" اب سے ہوئی۔ میں انہیں کے ساتھ گھبرا اور بن کی سہلان لڑائی کا احسان دے

ہو۔

میرے بچنے کی خبر فوراً پورے کیمپ میں پھیل گئی۔ اتفاق سے اس وقت وہاں کوئی قلعہ موجود نہیں تھا اس لئے مجھے فوراً ہی چھ شاگرد مل گئے اگرچہ یہ کام دلی محنت سے ڈھونڈنا تھا مگر اس میں محنت بہت تھی اور میرے پورا دن پڑھانے میں صرف ہو جاتا تھا۔ وہ جب تک میں جاگ سکتا ڈاکٹر ہے بی نگرا سٹ کی کتاب سے انگریزی سیکھ کر تھا۔ اس طرح سے میں نے اس جگہ پر چھ سال گزار دیے۔ اس عرصہ میں کئی لوگوں نے میرے لئے مجھ سے ہندو کرائیات پاس کئے۔ اس وجہ سے میری شہرت بھی ہوئی اور میں "پیشوا میں کچھ پیسے بھی جمع کر لئے۔"

میں کچھ عرصہ تو دوست کے پاس سہلان رہا، مگر اس کے اقرباء کو دیکھتے ہوئے جو اس کے خاندان کے لئے مشکل سے پورے ہوتے تھے "میں نے علیحدہ سے شر میں مکان لے لیا۔ چار رات کا ایک حصہ مطالعہ میں اور دوسرا آرام میں گزارا کرتا تھا۔ اس آرام کے حق کو وہی لوگ جان سکتے ہیں کہ جو دن بھر محنت محنت کرتے ہیں۔

اس طرح میری وقت خاموشی سے گزرتا رہا اور اس دوران سوائے گھریلو معاملات کے اور کوئی مسئلہ میرے لئے پیش نہیں آیا۔ میرے ماموں اکثر اپنے سمجھوتہ پورے کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ چھوٹی سوتی چہرواں کر لیا کرتے تھے "کیونکہ دن میں" میری خیر موجودگی میں "انہی کی حکومت ہوا کرتی تھی۔ یہ گھریلو معاملات کٹر میرے لئے پیشانی کا موجب ہوا کرتے تھے اور میری پراسن و خاموش زندگی کو اضطراب کھدیتے تھے۔ اس لئے اس کا حل میرے لئے یہ تھا کہ میرے پاس کوئی ایسا شخص رکھ دو جو میرے گھر کی دیکھ بھال کر سکے اور میری عمالی میں میرا سامتی بن سکے۔

چنانچہ ان حالات کے دباؤ میں "میں نے 23 جنوری 1824ء کو ایک لوجھان عورت سے شادی کر لی کہ جسے میں اس وقت سے جانتا تھا جب میں کچھ میں تھا اور جو میرے آنے سے پہلے اس شر میں آئی تھی۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ طبع میں اگر دھوکہ کھاتا ہے اس کو اس وقت تک لڑھپ اور دھوکہ کا پتہ نہیں چلتا ہے جب تک کہ وہ اس تجربہ سے نہ گزرے۔ کبھی کبھی ایمان چھوٹی چھوٹی حکایات سے ہٹکارا پانے کی فوج میں "بڑی مصیبتوں میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ لہذا میرا یہ خواب کہ شادی کے بعد میری زندگی مسرت و خوشی سے بھرپور ہو جائے گی" یہ توڑے دن ہی دم۔ میں جلد ہی گھریلو معاملات میں پیسے سے زیادہ اہم کیا۔ جب تک میں کوٹرا تھا "میں صرف اپنے بارے میں سوچا کرتا تھا" اب

مجھے ایک دوسرے شخص کے بارے میں بھی سوچنا پڑا۔ جس کی نسبت میرے ساتھ مل گئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میرا پس جو لب تک پہنچا ہوا تھا، بے سستہ سستہ خان ہونے لگا۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوا کہ اور جس نے میری شکایت میں بے تحاشا اضافہ کر دیا، میری یہ دروغت تھی کہ میری رشتہ زندگی طبعیت کے لحاظ سے انتہائی بھجوری اور مراثی ثابت ہوئی۔

اگر کسی کی شادی شدہ زندگی میں یہ مسائل ہوں تو ہماری شریعت میں اس کا حل یہ ہے کہ طلاق کے ذریعہ میسرگی اختیار کرنی چاہئے، کیونکہ میسرگی کا موجب ہونے کا کوئی جرم کرنا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ اگر اس سے نااطاعت ہو تو یہ سب ہی طلاق کے لئے کافی ہے۔ لیکن کوئی ہے کہ جو بغیر کسی وجہ کے اپنے وقار و ساتھی سے جدا ہونا پسند کرے گا؟ یہ خراب رسم صرف معاشرے کے نچلے طبقوں میں ہے، ایک شریف اور اعلیٰ گھرانہ کا شخص بیک وقت چار شادیوں کر سکتا ہے اور اگر اس کی مالی حالت اجازت دے تو جس قدر چاہے کئی برس رکھ سکتا ہے۔ اپنی عورتوں میں سے اسے کوئی ایک ایسی ضرور مل جاتی ہے کہ جو اس کو خوش و مسرور رکھ سکے۔ دوسری عورتیں بغیر کسی وجہ کے گھر میں رہ سکتی ہیں۔ اگرچہ عورت یہ کوشش کرتی ہے کہ وہ اپنے آقا کو خوش رکھے تاکہ اس کی وجہ دوسری عورتوں کی طرف نہ ہو۔ بہر حال یہاں میں اس پر ذیادہ بحث نہیں کروں گا کہ ایک عورت سے شادی کرنا مجاز ہے یا کلی عورتوں کو رکھنا اچھا ہے یہ مسئلہ مسلمان اور عیسائی علماء کے درمیان زیر بحث رہا ہے۔ اس کے حق و مخالفت میں کئی دلیلیں دی جا چکی ہیں۔ اس لئے میں اس بحث کو اور ذیادہ طویل دینا نہیں چاہتا ہوں۔ اگرچہ میں زندگی بھر ایک ہی عورت سے شادی کا قائل رہا ہوں، مگر پھر بھی شریعت کے اس اصول کو مانتا ہوں کہ کئی شادیوں مرد کے لئے ضروری ہیں۔

ایک دن میں 34 رجسٹر کے ای۔ ایم۔ اس کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ جو مجھ سے ہماری پڑھتا تھا (اس نے ہندوستانی اور مراٹھی زبانوں کے احکامات پاس کر لئے تھے) کسی نے آکر ہمیں بتایا کہ دیکھو کو قریبی گاؤں موٹی میں کہ جو دریا کے کنارے واقع ہے، ایک عورت مٹی ہونے جا رہی ہے۔ اس خبر سے میرا شامہ لود میں دونوں ہی جہان ہو کر رہ گئے۔ ہمیں اس پر یقین نہیں آیا کہ ایسا جرم اس طبقہ میں کیسے ہو سکتا ہے کہ جب کہ برٹش ریگولیشن قریبی مرکزی شہر میں موجود ہو۔ ابھی ہم نے مشکل سے اس موضوع پر اپنی گفتگو ختم کی تھی کہ ہم نے بھوس کی تواضع کی کہ جو دے جاتے اور جاتے ہوئے شہر سے تشر

رہے تھے۔ اس کو سن کر ہم فوراً گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اس طرف روانہ ہوئے کہ جہاں یہ رسم ادا کی جاتی تھی۔ یہاں ہم آگے بڑھے کہ اندر اندر پہنچ گئے۔ میرا ایک دوست مرا شکر و انکسیریم ایف کے لئے جب یہ الموسناک فیروسی تو دو بجی ہمارے بعد فوراً اس جگہ پہنچ گیا۔

ہم نے کوئی پون گھنٹہ ایک سایہ دار پتیل کے درخت کے نیچے انتظار کیا جو کہ دریا کے کنارے پر تھا، یہاں تک کہ ماسی جہازیں سدا برہمنوں کے جو جتان اٹھائے ہوئے تھے آیا اور جتان کو دریا کے کنارے رکھ دیا۔ اس طرح سے کہ لاش کے پیر دریا کے پانی سے دھل جائیں۔ مرنے والے کا چہرہ اور ہاتھ کھلے ہوئے تھے، جن کو دیکھ کر ہم نے اندازہ لگایا کہ یہ چالیس سالہ صحت مند شخص کا تھا کہ جس کا تعلق برہمن ذات سے تھا۔

مرد شخص کو رکھنے کے بعد اس فوجیان عورت کی طرف گئے جو ایک دوسرے پتیل کے درخت سایہ میں بیٹھی تھی کہ جہاں سے وہ جتان کو دیکھ سکتی تھی۔ وہ اس کے ساتھ چلنے پر تیار تھی۔ اس کو جہانے کی ہماری ہوس تھی اور نگڑیوں کا ڈھیر اکٹھا کیا جا رہا تھا۔ اپنے رشتہ وادب اور دوسرے لوگوں کے درمیان گھری ہوئی تھی۔ جن کی تعداد تقریباً بیس کے قریب ہوئی۔ وہ ان لوگوں سے مسلسل گفتگو میں مصروف تھی اور خود پرچہ رہے تھے ان کے سوالوں کا جواب دے رہی تھی۔ اس کی عمر پندرہ سال کی ہوئی۔ شکل و صورت کی اچھی تھی۔ اس کے سینے چہرے پر کسی قسم کی پریشانی یا گھبراہٹ نہیں تھی۔ بیلیٹنٹ اہل جو کہ اچھی مراٹھی زبان جانتا تھا اسے یہ موقع مل گیا کہ اس سے گفتگو کر سکے۔ اس نے ایک لمبی تقریر کر کے اسے قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ اس خالہ خودکشی کا ارادہ ترک کر دے۔ کیونکہ اس کے نزدیک مٹی ایک قسم کا قتل ہے کہ جو برہمنوں کے ہاتھوں ہوتا ہے۔ جن کی شیطانی تعلیم بعد مذہب کے خلاف ہے۔ وہ اپنی بیوا کردہ رجسٹ کے تحت اس کو مرے پر مجبور کر رہے ہیں اور اس طرح اس کی دنیا اور آخرت دونوں کو ہٹا کر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں اس نے مختصراً طور پر جواب دیا کہ، "تمہاری جو مرضی ہو وہ کوئی گھر میں تو اپنے آقا کے ساتھ جاؤ گی۔ میری قسمت میں اس کی ہوی بڑا لکھا تھا، لہذا میں صرف اس کی بیوی رہوں گی، اور کسی بھی صورت میں اپنی زندگی میں دوسرے کو شریک نہیں کروں گی۔ میں نے اس سے محبت کی تھی، اب اس کے علاوہ اس غلوں کے ساتھ میں کسی اور سے محبت نہیں کر سکتی گی۔ لہذا میں اس کی ساتھی رہنا چاہتی ہوں چاہے وہ جہاں بھی جائے۔ برائے موٹی آپ اس سلسلہ میں غور مند ہوں۔ خدا آپ کو امن و

گزروں کے اجبر کی طرف اس کشش کے ساتھ چلی جیسے کہ پرانہ شیخ کے ساتھ جاتا ہے۔ اس کے بعد اس نے دھیر کے ساتھ دست پکڑ لگائے۔ اس کے بعد دھیر کے ساتھ کر اپنے مودہ شوہر کا سراپا بن گیا۔ اس کے بعد اس نے خود ہی گزروں کے دھیر کو الگ لگائی۔ اس وقت اس کے آگے برہمن ڈنڈے سے کرکڑے ہو گئے تاکہ کوئی اس کے قہقہہ نہ جاسکے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر ڈاکٹر کے کہ اس قدر فصد آہا کہ وہ اپنے پر قابو نہیں پاسکا۔ اگرچہ اس کو ان کی رہائش نہیں ملتی تھی، لیکن اس کے باوجود اس نے اسی قدر زور سے کہ جس قدر وہ بول سکتا تھا برہمنوں سے قاطب ہو کر کہا، "تم بد معاش لوگ۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ والدہ منٹ کھوس۔ اگرچہ وہ اس سے الٹ کہتا چاہتا تھا کہ وہ والدہ کھوس۔ لیکن ان کی اس لفظی نے اس موقع پر بھی کہ جو انتہائی افسوسناک تھا، لوگوں کو سکرانے پر مجبور کر دیا۔ جب عورت نے الگ لگائی، تو اسی وقت برہمنوں نے رام، رام کا شوہر کھانا شروع کر دیا اور ساتھ میں دھول، گائے بھاجا شروع کر دیے۔ یہ سب شور اور ہوا اس لئے تھا تاکہ اس ہنگامہ میں اس عورت کی بیچ، بھگاد خالی نہ رہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اوپر سے لڑکیاں بھیجی شروع کر دیں، تاکہ وہ لڑکی اس کے باجوتے رہ جائے۔ چنانچہ چند روز بعد کے اندر اندر وہاں سوائے راکھ کے اور کچھ نہیں رہا۔ اس کے بعد شور و فغاں بھی ختم ہو گیا اور موسیقی بھی روک دی گئی۔ اور یہ قافلہ، جو اب تک تھک چکے تھے خاموشی سے درخت کے نیچے بیٹھ گئے تاکہ الگ لگائی ہو تو اس کی راکھ کو وہ رہا میں رہ سکیں۔ ہم بھی اس کے بعد انتہائی افسردگی کی حالت میں اپنے گھر واپس ہو گئے۔

مذہب اپنے ابتدائی دور میں خاص اور پاک و صاف تھے، مگر وقت کے ساتھ ساتھ ان میں تورات آتے چلے گئے جس کے نتیجے میں یہ سب کچھ پیدا ہوا کہ جو ہم دیکھ کر گئے تھے۔ ہندو مت کی ابتدا بھی پاک اور روحانیت سے ہو رہی تھی۔ اس کا ثبوت ابتدائی ریدہ در ان کی دوسری مذہبی کتابیں ہیں۔ جو کہ ۸۰۰ سال پہلے ابھری تھیں۔ ان میں خالق کائنات ہوا کھلا ہے۔ اس کی عین صفات یہ ہیں، "خالق، دانشور، حافظ اور شیوا" بد کرنے والا۔ ان میں سے ہر صفت کا ایک خاص ایچ ہے تاکہ وہی نظر والے اس خیربادی تھے کہ دیکھ سکیں جو کہ نظر کرنے والے اور نہ نظر کرنے والے دیکھ کا خالق ہے۔ یہ قادر مطلق ہے جو کہ اپنی تمام مخلوق پر پہلے سے مطلق اور قائم شدہ اصولوں کے تحت حکومت کرتا ہے۔

ان کے ان اعلیٰ اور عقلی اصولوں سے ان کے پاکیزہ قوانین کی تشکیل ہوئی ہے۔

یہ سب کچھ دیکھ کر ڈاکٹر کے کہ اس قدر فصد آہا کہ وہ اپنے پر قابو نہیں پاسکا۔ اگرچہ اس کو ان کی رہائش نہیں ملتی تھی، لیکن اس کے باوجود اس نے اسی قدر زور سے کہ جس قدر وہ بول سکتا تھا برہمنوں سے قاطب ہو کر کہا، "تم بد معاش لوگ۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ والدہ منٹ کھوس۔ اگرچہ وہ اس سے الٹ کہتا چاہتا تھا کہ وہ والدہ کھوس۔ لیکن ان کی اس لفظی نے اس موقع پر بھی کہ جو انتہائی افسوسناک تھا، لوگوں کو سکرانے پر مجبور کر دیا۔ جب عورت نے الگ لگائی، تو اسی وقت برہمنوں نے رام، رام کا شوہر کھانا شروع کر دیا اور ساتھ میں دھول، گائے بھاجا شروع کر دیے۔ یہ سب شور اور ہوا اس لئے تھا تاکہ اس ہنگامہ میں اس عورت کی بیچ، بھگاد خالی نہ رہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اوپر سے لڑکیاں بھیجی شروع کر دیں، تاکہ وہ لڑکی اس کے باجوتے رہ جائے۔ چنانچہ چند روز بعد کے اندر اندر وہاں سوائے راکھ کے اور کچھ نہیں رہا۔ اس کے بعد شور و فغاں بھی ختم ہو گیا اور موسیقی بھی روک دی گئی۔ اور یہ قافلہ، جو اب تک تھک چکے تھے خاموشی سے درخت کے نیچے بیٹھ گئے تاکہ الگ لگائی ہو تو اس کی راکھ کو وہ رہا میں رہ سکیں۔ ہم بھی اس کے بعد انتہائی افسردگی کی حالت میں اپنے گھر واپس ہو گئے۔

[illegible]

انہوں نے کہ وہ اپنے عقیدے کی حق میں جس انتہا پسندی کو پہنچی ہوئی تھی وہاں پر
میں نے کارگرِ طاقت نہیں ہوں۔ اس نے بڑی عقارت سے منکراتے ہوئے صغرائے
کہا کہ وہ اس کی مہربانی کی وجہ سے اس کی احسان مند ہے لیکن اس وقت اسے اس کی کوئی
ضرورت نہیں ہے۔ اس نے جو فیصلہ کر لیا ہے وہ تبدیل نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کے
بعد وہ مڑی اور اپنی عمارت سے ایک ٹکڑا پھانسا اور اس کے قریب جو پیپ جل رہا تھا اس
کے جہز میں اسے ڈال دیا اور اپنی نکل سے لپیٹ کر اس کو جسے جوش کے ساتھ آگ لگا دی
وہ تھوڑی دیر تک صومِ حق کی طرح جتا رہا۔ اس کے بعد اس میں سے گشت کے پتے کی بو
آنے لگی۔ اس دوران میں وہ حسین لڑکی مسلسل باتیں کرتی رہی اور اس نے اٹلی کے پتلے
پر کسی قسم کی تھلیب کا مظاہر کیا اور نہ اس کی طرف کو محسوس کیا لیکن اس کے ہارے پر
بیٹے کے تھڑے چپکے گئے۔ جس کی وجہ سے ہمیں اندازہ ہو گیا کہ وہ اس لذت کو کس
حر سے ساتھ برداشت کر رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کا یہ جذبہ جوش اور انتہا
پسندی اس وجہ سے بھی تھا کہ اسے فخر اور شہما کھلائی تھیں۔ خاص طور سے کلاور
کی ایک بڑی مقدار خاتمِ برصغیر سے اس کو کھلائی تھی یہ عمومی طور پر اس وقت سے دی
جاتی تھی کہ جب وہ عورت فخر کی حالت میں فوری طور پر پتے جلنے کا اعلان کر دیتی تھی۔
اس کے اثرات سے فوری طور پر اعصابِ مصلوح ہو جاتے تھے اور اس کا جسم جلنے سے
بچنے کی اہمیت تھا۔

مرزا کو قتل دینے کے بعد اسے چالنے کے لئے تیار کر دیا گیا۔ اس عورت نے مرزا کو قتل کرنے کے بعد اسے چالنے کے لئے تیار کر دیا گیا۔ اس عورت نے مرزا کو قتل کرنے کے بعد اسے چالنے کے لئے تیار کر دیا گیا۔

[illegible][illegible]

ان کے ان اعلیٰ اور حقیقی اصولوں سے ان کے پاکیزہ قوانین کی تشکیل ہوتی ہے۔

ان تمام جرائم کی سختی سے منع کرتے ہیں کہ جو آج کی مذہب دنیا میں بھی قتل مزا ہیں۔ اس لئے اس میں خود کشی، بچوں کو مار ڈالنا اور صرف انسانوں ہی کی نہیں بلکہ ہر قسم کی قدرتی، چاہے وہ جانور ہی کی ہو، سخت منع ہے۔ لیکن توہمت، قصوں و کہانیوں اور غلو غرض بہاریوں نے دقت کے ساتھ ساتھ بد عنوانی، کرپشن اور غیر اخلاقی رسالت اس حد تک بڑھا کر دی ہیں کہ اس وقت کے ہندو خود ان کے مذہب کے اظہار سے کافروں میں شمار ہوتے ہیں۔

ستارا میں قیام کے دوران مجھے انگریزوں کے ایک عظیم شخص سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اس کی شرکت میں نے صرف انگریزوں سے ہی نہیں بلکہ ہندوستانیوں سے بھی سنی تھی۔ یہ آئرلینڈ میں ملوث اسلورٹ انشورنس کمپنی کے گورنر تھے۔ وہ ریاست میں سیاسی معاملات کے سلسلہ میں اس وقت تشریف لائے تھے کہ جب راجہ کی لڑکی کی شادی پونا کے گھور پور کے ایک لڑکے سے ہو رہی تھی۔ اس موقع پر شر کے معززین کی پدم پاد سے شادی محل میں دعوتیں ہو رہی تھیں۔ میں بھی اس میں سے ایک تھا۔ میں اس وقت وہاں موجود تھا جب گورنر صاحب نے راجہ سے بڑی ہی پرستار اور سلیبی ہوئی گفتگو کی۔ مجھے ایسا عروس ہوا کہ جیسے یہ عظیم آدمی کسی بچے سے دعوتیں کر رہا ہو۔ کبھی وہ اس کی باتوں کی توجہ کرتا تھا اور کبھی اس کے خیالات کو ادھر ادھر کر دیتا تھا۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ کیا راجہ میں اتنی مہارت ہے کہ وہ اپنے علوم کو صاف اور واضح طور پر بیان کر سکے۔ لیکن مجھے یہ کتنا پڑے گا کہ راجہ نے ہمیں سب کو سخت مایوس کیا۔ مجھے گورنر بہادر کا ایک رکارڈ سب تک یاد ہے جو انہوں نے اس ملاقات کے موقع پر دیا تھا۔ راجہ نے اس سے پوچھا تھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ اس سے ہندوستانی میں بات چیت کر رہا ہے اور مراٹھی نہیں پس رہا ہے جبکہ وہ اس زبان سے بھی بخوبی واقف ہے۔ اس پر اس نے کہا کہ: "میں جناب علی سے بہتر ہندوستانی بول سکتا ہوں" جبکہ آپ مراٹھی زبان مجھ سے اچھی جانتے ہیں۔"

میں نے چھ سال ستارا میں گزار دیئے۔ اس دوران میں "میں نے اپنی نعت سے اس قدر پیسے کمائے کہ میں چھ پچھتے پچھتے کسی ملازمت کے رہ سکتا تھا۔ لیکن میں نے اس وقت اپنے بہت سے انگریز اور ہندوستانی دوستوں کو کھو دیا کہ جب چھٹی رحمت کا وہاں سے چادر ہو گیا۔ اس کے بعد سے میں نے خود کو چھ اور بیکار پایا۔ دکن کی آب و ہوا اور مراٹھوں کی ناپسندیدہ صحبت نے مجھے بے انتہا پور کر دیا اور میں اس موقع کی تلاش میں رہا کہ مذہب جگہ پر ملاؤں۔ میں انہی فطرت میں تھا کہ مجھے یقینیت سے سب کی جانب سے جو کہ

ایک شریف شخص اور بڑا بیسالی تھا، اور جو مجھ سے کچھ عرصہ پہلے بھی تھا، پینکشن وصال ہوئی، اس کا چارہ سورت کر دیا گیا تھا۔ میں نے ذرا اس کی پینکشن قبول کی اور سورت کے لئے روانہ ہو گیا۔ جہاں میں اپنے خاندان کے ساتھ اپریل 1828ء میں پہنچ گیا۔ میرا بہتی سے سورت تک کا یہ طریقہ خیر ناک، مشکل، مگر جلد ہی طے ہو گیا۔ ایک دوسرا جہاز کہ جس کا مالک بھی میرے جہاز سے تھا اس میں تقریباً ایک سو چالیس بوہری تھے۔ جنہیں ان کے روحانی سرور نے اپنے بیٹوں کی شادی میں بلایا تھا۔ وہ ہم سے تھوڑی دود کے فاصلہ پر تھا۔ لیکن اچانک سمندر میں طوفانی آئی کہ جس میں وہ چھوٹے کھلے لگا، اور وہ تمام بد قسمت مسافر شادی کی رسم سے لطف اٹھانے کے خیال کے بجائے سمندر میں اپنی قبریں دیکھنے لگے۔ مجھے خیال آیا کہ ان کے روحانی پیشوا کے پاس اب اپنے عروہ عروہ کی ایک لمبی فرست ہوئی کہ جو انہوں نے جہاز کو بھیج دی ہوگی تاکہ وہ انہیں جنت میں بدلیں۔ اس فرقہ میں یہ رواج ہے کہ وہ اپنے پیشوا سے ہر صرے والے کے لئے ایک سرٹیکٹ لیتے ہیں۔ جو فرشتوں کو ظاہر کر کے لکھا جاتا ہے جبکہ وہ اسے جنت میں بہترین جگہ آباد کریں۔ اس سرٹیکٹ کے پردہ میں پیشوا کو مناسب رقم دی جاتی ہے۔ یہ پرچہ مرنے والے کے کفن پر احتیاط سے رکھ دیا جاتا ہے۔

یہاں مجھے اپنے دوست ڈاکٹر سی ڈی اسٹریکر کا ایک واقعہ یاد آتا ہے جو کہ سوں سورج تھا، اور اس جگہ کی سال خدمات انجام دیتا رہا تھا۔ اس ڈاکٹر نے روحانی پیشوا کا ایک سخت بیماری کے زمانہ میں علاج کیا تھا۔ جب رمضان کا مہینہ آیا تو ڈاکٹر نے اپنے روحانی مریدوں کو بدعت کی کہ وہ صحت یاب ہونے تک روزے نہ رکھیں کیونکہ اس حالت میں روزے رکھنا اس کی صحت اور جان کے لئے نقصان دہ ہوں گے۔ لیکن اس حیار پیشوا نے شخص اپنی رہایت ظاہر کرنے سے یہ جو ایک دہائی ایسے عمر کی پختہ حالت میں رہ سکتے تھے۔ جس کا حکم مقدس کتاب میں آیا ہے۔ اگر اس نے خلاف دوزی کی تو اگلی دنیا میں اس کی سخت سزا ہوگی۔

اس پر ڈاکٹر اسٹریکر نے مگر یہ بھی صاف گویا کہ پتہ ہوتا ہے کہ "میں ہمیں" مولوی صاحب "کپ کو اس کے سے مراد" صبرت ہیں۔ میں "پ کو ایک سرٹیکٹ دے دوں گا جو آپ اپنے بھائی فرشتہ کو دکھا دیتا ہو یقیناً" آپ نے اسے سے کات کی کوئی رو دھو بیڑے جگہ۔

ایک نیک اس انگریز کے اس رکارڈ سے پیشوا کے چہرہ پر شرمندگی مکر اہٹ آئی۔

دوسرے لازم جو وہاں کھڑے تھے وہ اپنی انہی کو پہچانتے ہوئے دوسری طرف ہونگے۔ ان
میں سے وہی تین جو صحیح العقیدہ مسلمان تھے وہ کہو سے باہر چلے گئے تاکہ آزادی سے نفس
نکھیں۔

حادثہ میں مجھے اتنے شاکر و شکر تھے کہ میرے لئے ان سب کو پڑھنا مشکل ہو گیا۔
لیکن میں دشمن کے مقابلہ میں حادثہ میں زیادہ خوش تھا۔

یہاں پر میں یہ ضرور کہنا چاہوں گا کہ انگریزی زبان میں میری قابلیت کافی بہتر ہو گئی تھی۔ میں اس زبان میں آسانی سے لکھ پڑھ سکتا تھا۔ جہاں تک پڑھنے کا تعلق ہے تو میرا تجربہ اس قدر عمدہ تھا کہ میرے شاگرد انگریز زبان میں پوچھ کرتے تھے کیا میرے والدین انگریز ہیں؟ یا ان میں سے کوئی ایک انگریز ہے۔ یہ اس لئے تھا کہ میری رنگت اور پونے کا طریقہ دوسرے مقامی لوگوں سے بالکل علیحدہ تھا۔ ان کے ہاں یہ ہوں سوالوں کے جواب میں، میں صرف سکرا دیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ ان کی تعریف میری اوقات سے زیادہ ہی ہے۔ میری خوش قسمتی تھی کہ دولت میں میرا اعتنا بیٹھنا ان لوگوں سے ہوا کہ جو سائنس اور ادب کے دلداز تھے۔ میری کمزوری یہ تھی کہ میری عملی زبان کی لیاقت اس قدر اچھی نہیں تھی کہ ان کی گفتگو سے پورا پورا فائدہ اٹھائے۔ اس لئے میں نے بعد کیا کہ میں ہر لیٹ پر جا رہے میرا کتابی بیسہ خرچ ہو یا وقت لگے یا کٹلی ہی محنت کرنا پڑے، اس زبان کو جو انگریزی کے بعد سب سے مشکل ہے، سیکھ کر رہوں گا۔

میں نے عربی کا مطالعہ اس لگن اور جذبہ سے شروع کیا کہ جیسے کوئی سی عاشق اپنی محبوبہ کے حصول کے لئے کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں جو بھی مشکلات تھیں ان کا مقابلہ میں نے بڑی خوش دلی سے کیا۔ اس وقت اپنی بروڈی کالنے میں گزار رہا تھا اور رات کو دیر تک میں کتابوں کا مطالعہ کرتا تھا۔ مجھے یہ کہتے ہوئے عرش ہوئی ہے کہ تین سال کی محنت کے نتیجہ میں مجھے وہ حاصل ہو گیا کہ جس کی میں نے خواہش کی تھی۔ میں نے شیخ تاج مدینہ جو کہ ہدایت کے لکھنے والے تھے ان سے شرعی قوانین میں غلطی اور مشور حکیم میر تقی میر سے حکمت میں مرثیہ نگار سے۔

سورت میں 'میرے ہر شاکر کو تجھے من میں ایک نوہون 12 ربیعہ۔ کسی کا 'سہ' نہ' ایسٹ وک تھا۔ یہ نوہون۔ یعنی 'جیز' اور قتل تھا۔ جس بات ۔ ۔ کا عطف قابل رقبہ تھا وہ جو کچھ بھی یاد کرتا تھا وہ اس کے حافظہ میں محفوظ ہو جاتا تھا۔ جس جب اس کے ساتھ رہتا تھا مجھے اندازہ ہوا کہ اس کی صلاحیتیں اور ذہنی پختگی اس کی عمر کے مقابلہ میں

لڑاوا ہیں۔ وہ بڑا نرم مزاج، فیض اور کھلے دل کا انسان تھا۔ اس وجہ سے میں اس قابل ہو گیا کہ اس کے حلقہ اور کسی شاگرد کو قبول نہ کرسا۔ اس نے ہندوستانی اور فارسی دونوں زبانوں کے امتحان کچھڑ کے ساتھ پاس کر لئے۔ عربی زبان کی ابتدائی قواعد پر بھی اسے کھوڑے ہی وقت میں عبور ہو گیا۔ پھر اس نے اس وقت تک سیکھی تھی کہ جب میں اس کے ساتھ صبح کی سیر پر جاتا تھا۔ اس کے ساتھ رہنے میں مجھے اس قدر لطف آیا کہ وہ جب تک ہندوستان میں رہا میں نے اسے ہمیں بھروسہ دیا۔ سوائے ان چند واقعات کے درمیان جبکہ زیادہ حلقہ کی لالچ میں میں نے کوئی اور ملازمت نہ کی۔ لیکن پھر جیسے ہی موقع مل میں واپس اس کے پاس چلا آیا۔

مئی 1822ء میں مجھے 9 برصغیر ہجرت کے چار ماہوں نے آگے کی رحمت دی۔ ان کی دعوت پر میں شہل پور کے لئے روانہ ہوا کہ سورت سے چار سو پچاس میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ سفر میں نے پہلی اور پوتا کے راستہ چودہ دن میں طے کیا۔ پہلی تک میرا سفر بڑا خوشگوار تھا یہاں سے پانویل تک کے سڑے میں نے اپنے لئے ایک کشتی اور ملازم کرایہ پر لئے۔ چنگ میں دوبارہ سے اس قسم کی کشتی میں سفر کرنا نہیں چاہتا تھا کہ جتنا عجیب ایک بار مجھے 1923ء میں ہو چکا تھا۔ شہل پور کا شہر انتہائی گرم اور بغیر کسی درخت کے مجھے دیرانہ سا لگا۔ یہ چاروں طرف سے فصیلوں میں گھرا ہوا ہے۔ اس کے جنوب مغرب میں قلعہ ہے جو کہ پتھروں سے بنا ہوا ہے۔ اس میں کئی برج ہیں۔ اس کے سامنے ایک بڑی خندق ہے کہ قلعہ کے جنوب میں جا کر ایک کدب سے ملتی ہے۔ یہاں آہوی دیوار مرہٹہ لوگوں پر ہے جس کی تعداد بائیس ہزار ہے۔

انگریزوں کا علاقہ گرم ہے، مگر شولا پر سب سے زیادہ گرم ہے۔ میر خیال ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں یہ پرا ہوا ہے، کیونکہ یہاں پر گرم ہوا کو سوائے انسانوں کے اور کوئی شکار ملتا ہی نہیں ہے۔ اچھی کہ کے بعد میں کشتہ نشین کی طرف گیا کہ جہ سے ٹھوڑے فاصلہ پر تھا۔ جہاں میرے میزبان نے میری بڑی توجہ دیکھی۔ یہاں پر میں بہت دیر رہا۔ اس دوران میں میرے نو جوان شکار کرنے کے لئے جنگلی میں خاص کامیابی حاصل کر لی۔ انہوں نے کالی انعامات و اکرام کے بعد سورت واپس لایا۔ یہاں ایسٹ وک نے نیلے لباس سے میرے استقبال کیا اور میں دوبارہ سے اس کی خدمت میں آ گیا۔

۱۸۳۱ء میں ہندوستان میں اپنی گھر کے بعد اہل مرتبہ مسٹر اسٹاک کو سخت غلام کیا۔
گرمی و سرمایہ کے لئے اس نے پانچ دن تک قہاروں کو جوتے پہنے۔ غلام کی شدت کے

جب میں لود سے چٹا تو حسدی ملی ایک ملتی ہوئی لکڑی کو قریب لایا اور اس کی روشنی میں اس نے ان بوسیدہ چٹریوں کو دیکھا اور بھر پورے اطمینان سے کہنے لگا کہ "یہ سطحی چٹریاں ہیں۔ بناب" میں اس کو قسمت کی خرابی کہنے لگا۔ "یہ من کر میں سوچنے لگا کہ چاہے کسی قدر مصیبتیں آئیں یا حادثات ہوں یہ ہمیشہ قسمت کو الزام دیا ہے۔ لیکن کبھی خود کو یا مجھے اس کا دوسرے نہیں ٹھہراتا ہے۔

میں آہستہ آہستہ سفر کرتے ہوئے بندوبست سے احمد آباد کے راستے دوسرے پہلے جہاں کہ ایک بڑا کٹھنٹ تھا۔ یہاں پر اس کو اس لئے قائم کیا گیا تھا تاکہ اس علاقہ کو انوکھوں اور لہریوں سے محفوظ رکھا جاسکے وہاں سے ہم آری کی طرف گئے جہاں پہاڑ کے دامن میں ہم نے تین دن گزارے یہاں پر لارڈ شپ کی خواہش تھی کہ وہ پہاڑ پر چڑھ کر قدیم یادگاروں کو دیکھ کر لیں۔ لارڈ وائس رے دن خاص خاص لوگوں کی ایک جماعت پہاڑ پر چڑھنے کے لئے تیار ہوئی۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں بھی اس جماعت میں شامل تھا۔ اگرچہ میں دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں تو پیچھے رہ گیا۔ مگر لارڈ شپ جو کہ اپنے سسٹنٹ ساتھ تھے ان سے آگے نکل گیا۔ جب ان کے سامنے نے دیکھا کہ میں جموں سے آگے بڑھ رہا ہوں تو اس نے درخواست کی کہ میں اپنی چٹری لارڈ شپ کو دے دوں کہ جس کے سامنے وہ چل سکیں۔ میں یہ سوچتے ہوئے کہ انکار کرنا بدتمیزی ہے فوراً اپنی چٹری ان کے حوالے کر دی۔ لارڈ شپ نے اس تھکے کو توں کرتے ہوئے میرا شکریہ ادا کیا اس کو تھکے میں لئے کہنا چاہئے کہ میری چٹری پھر مجھے واپس نہیں ملی۔ وہ اس چٹری کو پا کر بہت اہم خوش ہوئے کیونکہ اس سے انہیں چڑھنے میں آسانی ہوگئی۔

میں لارڈ شپ اور ان کی جماعت کے ساتھ بطور کے مندروں تک دہلیجران کا ساتھ چھوڑ کر ایک ہی اور دوسرے گروہ جب شام ہونے لگی تو میں نے محسوس کیا کہ مجھے بھوک بھی لگی ہے اور سوزی بھی ہوگئی مگر مسئلہ یہ تھا کہ میں اپنے ساتھیوں سے کھانا مانگتے ہوئے شرم محسوس کرتا تھا کیونکہ وہ اپنی ضرورت کے تحت کھانے کا سامان لئے تھے میں یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ یہاں کے مقامی باشندوں سے جو کھانے کی چیزیں گوارا ہیں۔ ان سے مدد لی جاوے۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ میں واپس کیپٹن جہاڑ اور وہیں اپنی بھوک کا بندوبست کر دوں۔ بد قسمتی سے میری واپسی پر بندوبست بارش ہوگئی کہ جس سے میں برقی طوفان سے بچ گیا تھا جب تو بچے رات کو میں اپنے خیمہ میں پہنچا ہوں تو اس وقت تک میں تھک کر چور ہو چکا تھا۔ دوسرے دن اس کے نتیجہ میں غٹ بھار ہو گیا مگر بدقسمت طوفان اور

میرے ایک مل آتھ کی مدد سے میں نے جلد ہی اس سے نجات پائی۔

آری کا پہاڑ "سروہی شہر سے مشرق کی جانب میں میل کے فاصلہ پر ہے یہ راؤ سیو سنگھ جی کے متعلق ہے اور ہندوؤں کی "خاص طور سے جین مت ماننے والوں کی قدیم عبادت گاہ ہے۔ یہ سطح سمندر سے دس میل اونچا ہے۔ اس پر چڑھنے کے لئے پاندہ رستے ہیں۔ ان میں سے ان پاندہ سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ اس لئے اس راستہ پر سیاح اور زائرین کافی تعداد میں نظر آتے ہیں۔ پاندہ کا گاؤں سروہی سے میں میل ہے۔ اس پہاڑ کے اوپر ایک تالاب ہے جو "کھنسی" کہلاتا ہے۔ کہ جاتا ہے کہ اس تالاب کو ہندوؤں کے دیوتاؤں نے اپنے ہاتھوں سے کھودا تھا۔ اس تالاب کے ارد گرد غاروں اور پہاڑ کی دلی میں شکاریں درجہ کی رہتے ہیں۔ مگر وہ بہت کم لوگوں کو نظر آتے ہیں۔ آگست کے مہینہ میں جب کہ سورج درگو کے دائرہ میں جاتا ہے تو ہندوؤں کے لئے مقدس ہوتا ہے اور اس وقت وہ اس تالاب میں نما کر گناہوں سے پاک صاف ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے اس موقع پر دور دورہ ایک سے ان کی بڑی تعداد یہاں جمع ہو جاتی ہے۔

ان پاندہ راستوں میں سے دو بہت زیادہ مشکل سمجھے جاتے ہیں۔ یہ کابھوں اور نیواری گاؤں سے جاتے ہیں۔ ان میں پند راستہ اس قدر تنگ اور تباہ رہے کہ مسافر کو ہاتھوں کے سارے چٹا پڑنا ہے۔ اگر وہ اوپر دیکھتا ہے تو پوچھ آہیں کو بھولی نظر آتی ہے۔ در جب نیچے دیکھتا ہے تو دوسری گہرائی کے دور کچھ نظر میں آتا ہے۔ اور اس بھی لفظی نہ صرف اس کے سفر کو ختم کر دیتی ہے بلکہ اس کی زندگی کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔

دوسرے راستہ سے بھی چڑھنا اور اتارنا بدقول خطرناک ہیں۔ اس کے علاوہ اس راستہ پر گھٹا جنگل ہے کہ جس میں وحشی جانور ہیں جن کی وجہ سے وہ اور بھی زیادہ خطرناک ہو گیا ہے۔ اس کی ایک دلی کو پہنچنے سے دور سمجھا جاتا ہے اس لئے سروہی کے سابق حکمرانوں نے یہاں اپنے اور اپنے خاندان والوں کے لئے ایک قلعہ بنوایا تھا تاکہ خطرے وقت انکر رہا جاسکے۔

پہاڑ کے اوج تھو جھوک ہیں ان میں سے تین دیران ہیں۔ باقی دس میں دو دھارا اور ایک کھنڈ ہیں کہ جن کی آبادی سات سو کے قریب ہے۔ یہاں پر ہندوؤں اور جین مت کے بہت سے مندروں ہیں۔ ان میں کچھ پورے خوبصورت اور شاندار ہیں۔ ان کے فرش اور چھت پر سنگ مرمر ہے۔ دیواریں اس قدر بچی ہیں کہ ان میں اپنی صورت دیکھیں جا سکتی ہے۔ میں خاص طور سے ان پاندہ جین مندروں سے بڑا متاثر ہوا کہ وہ بطور میں ہیں جو نیم ٹھہر

وہ راکھیلہ جو کہ دو عین مقدس ستیاں ہیں ان کی یاد میں قہیر ہوئے ہیں۔ ان کے ستوں اور چھتوں پر جو نقش و نگار اور پھول پتیاں بنائی گئی ہیں وہ بالکل اصلی معلوم ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک مندر کے چھپے دس ہاتھوں کے نمائندے ہیں۔ ایک دوسرے مندر میں تین گھٹ پر دس ہاتھ اور ایک گھوڑے کے نمائندے ہیں۔ یہ سب خالص سنگ مرمر سے تیار کئے گئے ہیں۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح سے ان بھاری پتھروں کو کہ جن کا ترش کر یہ ایسے بھاری گئے ہیں پہاڑ کے اوپر پہنچایا گیا ہوگا۔ کہ جانتا ہے کہ ان خوبصورت مندوں کی قہیر کرانے والا ایک ساہوکار تھا کہ جس نے اپنی اولاد نہ تھی لہذا اس نے اپنی ساری دولت ان مندوں کی قہیر پر خرچ کی یہ 1243ء کی بات ہے۔

اس پہاڑ سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کا آدھا سرووں کے رہائے ہو کر رہتے تھے اور تھوڑا بہت بھولے بھولے سرواں۔ باقی جو چھتا تھا وہ مذہبی کاموں پر لگا دیا جاتا تھا۔ جیسے کہ مندوں کی عزت اور غریب زائچوں کی مدد لیکن موجودہ راؤ سیکھ نے جنہوں نے سنگا میں قسمل کر لیا ہے اب اس کی ساری آمدنی حیرات و صدقات پر خرچ کرنے کا حکم دے رہا ہے۔

ہمارا ایکسپ یہاں سے 2 جنوری 1832ء کو روانہ ہوا اور آہستہ آہستہ چلے ہوئے پورہ دن کے اندر اجیر چپکے ہو کر سورت سے دو سو انتیس میل کے فاصلے پر ہے۔

آٹھواں باب

ابو سے اس پار کا علاقہ دیکھتا ہے۔ سوئے ان چھ حصوں کے کہ چھل اور وی کے پہاڑ ہیں یہ سبیں پتھری اور کھردری ہیں۔ یہ بحر علاقہ میواڑ کہلاتا ہے۔ اگرچہ یہاں دور دور تک کوئی آبادی نہیں مگر اس کے تین شہر بڑے مشہور ہیں جن میں اوڑے پور پانی پر کھڑی شامل ہیں۔

اوڑے پور سوہیہ راجپوتوں کا حکومتی مرکز ہے۔ ان کے قبیلہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مہجہ اصل ہے اور راجپوتانہ میں ان کا راجہ اونچا ہے۔ ان کے حکمران رانا کہلاتے ہیں۔ جب یہ گدی نشین ہوتے ہیں تو ان کے ماتھے پر انسانی خون سے تلک لگا دیا جاتا ہے۔ ایسے موقع پر اسے کیسے حاصل کیا جاتا ہے یہ ایک راز ہے۔ میرا خیال ہے کہ کسی قیدی کو قتل کر کے اس کے خون کو اس شخص کے لئے استعمال کیا جاتا ہوگا۔ یہ شہر خوبصورت ہے اور اونچائی پر آباد ہے۔ اس کے مغربی حصہ میں ایک بڑی بھیل ہے جس کے درمیان میں ایک بھڑا ما جریہ ہے جس میں دو محلات بنے ہوئے ہیں۔ ان محلات میں حکمران گرمیاں گزارتے ہیں اور پوری طرح سے عیش و آرام سے لطف اٹھاتے ہیں۔

پانی سحر کے کنارے پر واقع ایک بڑی منڈی ہے۔ میں نے یہاں سے چھ یورپین اشیاء بھیجے کے مقابلہ میں زیادہ سستی خریدیں۔ یہاں کی آبادی عام طور پر دولت مند ہے۔ گھروں کی تعداد تقریباً گیارہ ہزار ہے۔

قیمر شہر پر کھڑی ہے۔ اس کا اصلی نام ہش کارا تھا جو کہ ایک بڑے تالاب سے موسوم تھا۔ اس تالاب کے تین اطراف میں پتھروں کی دیواریں ہیں اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نیچے جانے کے لئے سیڑھیاں ہیں۔ تالاب کے کناروں پر مندر ہیں۔ شہر زیادہ بڑا نہیں ہے مگر اس کے مشرقی حصہ سے یہ بڑا خوبصورت نظر آتا ہے۔ 17 جنوری بھاری آند کا دن تھا۔ رات خاموش اور ٹھنڈی تھی۔ جب میں اس تالاب کو دیکھنے گیا ہوں تو سسٹان راست میں سماں پر تارے چمک رہے تھے۔ میں اس کی سیڑھیوں پر کھڑا تھا غور و فکر میں مہوش رہا۔ میں اس کی خوبصورتی سے بے انتہا متاثر ہوا۔ اس میں پانی ایسا نظر آتا تھا جیسے

کہ آئینہ۔ اس میں قرعہ و قارون کے سامنے جھلکتے نظر آ رہے تھے۔ جب میں واپس اپنے شہر میں آیا ہوں تو چلی اس صوم پر بڑا مطمئن تھا۔

دوسرے دن 18 تاریخ کی صبح کو ہم اجیر پہنچ گئے جو کہ راجپوتانہ کا سپہ سالار ہے یہاں ہم نے اپنے خیمے گورنر جنرل کے کیمپ کے سامنے لگا لئے جو کہ شہر سے تھوڑے ہی فاصلہ پر تھا۔

یہ دونوں عظیم ہستیاں خاص کر شیخ کے سرور و رموز پر بہم تنگد کرتی رہیں۔ قریب کے سرداروں اور راجاؤں کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ آکر ہندوستان کے ان حکمرانوں کی خدمت میں مدد دیں۔ اجیر میں ہم چھ ہفتے ٹھہرے اس کے بعد نصیر آباد اور ملتان و لاہور ہوئے ہوئے بعد کے لئے روانہ ہوئے۔

میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اجیر چھوڑنے سے قبل اس کے بارے میں ضرور غاڑوں۔ یہ قدیم شہر جو شہس کارا شہر کے جنوب میں چھ میل کے فاصلہ پر ہے ایک پہاڑ کے دامن میں آباد ہے جس کے اوپر مشہور قلعہ آرا گڑھ واقع ہے۔ یہاں کے لوگ بلند ہیں۔ ان کے شکائت کچے اور شاندار ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آبادی تیس ہزار سے زیادہ نہیں ہوگی۔ کلگریوں نے اس شہر کو خدو صا سے بے اور اس کا انتظام مسٹر ولڈو کے حوالہ کیا جن کی شینہ روز محنت کی وجہ سے اب یہ شہر بے چارے سے مقابلہ کرنے لگا ہے۔ شہر کے ایک بازار کا نام ولڈو ہے جو اپنی نصیر آبادی کی وجہ سے اس علاقہ کے تمام شہروں میں لاجواب ہے۔

سید حسین مشہدی اور خواجہ معین الدین اجیری جو مسلمانوں کے روحانی مقدس بزرگ ہیں وہ اسی شہر میں مدفون ہیں۔ پچیس بزرگ کی درگاہ آرا گڑھ پہاڑی کی چوٹی پر ہے جسکے معین الدین اجیری کی پہاڑی کے دامن میں ہے۔ سید حسین روحانی و باطنی دونوں لحاظ سے اہم شخصیت تھے وہ قلب الدین ایک کے نام میں اس جگہ کا گورنر تھا۔ اس کے زمانہ میں خواجہ ایک لوہیل ستر کے بعد یہاں پر آئے اور پھر بھائی زنگی بھی پر گزار دی۔ وہ بڑے بڑے تیر انداز تھے اور یہ ان کی عادت تھی کہ ایران و ترکستان میں صہراؤں میں رہتے تھے وہ تیر کمان سے جو فکڑ کر تے اس پر گزارا کرتے تھے باقی وقت دنیا سے دور مراقبہ میں گزارتے تھے۔ وہ 527 میں پیدا ہوئے تھے۔ در جب سرے میں تھے تو ان کی عمر ایک سو آٹھ سال تھی۔ ان کی لور گورنر کی یاد ہو اس کے کہ گورنر شیعہ تھا اور یہ سی۔ دوستی ہو گئی تھی اور بعد میں یہ دوستی رشتہ داری میں بدل گئی۔

اجیر میں قیوم کے دوران وہ درجہ دلی مجھے کما جاتا ہے کہ جب وہ دوسری مرتبہ دلی مجھے تو گورنر اجیر کا چچا جو دلی میں رہتا تھا خواب میں اس کے اہلکاروں نے یہ پدایت کی کہ وہ اپنی رول کی شادی اپنے عہد کے بزرگ خواجہ معین الدین چشتی سے کرے۔ جب انہوں نے یہ سنا تو کہا کہ اگرچہ ان کی زندگی کے دن کم ہیں لیکن وہ اس مقدس رشتہ سے انکار یعنی نہیں کر سکتے۔ لہذا انہوں کی شادی ہو گئی جس کے بعد وہ سات سال زندہ رہے اور اس دن ہی سے ان کے کلی بچے پیدا ہوئے۔

ان کے مقبرے کے قریب جو بڑی اور کشادہ مسجد ہے وہ 1027ھ میں شہشاہ جہانگیر نے تعمیر کرائی تھی۔ یہ درگاہ اب تمام مسلمانوں میں بڑی مقدس خیال کی جاتی ہے۔ شہشاہ اکبر کی بار اس کی زیارت کے لئے آئے تھے کہ یہاں سے وہ سو بیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ کما جاتا ہے کہ جب وہ دور سے مقبراں دیکھتا تھا تو بگنے پیچیدیں چل کر یہاں تک آتا تھا۔ بہت سے ہندو کہ جن کا ذہن آسانی سے توہمت کو قبول کر لیتا ہے وہ بھی درگاہ میں زیارت کے لئے عام مسلمانوں کی طرح آتے ہیں۔ سماجی سدھیا اور جھوٹ راؤ بکر درگاہ کے لئے ہر سال ہزار ہا ہندو آتے تھے۔ دوست راؤ سدھیا نے ہزار ہا کے ہندو اس پروری عبادت کی حرمت کرائی۔ یہاں پر روز ہزاروں زائرین زیارت کے لئے آتے ہیں۔ ان میں سے کچھ کی فتنی چوری ہو جاتی ہیں۔ اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں شیخ کا وسیلہ ہے۔ لہذا وہ اسے شیخ کی امت سمجھ کر اس پر زور زیادہ دیتے آتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو انسان کی حیثیت بھی ان کے گلہ کی ہے جو ایک کرتا ہے وہ سراسر بھی اس کی نقل کرنے لگتا ہے۔ مقبرہ کے اندر کا حصہ شاندار بھی ہے اور مقدس بھی۔ فرش پر خالص تنک مرمر ہے۔ دیو دیویوں پر جالیاں ہیں اور چھت سفید رنگ کی خوبصورت ہے جو دیکھنے میں ہموار نظر آتی ہے۔ شیخ میں قبر ہے جس پر فتنی چور پڑی ہوئی ہے۔ اس کے ارد گرد چاندی کا جنگل ہے۔ قبر کے سراسر چاندی کا بڑا خوشبو دان رکھا ہے جس میں سے خوشبو کا دھواں آتا ہے اور پورے مقبرہ کو معطر بنا رہا ہے۔ جو کوئی اس جنگل میں جا کر قبر کو پھونکا دیتا ہے، حتیٰ اس سے کافی رقم دیتا ہے۔

مارچ 1893ء میں وہیں صورت آگیا اور یہاں کچھ وقت اپنے گھر والوں اور دوستوں کے ساتھ گزارا۔

چونکہ اس سال میری آمدنی کم تھی اس لئے میں نے حکمت شروع کر دی اور خدا کا شکر ہے کہ جلد ہی اس میں میری ملاجعتوں سے زیادہ میرا نام ہو گیا۔ میرا یہ دستور تھا کہ

غریبوں کو مفت دوا دیا کرتا تھا اور امیروں سے فیس وصول کرتا تھا۔ میں نے یہ بھی خیال رکھا کہ ایسے مریض کا علاج نہ کروں کہ جس کا مرض میری سمجھ سے باہر ہو۔ ایسے مریضوں کو میں گورنمنٹ ہسپتال بھیج دیا کرتا تھا۔ ہندو مہیہ تنک میں سے پریشک کی۔ اس دوران میں چھ سو چھ سو مریضوں کا میں نے علاج کیا، ان میں سے چھ سو آئندہ مریض صحت یاب ہوئے، تین مریض مر گئے، دو بیمار سے اور ایک بچہ سے۔

لومبر میں میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام میں نے قدرت اللہ رکھا۔ اگرچہ اس کی پیدائش سے مجھے بے انتہاء خوشی ہوئی، مگر میری یہ خوشی میرے حالات کی وجہ سے زیادہ نہیں رہی۔ کیونکہ اس کی پیدائش سے میرے اخراجات بہت بڑھ گئے، ٹرس کی فیس، خیرات و صدقہ دینا جو کہ ایسے موقع پر ضروری خیال کیا جاتا ہے، اس نئے مالی حالات کی وجہ سے میں اس بات پر مجبور ہوا کہ حکمت کے پیش کو خیرباد کہہ دوں اور دوبارہ سے تدریس کو اختیار کروں۔ اللہ میں نے بے شاگردوں کی مثال شہداء کی اور جب مجھے پیپٹنٹ ہوئے کی احمد آباد سے پیش کش آئی تو فوراً اسے قبول کرتے ہوئے روانہ ہو گیا۔ یہ نعمتوں چونکہ اپن اور اصلاحیت تھا اس لئے اس نے بہت جلد آمدنی زبان میں صدارت حاصل کر لی اور مجھے ساتھ لے کر پٹنہ لسی روانہ ہوا۔ جہاں اس نے کچھ کے سامنے اچھے فیروں سے احسان پاس کر لیا، وہ مجھے سری تونج سے روانہ اسام دائرہ سے نوارا۔ لہذا میں دوبارہ گھر آیا، یہ وہاں جو میں نے کہا تھا اب یہاں ملے میرے لئے کافی تھا۔

جون میں سورت واپس آیا اور تین ہفتہ تک بطور کسی خلاصت کے رہا۔ اسی دوران ہڑائی ٹرس میرا افضل الدین خان سورت کے نواب نے مجھ سے درخواست کی کہ میں ان کے سیکرٹری کی حیثیت سے کام کروں۔ میں نے فوراً اس پیشکش کو قبول کر لیا۔ ہڑائی اس نے مجھے تاشق پ، دہلا اور وہاں اسوں نے اعلان کیا۔ وہ بیٹھتے تھے، اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں اور وہ فوراً ہی میرے لئے ایک الاؤنس مقرر کرنا چاہتے ہیں کہ جتنا فرمان ان کے دستخطوں کے ساتھ جلد ہی مجھے دے دیا جائے گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ انہیں جیسے ہی پے رشمیں سے جی برطانیہ حکومت سے ہالے سے دو سو ترقی کے لئے بھی سوجش کے انہوں نے اس موقع پر مجھے وہ تقریریں سنائی تھیں جن میں دیکھتے۔ ان کو نہیں کرنے کے بعد میں اپنی نشست سے اٹھا اور تسکینات بجا لایا۔

جب میں واپس گھر پہنچا تو دیکھا کہ نواب کے ملازم "گنڈ بدار" اور موہنہار مجھے مبارکباد دینے کے لئے جمع ہیں۔ میں نے انہیں تجھے تحائف دے کر رخصت کیا۔ جب مجھے

مرمت ملی تو میں نے نواب کا بیان پڑھا

فقہی مکتب اللہ صاحب کے ماہدہ مظاہر، مضامین ہڑائی ٹرس قرالہولہ، حشمت جنگ، ہارو، نواب آل سورت، پکاس روہپہ ٹڈ، ملت کھانا، خاندان کے لئے کھانے کا راشن، ایک گھوڑا، دو سو ماسوں اور دو ملازموں کے ساتھ۔ سال میں کپڑوں کے دو جوڑے۔

میں نے اس تنخواہ کو کافی اچھا پایا کیونکہ اس رقم میں ایک شریف آدمی اچھی طرح سے گزارا کر سکتا ہے اور پھر نواب نے میری ترقی کا بھی وعدہ کیا تھا۔ میں نواب صاحب کے دیوار میں پانڈری سے حاضری دیا کرتا تھا اور وہ مجھے ہر موقع پر تجھے تحائف سے نوازتے رہتے تھے۔

نواب صاحب شریف آدمی تھے، ان کی عمر تین سال کی ہوئی۔ لہذا اگرچہ بھوتہ تھا مگر نرم اور بارعب تھے۔ اگلی رنگت گندمی تھی مگر ان کی جھنگ اور چال افعال میں ریجسٹڈ شہن تھی۔ ذات کے وہ سید تھے اور ان کے دادا برہانپور کے ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو 1732ء میں سورت بحیثیت مہم جو کے آئے تھے۔ ان کی شادی اس وقت کے گورنر سورت خان کی لڑکی سے ہو گئی۔ اس سے ان کو شہرت بھی ملی اور حکومت بھی۔ اسی کا سارا لے کر وہ سورت کا نواب بن بیٹھے۔ اس کے چالیسوں نے 3، مئی 1800ء تک حکومت کی۔ اس کے بعد موجودہ نواب کے والد نے یہ شہر 15000 روپے سالانہ کی پیش پر انگریزوں کے حوالہ کر دیا۔ اس کے عرض انہوں نے سے نوب کا خطاب رکھنے اور چند مراعات اٹھانے کی اجازت دے دی۔ اس کے مرنے کے بعد (1821ء میں) موجودہ نواب گدی نشین ہوا اور اس کو بھی سابقہ مراعات رکھنے کی اجازت دے دی۔ اب اس کو کھلے خطاب رکھنے والے مجبور نواب سے وفاداری کا میری خلاصت میں شامل تھا۔ نواب کے درجہ سے مجھے بتایا کہ وہ بیٹے ہوئے کہ مقامی ایجنٹ نے نواب کے ساتھ انتہائی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا۔ یہ اس طرح سے کہ اس نے نواب کے ایک ملازم کو شراب پینے کی وجہ سے مار دیا اور لوگوں کے سامنے اسے گھسیٹتے ہوئے اپنے ہاں سے گیا۔ نواب اس وقت وزیر کے گھر پر تھا۔ سے جب اپنے ملازم کی بے عزتی کا پتہ چلا تو اس نے پابیس گارڈ کو حکم دیا کہ وہ ملازم کو اس کے پاس سے کر آئیں، جیسے اس نے فوراً دیا کر دیا۔ جب مقامی ایجنٹ کو اس کے سے میں معلوم ہوا تو اس نے سے اپنی بے عزتی سنجی۔ لہذا اب نوب کے خلاف میں میں مصروف ہے اور مسٹر مس ڈین کے کہ جو گریڈ ایجنٹ بھی ہے، بیج بھی اور بحیثیت بھی، اس کے کان بھر رہا ہے۔

اب میرا کام یہ تھا کہ مقامی ایجنٹ نے جو گیاں ملازمت لگائے تھے ان کا جواب دوں۔
لوہاب صاحب نے اس ذمہ داری کو جو میں نے لکھا تھا اس کے چھپنے میں تین دن لگائے اور
پھر اسے پاس کرتے ہوئے اس کی زبان "اسلوب" اور ملائگی کی تحریف کی۔ اس شد کو فارسی
میں مجھے ہی صاف کرتے لکھا پڑا کیونکہ بعد مکرر نہ نہ صحیح طریقے سے فارسی لکھ سکتا تھا
اور نہ ہی سمجھ سکتا تھا۔

بہر حال حکومت اور لوہاب کے درمیان جو اختلافات تھے وہ اس کے بعد ختم ہو گئے۔
مقامی ایجنٹ نے لوہاب صاحب سے معاہدہ کر کے دوبارہ سے ان کی سرپرستی حاصل کر لی۔
لوہاب صاحب نے حسب معمول ہر رات کو اس کو اہم معاملات کی تفصیلات سمجھائی شہر
کے کسی بھی میں بھی اس کے پاس چلا جاتا تھا اور وہ جو کچھ لکھا اس پر رٹ لوہاب
صاحب کو دیتا تھا۔

کوئی ساڑھے پانچ بلتے تک میں لوہاب صاحب کا پسندیدہ صاحب رہا جلد ہی میں نے
دیکھا کہ مقامی ایجنٹ کے ساتھ کچھ خلیہ بات جیت ہو رہی ہے کہ جس سے مجھے بے خبر رکھا
جا رہا ہے۔ اس کے نتائج جلد ہی مجھ پر ظاہر ہو گئے۔ چھ مہینے کی رفاقت کے بعد مجھے معلوم
ہوا کہ غریب لوہاب دوسروں کے ساتھ میں محض ایک سمونہ ہے۔ وہ اس قابل ہی نہیں ہے
کہ خود سے کوئی فیصلہ کر سکے۔ وہ لوہاب محبت میں رہتا ہے اور شراب والیم کا رہا ہے۔
اب لوہاب کو اس کے کہنے اور بد نصرت وزیر نے مقامی ایجنٹ کے ساتھ مل کر اس بات پر
اکساہ کیا کہ وہ اپنے سابق وزیر کی جانتی ہو رہی ہے۔ اس کا یہ موجودہ وزیر ایک
ان پڑہ "پیر اور انتہائی خبیث طبیعت کا مالک ہے۔ اس سے پہلے یہ کبھی راجن کا استانی
معاون لاؤم رہ چکا تھا۔ مقامی ایجنٹ نے اس سازش میں وزیر کا ساتھ دیا تاکہ وہ اپنے
بدترین دشمن کو جتھہ کر سکے۔ لیکن اس سازش میں ساتھ دینے کی شرط یہ تھی کہ لوہاب اس
کی پسند کے آدمیوں کو اہم عہدوں پر مقرر کریں گے۔ یہ وہ خلیہ بات جیت تھی کہ جس پر
میں کرتے ہوئے انہوں نے دیوان ہوی رام کو اس کے عہدے سے علیحدہ کر کے اس کے
آفس کو گھیر لیا اور وہاں سے تمام خزانہ اور دیکارواں کر لے گئے۔ اس سے کہا گیا کہ اسے
ملازمت سے اس لئے علیحدہ کیا جا رہا ہے کیونکہ وہ سابق وزیر سے خلیہ طور پر رابطہ رکھتا
ہے۔ غریب ہوی رام نے بڑی جرات سے جواب دیا کہ اس کے سابق وزیر سے کوئی
رابطہ نہیں ہیں۔ بلکہ اس کا جھگڑا مقامی ایجنٹ سے ہے۔ اسے قریب تھی کہ مقامی ایجنٹ سے
"سمجھوتے کے بعد اس کے ساتھ یہی سلوک ہوگا کہ جو اب ہو رہا ہے۔" پھر افسوس و ہمت

ہے۔ میں بے گناہ ہوں۔ مقامی ایجنٹ ایک دن ضرور ظاہر ہوگی اور خدا داروں کو ضرور سزا
دے گی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ہاتھیں حوالے کیں اور خود وہاں سے چلا گیا۔

دوسرے دن وزیر اور مجھے یہ قدر داری سونپی گئی کہ ہم آٹا رام کے پاس جا کر اسے
لوہاب کی طرف سے دیوان کے عہدے کی پیشکش کریں۔ آٹا رام کی دیرام کاڑ کا ہے کہ جس
نے لوہاب کے والد کے زمانہ میں 1800ء کے معاہدے کو مسترد کیا تھا۔ ان کے بانیوں سے بات
جیت کر کے بٹے کرنا تھا۔ اس کے عوض اسے اور اس کے چالیسوں کو حکومت برطانیہ سے
تین سو روپے ہوا کی دائمی پاشی مل گئی تھی۔ اس معاہدے کے بعد سے کہیں رام کا
خاندان مرحوم لوہاب اور موجودہ لوہاب کی نظروں میں قابل فخر تھا۔ کیونکہ معاہدے کے
وقت ہمدانی کی تھی اور اپنے آقا کے مفادات کو قربان کر کے اپنی ذاتی مفادات کو ان پر
ترجیح دی تھی۔ اس وجہ سے لوہاب نے اسے اپنی ملازمت سے نکال دیا تھا۔ کیونکہ رام کی
وفات کے بعد اس کا لڑکا آٹا رام جو کہ مسکرت اور فارسی زبانوں میں مہارت رکھتا تھا
مقامی ایجنٹ کی خوشامد میں مصروف ہو گیا تاکہ اس کی سفارش سے کوئی اچھا عہدہ حاصل
کر لے۔ اس کو تین سو روپے ہوا کی ہر پاشی مل گئی تھی۔ اس نے اس سے وعدہ کر اپنے
اخراجات کو لئے نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے قرض کیا وہ تین ہزار کے قریب قریب پہنچ گیا۔
آخر کار مقامی ایجنٹ کی مدد سے اسے دیوان کے عہدے کی پیشکش ہوئی۔ اس کی تحفہ تو
بست معمول تھی۔ یعنی مکان دینیہ ملہ، مگر اس کا قیام یہ تھا کہ لوہاب میں ملازمت میں
گئے کے بعد وہ مدائنی اختیارات سے باہر ہو جاتا تھا اور کوئی قرض خواہ اس پر اپنے دعووں
کی دہائی کے لئے عدالت میں پیش نہیں کر سکتا تھا۔

آٹا رام کے ساتھ ایک دوسرا چالاک بعد مسی رام، بحیثیت آڈیٹر مقرر ہوا۔ یہ
تمام دیکھ کر نے بعد دوسری چیز یہ تھی کہ سابق وزیر کو لوہاب کے سامنے ڈنکل کیا جائے۔ اس
مقررہ کے لئے اس کو پیغام بھیجا گیا کہ وہ دوبارہ میں حاضری دے۔

یہ شخص اگرچہ ان پڑہ و لہجہ تھا اور مدلی فروخت کرنے والے سے ترقی کرتے ہوئے
وزیر کے عہدے تک جا پہنچا تھا۔ وہ اپنی محل بندی اور تجویز سے سمجھتا کہ اسے لوہاب کے
ہاں کہیں حاضری کے لئے بلایا جا رہا ہے۔ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ لوہاب مکمل طور پر اس
چالاشی اور مقامی ایجنٹ کے اثر میں ہے۔ لہذا وہ لوہاب کے پاس آئے کے بجائے مسز مس
ڈیون کے پاس چلا گیا اور اس سے کہا کہ وہ ایک برطانوی شہری ہے اسے سابق وزیر نے
اس بہانہ کے ساتھ لوہاب کے دہار میں بلایا ہے تاکہ وہ حساب کتاب کی جواب دہی

کرسٹن یسٹن اس دل پر کتا ہے کہ ایک جال ہے کہ جو اس کے دشمنوں نے اسے پھنسنے کے لئے پھیلا دیا ہے۔ جہاں تک نواب کا تعلق ہے تو وہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں کھنکھورہ ہے۔ سٹرکس وہیں نے اسے مقامی ایجنٹ سے ملنے کے لئے کہا اور ساتھ ہی میں یہ یقین دلاؤ کہ نواب صاحب اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ سابق وزیر ایک سمجھدار شخص تھا، لہذا اس نے مناسب نہیں سمجھا کہ برطانوی نمائندے کی کسی بات کو رد کرے یا اس سے بحث کرے، اس لئے اس کو مطمئن کرنے کی خاطر اس نے خاموشی سے سے جواب کیا اور وہاں سے چلا آیا۔

دوسری صبح وہ مقامی ایجنٹ کے دہار میں گیا اور اس سے درخواست کی کہ وہ اس سے تنہائی میں کچھ کتا چاہتا ہے۔ جب دوسرے لوگ وہاں سے چلے گئے تو سابق وزیر نے یہی بہتر سمجھا کہ وہ مقامی ایجنٹ سے محلی انگ لے۔ اس نے اس نے اپنی نگاہی اتار کر اس کے قدموں پر رکھ دی، قدرت کے یہ عجیب اتفاقات ہیں کہ یہ اس شخص سے محلی کا خواست گار تھا کہ جس کی وہ کچھ مینے پہلے سے عزتی کرتا تھا۔ نگاہی رکھنے کے بعد اس نے بڑی عاجزی سے کہا کہ "میں نے اپنے آقا کی چند سال تک وفاداری کے ساتھ خدمت کی، اور اسے قرض کی مصیبتوں سے نجات دلائی۔ اس کے تمام محظوظات کو اس کی مرضی کے مطابق چلایا اور ایک مرتبہ سے لہذا میرا ذکر اس عہد و کتابت میں ہے کہ وہ نواب صاحب اور برطانوی حکومت میں ہوئی۔ میری اس وفاداری اور اخلاص گزارگی کے نتیجے میں میں نے دولت و جائیداد حاصل کی۔ لیکن اب ماضیوں کی وجہ سے میں اپنے آقا کے دربار میں شک و شبہ کی نظر سے دیکھا جا رہا ہوں۔ وہ میرے خلاف گتہ جو کر کے میری جانی کے پیچھے ہیں۔ مجھے اس کا کوئی ذرہ نہیں کہ مجھ سے رہیں پیسے کا مناسب کتاب یا چلے کیونکہ میں نے جو بھی اخراجات کیے ہیں وہ نواب صاحب سے پوچھ کر کئے ہیں اور کفایت پر ان کے دخل میں ہیں۔ اس لئے اس لئے میں آپ سے محلی کا خواست گار ہوں کہ جو آپ اور آپ کے مرحوم بھائی اور میرے درمیان بلاوجہ پیدا ہوئی۔ میں قسم کھا کر یہ اصرار کرتا ہوں کہ اس غلطی کی پوری پوری عطا کیوں گے۔" یہ کہہ کر وہ اس کے سامنے ہٹک گیا۔ مقامی ایجنٹ یہ سب کچھ بڑے غور سے سنا، پھر اپنے مہمان کا ہاتھ پکڑ کر ٹھٹھا اور اپنے برابر بیٹھا، اس نے اسے پوری طرح سے اطمینان دلا دیا ایسے ہی جیسے کہ ایک سیاستدان ملٹی زبان استعمال کرے کرتا ہے اور اس نے کہا کہ اسے اس بارے میں کچھ بہت نہیں کہ اس کے اور اس کے مرحوم بھائی کے درمیان کیا ہوا تھا اور وہ بڑی خوشی سے اس

کو محظوظ کرنے پر تیار ہے۔

دوسری صبح مجھے اور میری والدہ کو کہا گیا ہم مقامی ایجنٹ کے پاس جا کر اس سے ہدایات لیں۔ جب ہم اس کے ہاں پہنچے تو اس نے ان تمام لوگوں کو جو وہاں موجود تھے وہاں سے ہٹا دیا تاکہ ہم سے تنہائی میں بات کر سکیں۔ اس کے بعد اس نے کوئی پھول انگریزی میں مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ "نواب ایک ناخوش آدمی ہے" میں نے اس کے ساتھ جھٹک مریخی کا سلوک کیا، اور اس کی بحث سے قلیوں پر پردہ ڈالا۔ لیکن اس نے عیشہ نیچے درازیں کیسے لوگوں کا ساتھ دیا، جس کی ایک مثال یہ نصیحت ہے جو آپ کے قریب سونے کا ہار پہنے بیٹھا ہے۔ اس کا مطلب وزیر کی طرف تھا کہ جس کو انگریزی کا ایک لفظ بھی نہیں آتا تھا، میں نے اسے انگریزی میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ چونکہ میں نواب کا نیا ملازم ہوں اس لئے مجھے اس کی عادات و اطوار کے بارے میں کچھ دانا علم نہیں ہے۔ لیکن میں ایک بات ضرور جانتا ہوں اور وہ یہ کہ جو نیک کام کرے گا اسے نیک نہ ایک دن اس کا صلہ ضرور ملے گا۔ اس کے بعد اس نے مذہب طریقت سے وزیر سے یہود متلی میں کہا: کہ نواب سے کہئے کہ اس کے خائف نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں، میں نے اس سے کہا کہ وہ نواب صاحب کی خدمت حاضر ہو کر مقامی کا خواستگار ہو۔ اب یہ ان کی مرضی ہے کہ جو چاہیں اس کے ساتھ سلوک کریں لیکن میری خواہش ہے کہ اس کے ساتھ برا سلوک نہیں کیا جائے۔ اس کے بعد وہ مڑا اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ "مسٹر صرف یہ ہے کہ ہمیں اس سے حسب کتاب لیا ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس نے اخراجات ٹھیک ٹھیک کرتے ہیں یا نہیں۔ اس کے بعد ہم نے اس سے مختلف موضوعات پر بات چیت کی اور پھر رخصت ہو کر محل میں آئے کہ جہاں نواب کو اپنے مشن کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔

جس وقت کے یہ محادثات ہو رہے تھے، میں ایک صدمہ سے دوچار ہوا وہ یہ کہ میرا لڑکا دو سال کی عمر میں مجھے داغ برداشت دے گیا۔ الٹوس ہے کہ اس قریب پہنچے نے اس قسمی میں بخار اور کھانسی کی تکلیف کو برداشت کیا۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ یہ سب اس کے باخ مروی طرح برداشت کیا۔ اس سے میری شہر کے ساتھ دو اپنی مگر الٹوس کہ اس کا اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اگرچہ ہم کے شہر نے میرے دل کو چھید دیا، مگر میرے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ میں صبر کروں، کیونکہ وہ کچھ ہوا یہ صبر خدا کے حکم سے ہوا اور اس کے حکم میں دخل دینا بددعا کا حق نہیں۔

اس صدمہ کے بعد دس دن تک میں اکیلا رہا۔ اس کے بعد مجھے حکم دیا گیا کہ میں وہ

آویں کو ساتھ لے کر باتوں اور سابق وزیر سے حساب کتاب لوں۔ مجھے کہا گیا تھا کہ میں اس کے ساتھ جتنی ضرورت کروں مگر یہ تیزی نہیں اور یہ کہ میں کسی نہ کسی طرح اس شخص کو بد عنوانی میں غوث کر دوں۔ جب میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کے پاس گیا تو وہ بیٹھا ہوا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے دس دن تک اس سے حساب کتاب کے مسئلہ میں سوالات پوچھے اور اس نے ہر سوال کا جتنی جتنی جواب دیا۔ اس نے جو بھی خرچ کیا تھا اس کی رسید پر جواب کے دخل مولا دے۔ کبھی کبھی معذور وزیر نے بھی اس جھگڑ میں حصہ لیا۔ ہم نے ان باتوں کے رجسٹروں سے بھی اس رقم کا مقابلہ کیا کہ جو انہیں دی گئیں تھیں، لیکن اس میں بھی کسی قسم کی بد عنوانی نہیں پائی گئی۔ اس پر میں نے وزیر سے کہا کہ جس تک بد عنوانی کا تعلق ہے، تو یہ شخص اس میں غوث نہیں ہے۔ اگر وہ اسے کسی نہ کسی طریقہ سے سزا دے گا تو پتا ہے تو بہتر یہ ہے کہ وہ اور کوئی دوسری ترکیب آزما لے۔ اس پر اس نے مجھ سے کہا کہ "کیا تم رینٹ میں کوئی مدد نہیں کر سکتے؟"

اس پر میں نے اسے جواب دیا کہ میرے لئے میرا غیر جواب صاحب کی ملازمت سے زیادہ قیمتی ہے۔ میں اس قسم کا خلافت عمل کسی صورت میں کرے پر تیار نہیں۔ "مثلاً"۔ "کیوں؟" اس نے جواب دیتے ہوئے کہا "کیا تم اپنے آکا کے دواؤں میں ہو؟" اور کیا ان کی خاطر تم یہ سب کچھ کرنے پر تیار نہیں ہو؟" میں نے جواب میں کہا کہ "مجھ سے یہ توقع مت رکھو کہ میں اپنے غیر کے خلاف کچھ کر دوں۔"

اس موقع پر ہمارے دو مہمان چند تلخ جملوں کا چلوہ ہو۔ اس کے بعد سے جواب صاحب کا رویہ میری جانب سے متاثر ہو گیا "اگر میرے نزدیک اس کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ اس دوران جب میں تفتیش کے لئے گیا تو اس وقت میری تعجب کی انتہا نہیں رہی کہ جب میرے ہاتھ مولی رام نے میری ہاتھ نکلتا شروع کر دی اور میرے بجائے اس نے سابق وزیر سے بڑے وعید و بد تیزی سے سوالات پوچھنا شروع کر دیے۔ اس سے "ادب" اس سے جھگڑا شروع کر دیا۔ پہلی تک کہ اس کی گفتگو میں گھٹیں ہیں۔ "تو کیا؟" "ریٹ"۔ "ب" صاحب کے دستوں کو اصل نہیں آتا ہے" اس کا خیال ہے کہ یہ دخل اس وقت لئے گئے کہ جس وقت جواب صاحب کا تو شر میں تھے یا خیر کی حالت میں۔ میرے چہرے نے جس انداز میں تفتیش کی اسے جواب اور وزیر نے بہت سراہا۔ اس وقت مجھے انداز ہوا کہ جواب نے مجھے ایک ایسے کام کے لئے استعمال کرنا چاہا تھا کہ جس کا میں

اللہ نہ تبت

ہو دیکھ کر میں نے وزیر سے کہا اس تفتیش میں میرا حصہ لانا بیکار ہے کیونکہ مولی رام اس کام کو مجھ سے بہتر طریقہ سے سرانجام دے رہا ہے۔ میں اس سے بھی بے خبر نہیں ہوں کہ کچھ کچھ دلوں سے جواب صاحب کا رویہ میری طرف سے بدل گیا ہے اور آپ خود اسی لب اکڑے اکڑے دہنے لگے ہیں۔ لہذا اگر یہ اسی طرح سے رہا تو میں گلے ہفتہ استغنی دے دوں گا۔

میری گفتگو کو اس نے بڑی خاموشی سے سنا اور اس پر اسے عرصہ میں کچھ نہیں بولا۔ بعد میں مجھے پتا گیا کہ میرے رخصت ہونے کے بعد وہ فوراً جواب صاحب سے ملا اور انہیں پوری صورت حال سے آگاہ کیا۔ جواب نے اسے پراہٹ کی کہ وہ مقامی ایجنٹ سے ملے۔ جب میں نے دیکھا کہ ایک ہفتہ تک صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تو میں سات بجے دس دن کی ملازمت کے بعد جواب صاحب کو اپنا استغنی بھیج دیا۔ پھر میں سیدھا برائش ایجنٹ کے پاس گیا جس کو اس معاملہ کی پوری تفصیلات تھیں اور کہا کہ اب استغنی کے بعد میں دوبارہ سے برطانوی دواؤں ہو گیا ہوں۔ سٹرکس ڈین نے اس پر کہا کہ جواب صاحب کی ملازمت کو اس طرح سے چھوڑ دینا غلطی ہے۔ کیونکہ جواب کے تمام مصائب انتہائی بد عنوانی اور غلطی ہیں اور یہ یقیناً اسے چاہو ہو کر دیں گے۔

میں نے سے جواب دیا کہ میں اس سلسلہ میں جواب کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا اور میں نہیں چاہتا کہ بلاوجہ میں اپنی اور اپنے خاندان کی زندگی خطرے میں ڈالوں۔ یہ کہہ کر میں اس سے رخصت ہوا اور کچھ آکر مقامی ایجنٹ سے ملنے چلا گیا اور مجھ سے بڑی گرجہ شہی سے ملا۔ اس نے کہا کہ وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتا ہے کہ میں کیوں گرجہ ایجنٹ سے ملا۔ اور یہ اچھا ہوا کہ میں نے جواب کی ملازمت سے استغنی دے دیا۔ یہ پورے شخص اس نے کہا "کچھ" "کیونکہ اور بد تیز لوگوں کی سرپرستی کر رہا ہے اور قابل و اصلاحیت لوگوں کو بچنے سے دور کر رہا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ اس طرح سے وہ مجھے اکٹا رہا ہے کہ میں جواب کے خلاف ہوں مگر میں نے اس کو بڑا حسد اور غم جو جواب دیا کہ ملازمت اور زندگی دونوں خطرہ سے پر ہوئی ہیں" "ان میں سے کسی کے بارے میں پتہ نہیں چلتا ہے کہ ان کی قسمت میں کیا ہے۔ اس لئے میں نہیں کہہ سکتا کہ میں نے استغنی دے کر صحیح کیا یا غلط۔ یہ کہہ کر میں اس سے رخصت ہوا اور سیدھا گھر چلا آیا۔

میرے استغنیٰ کے بعد نواب صاحب نے مجھے کئی پیشکشیں کیجے اور درخواست کی کہ میں اپنا استغنیٰ واپس لے لوں۔ اس نے کچھ عرصہ ان ملازمین کو میرے گھر رہنے دیا کہ جو ملازمت کے دوران مجھے ملے تھے، مگر جب اس نے دیکھا کہ میں اپنا فیصلہ بدلتے پر تیار نہیں ہوں تو مجھ پر ان ملازمین کو واپس بلا لیا گیا، اسی دوران میں نے وہاں سے انگریزوں کو پڑھانے کا اپنا پیشہ اختیار کر لیا۔ اور مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ اس پیشہ میں میں نواب کی ملازمت کے مقابلہ میں زیادہ خوش رہا۔

نواب باب

نواب کی ملازمت سے میں نے فوری میں استغنیٰ کا حال۔ ابھی مجھے اپنے شاکریوں کو پڑھانے ہوئے شادمانہ حال میں تھے کہ صورت طبع کے کلر مسٹر ویرٹ کی معرفت مجھے کالہیا واڑ کے پرنسپل ایجنٹ سے آرٹھن کا دعوت نامہ ملا۔ اہل ان کی دعوت پر میں راجپوت روانہ ہو گیا اور مارچ کے مہینہ میں پرنسپل ایجنٹ سے ملا۔ راجپوت میں قمریہ دن رہنے کے بعد مجھے ہمایہ واڑ کے صاحب میں ایک سو روپیہ ماہوار تنخواہ پر سرٹیفکیٹ دیا گیا۔ لیکن ہوا ہے کہ مجھے اپنے عہدے کا حارج لینے ہی نہیں دیا گیا اور اس کے بجائے مجھے پرنسپل ایجنٹ کے آفس میں چھ مقامی عہدیداروں کی پڑھانوں کی تحقیق پر لگا دیا گیا۔ یہ لازم تاہم برہمن تھے۔ انہوں نے اپنے مقدمہ اس قدر عہدگی سے لڑا کہ مدار لازم ان کے بجائے ان لوگوں پر آ گیا کہ جنہوں نے انہیں بدعتوں میں ملوث کرنے کی کوشش کی تھی۔ کالہیا واڑ کی صورت حال مجھے اپنے لائق نظر نہیں آئی۔ اس لئے میں موقع کی تلاش میں رہا کہ کب اس سے چھٹکارا پاؤں۔

میں اس پریشانی میں تھا کہ مجھے یہ خوش خبری ملی کہ میرا عزیز ۳۴ کپٹن ایسٹ وک انگلستان سے واپس آ گیا ہے۔ اتفاق سے اس کی رجمنٹ اس وقت بمبئی پر تھی۔ اس لئے جیسے ہی وہ آیا مجھے یہ موقع مل گیا کہ اس سے ملاقات کروں۔ اس سے ملنے پر میں نے اسے اسی طرح سے ملازمت و سواں پایا۔

وہ چند ہفتہ اپنی رجمنٹ کے ساتھ بمبئی میں اس کی خدمات کو سرانجام دینے کے بعد کدی لنگر۔ جہاں سے اسے حکم ملا کہ وہ خدمت میں جا کر سرچنگ پر عہدگی کی حالت میں بطور اسٹنٹ ریٹائرمنٹ کام کر لے۔ جہاں تک یہ فکر کے بارے میں میری معلومات ہیں وہ انتہائی بھروسہ رکھتی ہیں، یہ کہنا مناسب ہوگا کہ ملہان کی طرح دافن منہ نور سکندر کی طرح ہم ہو ہیں۔

میں نے جب مسٹر ایسٹ وک کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا تو اپنا استغنیٰ مسٹر اسکن کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس کی جانب سے مجھے یہ مندرجہ ذیل سرٹیفکیٹ ملا گیا

اس پوٹیکل ایجنٹ رابنکوش کالہیا واہ۔

یکم جولائی 1838ء

اس کی تصدیق کی جاتی ہے کہ میں مفتی مظہر اللہ کو کئی سال سے جانتا ہوں۔ 1936ء کی اجراء سے لے کر اب تک اس نے آئین ایلٹ کپٹی کی ملازمت کرتے ہوئے مختلف فرانکس سرانجام دیے۔ ان میں خصوصیت سے مشرقی زبانوں کے حرم کی حیثیت سے اس کی خدمات قابلِ فخر ہیں۔

اس کو ہندوستانی 'فارسی' مرثی اور کمرالی زبانوں پر عبور ہے۔ اس کے علاوہ یہ انگریزی زبان کی گرامر، ضرب لاشاہ اور اس کی خوبوں سے بخوبی واقف ہے۔ میری مصروفیت کی بنا پر انگریزی زبان کی یہ صلاحیت اب تک کسی ہندوستانی نے حاصل نہیں کی ہے۔ مشرقی زبانوں کی تعلیم کے مسئلہ میں اس نے جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ قابلِ فخر ہیں۔ یہ پورے عادات و عیلتوں سے بخوبی واقف ہے اور ساتھ ہی میں مقامی لوگوں کی پسند کی سے نفرت کرتا ہے۔ اس لئے یہ برطانوی حکومت کے لئے انتہائی اہم شخصیت ہے۔

میں اس کی تصدیق کرتا ہوں کہ یہ ایماندار، سچا اور قابلِ فخر ہے۔ میں چاہتی کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان خوبوں کے کسی مشرقی شخص سے میں کچھ تک نہیں پاؤں۔ یہ سند میں مفتی مظہر اللہ کو اس کے کردار، اخلاق اور محنت و ایماندار کی کوہ نظر رکھتے ہوئے دے رہا ہوں۔ کیونکہ ان خوبیوں کا میں ذی طور پر گواہ ہوں۔

جیمس ارسکین (درست)

پوٹیکل ایجنٹ کالہیا واہ۔

بعد 23 نومبر کو میں پوٹیکل ایجنٹ کے اہل میں گیا تاکہ دوستوں سے رخصت ہو سکوں۔ وہاں کے تمام لوگوں نے میرے جانے پر بے انتہا افسوس کا اظہار کیا۔ ہم نے ایک دو گھر سے جدا ہونے پر آئو ہمارے میرے آفس کے تمام دوستوں نے مل کر چندہ جمع کیا اور رخصت ہوتے وقت بطور یادگار مجھے غلت دیا۔ مسٹر ارسکین نے اپنی جانب سے ایک کشمیری شال بطور تحفہ دی۔ ڈاکٹر گراہم نے دو اوقوں کا ایک صندوق دیا۔

جب تحفہ تحائف سے بڑا ہوا اور دوستوں کی دعاؤں کے ساتھ میں گھر آیا اہل و عیال کی طرف تو میں اس بات پر خوش تھا کہ میرے سامنے لے مراجع ہیں۔ مگر دوسری طرف میں اپنے دوستوں کی ہدایت سے غم نہ بھی تھا کہ جن کے ساتھ میں عین سال کا طویل عرصہ گزار تھا۔

میں گھر گیا تو میں نے دیکھا کہ پر خوش مگر ہی کہ اس باہم سے رابنکوش میں ایک فرم تھی۔ وہ میرا انتظار کر رہا ہے۔ جب میں نے اس کے آنے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ وہ اور اس کا خاندان کہ جس کی تعداد بیسٹھ کے قریب ہے۔ وہ سب میرے احسان مند ہیں کیونکہ میں نے ان کی دس ہزار کی ملکیت کو واپس دیا جو کہ ڈاکوؤں کا ایک گروہ نے یہ تھا اور جنہوں نے ان کے خاندان کے عین آدمیوں کو قتل کر ڈالا تھا۔ انہیں میرے جانے کا انتہائی افسوس ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ وہ مجھے بغیر تحفہ کے قبول کئے جائے میں وہیں تک یہ کہہ کر اس نے اپنے قہقارے سے دو سو روپیہ نکالے اور مجھ سے عاجزانہ طور پر درخواست کی کہ میں انہیں قبول کر لوں۔

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا کہ وہ مجھے ہارسے میں ایسے خیالات رکھتا ہے، مگر یہ کہ مجھے اس کے الفاظ سکوں سے زیادہ عزیز ہیں۔ یہ کہہ کر میں نے اسے جانے کی رخصت دے دی۔ میرا خیال ہے کہ اس نے یہ سوچا ہو گا کہ تحفہ میں دی جانے والی رقم کم تھی اور شاید اس لئے میں نے اسے لپٹے سے انکار کر دیا۔ لہذا آئو کہتے ہیں وہ دوبارہ واپس آیا اور اس مرتبہ پانچ سو روپیہ کی مالیت کا ایک سونے کا ہار لایا اور مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے ضرور قبول کر لوں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچاؤں۔ اس نے میں نے اس سے وہ ہار لیا اور اس سے پوچھا کہ کیا وہ سب مطمئن ہے کہ میں نے اس کا تحفہ قبول کر لیا ہے۔ اس نے اس سوال کا جواب انہیت میں دیا اور جانے لگا۔ اس وقت میں نے وہ ہار اس کے گلے میں ڈال دیا اور اس سے درخواست کی کہ وہ اسے میری طرف سے بطور تحفہ قبول کر لے۔ اس پر بڑے آدمی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگا کہ وہ اس صورتحال سے بے یار و مددگار ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں اس سے عطیاتی قبول کرنے پر تیار ہوں تاکہ تم بھی خوش ہو جاؤ اور میں یہی سے عہدہ جانتے ہوئے راست میں نہیں بڑھتا ہوں۔

نوٹ: مجھ سے عین اسی طرح ملاقات کرنے آئے۔ یہ ایک بڑی عیال اور اس کی دو بیٹیاں تھیں۔ ان میں سے بڑی لڑکی تو اپنی رشتہ کو چکی تھی مگر چھوٹی ران کہ جس کا نام سارا تھا انتہائی خوبصورت تھی۔ اگرچہ اس کی رشتہ تو گندی تھی مگر اس کا ناک، لبت اس قدر دلکش تھا کہ محسوس ہوتا تھا کہ قدرت اسے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ ان بیٹیوں کی حالت انتہائی غریب تھی۔ انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ وہ جو لڑکیاں میرے ساتھ جانا چاہتی ہیں۔ میں نے نہ صرف ان کی درخواست قبول کر لی بلکہ اپنے ملازمین کو حکم دیا

کہ ان کا سہارا بیرونی طاقتوں میں رکھ دیں۔ میری اس مصلحت پر انہوں نے شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد یوڈی فائنل نے اس طرح سے اپنی کمانڈر سٹی

”ہم سلطان کا شکار ہیں کہ جن کا تعلق زمین برادری سے ہے جو کہ بھون میں آباد ہے۔ میرا شوہر اس علاقہ کے بازار کسانوں میں سے تھا۔ ہماری شادی کے بعد یہ وہ لڑکیاں پیدا ہو گئیں۔ ہمارے کوئی لڑکا نہیں ہوا۔ میری چھوٹی لڑکی کی عمر جس وقت وہ سال کی تھی کہ میرا شوہر وفات پا گیا۔ اس کی وفات پر حکومت نے اس کی تمام جائیداد پر قبضہ کر لیا اور یہاں پر کیا کہ وہ حکومت کا مقروض تھا۔ میرے شوہر کی وفات کے کچھ مہینے بعد ہی میرا داماد بھی انتقال کر گیا اور اس طرح سے ہم اکیلے و تنہا رہ گئے۔ ہمارے پاس کوئی جائیداد نہ تھی اور نہ گزارے کے لئے کوئی مددگار تھا۔ اس حالت میں کچھ عرصہ ہم نے دوسروں کے کھنڈوں میں کام کر کے بسر اوقات کی۔ اس عرصہ میں میری بڑی لڑکی کو ایک انگریز نے ورغلا دیا اور اسے بھاگ کر لے گیا جس کی وجہ سے ہماری حالت پچھلے سے بھی زیادہ خراب ہو گئی۔ ہمیں ایک عرصہ تک اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلا۔ مگر پچھلے دنوں ہی اس نے ہمیں خبر لکھا اور بتایا کہ اس کا محبوب اچانک بڑھ کی بیماری سے انتقال کر گیا اور اس کے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑا کہ جس پر وہ گزر اوقات کر سکے۔ اس کے پاس صرف تین یا چار سو روپے قیمت کے زیورات تھے جس کو فروخت کر کے ۸۰ روپے لے کر کچھ دن گزارے۔ اب بھی ہمارے پاس یہ چھوڑی سی رقم باقی ہے۔ اور ہم چاہتے ہیں اس کو کہیں ذرا راحت میں لگائیں تاکہ دوزی کا بدبخت نہ ہو سکے۔

چھوٹی لڑکی سارا کی قسمت دوسری سے بھی زیادہ خراب ہے۔ میں اس کی شادی دارا گرا کے ایک فرعون مالی سے کر دی تھی۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ تقریباً دو سال رہی ہوئی کہ اس کی بھی وفات ہو گئی۔ اس کے بعد وہ کچھ عرصہ اپنی والدہ کے پاس رہی جس نے اسے اس لئے منحوس سمجھا کہ اس کا شوہر شادی کے بعد انتقال کر گیا۔ اس کی والدہ نے اس کے ساتھ انتہائی برا سلوک کیا۔ یہاں تک کہ اسے خفیہ طور پر لڑکی کے ایک بوڑھے مالی کے ہاتھوں بیچ دیا۔ جب مجھے اس بارے میں پتہ چلا تو میں اس تک گئی اور اس کو خفیہ طور پر پیغام بھجوایا کہ وہ بھاگ کر میرے پاس آجائے۔ اگلی چھ ہفتے ہوئے ہوں گے کہ یہ میرے پاس آئی ہے۔ وہ مالی کہ اس کا غیر قانونی طور پر مالک بنا ہوا ہے وہ بھی اپنے چھ غلوں کے ساتھ یہاں ہے اور مروج کی تلاش میں ہے کہ اسے زہدوں اپنے ساتھ لے جائے۔ اس لئے جب ہم نے یہ سنا کہ آپ جوڑو بھر جا رہے ہیں۔ تو ہم نے

آپ کی حفاظت میں کہنے کا سوچا تاکہ وہاں تک بغیر کسی اور خوف کے سفر کر سکیں۔ ہم اپنی اپنی فرصت میں اپنے وطن واپس چلے جائیں گے اور آپ کی اس حفاظت کے عوض بیشک آپ کے لئے دعا کریں گے۔“

جب وہ اپنی دیکھ بھری کمانڈر سٹی چلی گئیں تو میں نے اس سے کہا کہ اب وہ اور اس کی دونوں لڑکیاں خود کو میری حفاظت میں سمجھیں کیونکہ میں ایک برطانوی رہنما ہوں اس لئے ان کو پھیلنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوگی۔ انہیں حفاظت کے ساتھ نہ صرف چھوڑا جائیگا بلکہ جائے گا (مگر وہاں بھی مقامی ریاستوں کی جوڑوؤں کی سازش میں وہ شاید محفوظ نہ ہوں) بلکہ ان کو وطن تک لے جایا جائے گا اور اس کے کوئی اغراضات نہیں لئے جائیں گے۔

ان لوگوں نے یہ سنی کر دل سے میرا شکریہ ادا کیا اور صبح صبح وہ میرے ساتھ سفر پر روانہ ہو گئیں۔

24 نومبر 1837ء میں نے راجپوت چھوڑا اور نوپے کے قریب میں پر دھاری پہنچ گیا کہ جو گیارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں پر میرا استقبال دیپندر کے گھوڑوں نے کیا۔ پر دھاری اگرچہ چھوٹا سا قصبہ ہے مگر یہ ان گیارہ گھوڑوں سے تسلی رکھتا ہے جو جام نوگر کی ملکیت میں سے ہے۔

یہاں لڑکے جام اگرچہ ان پڑے سے مگر ایک حلیہ صالح فزاوا ہے۔ اس کا نام ”نوتل“ ہے۔ ”نوتل“ میں ”میدان جنگ کا سر“ ہے۔ یہ خطاب اس کے گوارے سے مل کر کاتا ہے۔ جب میں پوشیلک ایجنٹ کے ہاں کام کرتا تھا تو کئی بار جام سے ملاقات ہوئی تھی اور اس سے برطانوی سرحدوں کے تعین اور اس علاقہ میں بچوں و مار ڈالنے کے مضامینات پر گفتگو رہی تھی۔ میں عیشہ اس کے انداز، سوچ اور عقائد اور گفتگو سے متاثر تھا۔ اگرچہ وہ جاریہ قبیلہ سے تھا مگر اس نے اپنی لڑکی کو ادا نہیں تھا بلکہ اس کی پرورش کر رہا تھا۔

25 مارچ کو میں پر دھاری سے روانہ ہو کر دھرا ل پہنچا جو کہ جاریہ قبیلہ کے بھوت سنگھ جی کی ملکیت میں تھا۔ یہاں پر بھی میرا استقبال گرم جوش سے ہوا۔ قبیلہ کا سردار بڑا ذات خود بخود سے بننے کے لئے شہر سے باہر میرے کیمپ میں آیا۔ اس کے ساتھ اس کا ہونہار لڑکا چھ سال کی عمر میں تھا۔ اس کا ایک سہارا جو امرن کا چیل تھا اور دوسرے لوگ تھے وہ میرے ساتھ نہیں تھے مگر اس دور میں اس نے دوسرے کے ساتھ ہونے والی جنگ کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کی۔ جب میں نے اسے روٹی اسپاٹنگ کے بارے میں بتایا تو یہ اس نے بھی تھوڑی کے ساتھ ساتھ میں نے کو خوش کی کہ میں اسے دی دسم و دوج

اور ان کی عادتوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ بتا سکوں۔

26 تاریخ کی صبح کو میں دھول بھوڑا۔ یہ ایک کمر آلود صبح تھی۔ ساڑھے آٹھ بجے ہم جوڑیا پہنچ گئے جو کہ ایک بڑا اور ابلو شر ہے۔ یہاں پر میرا استقبال اس قدر شاندار طریقہ سے ہوا کہ جس کی توقع میں کالہیا واڑ میں نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں کے گورنر اچھے خاصے نے کمال مہمانی سے میرے استقبال کے لئے بچے خاص آدمی بھیجے۔ وہ مجھے ایک آرام دہ جگہ لے گئے کہ جہاں میں نے رہائش اختیار کی۔ یہاں پر میرے اور میرے ساتھیوں کے لئے لڑکے پانچ تیار کیا گیا۔ اس کے لئے میں نے فوراً سب لے ل کر اپنے میزبان کا شکریہ ادا کیا۔ اگرچہ اس کا خطاب خواص ہے۔ جس کا کالہیا واڑ میں مطلب عام ہے۔ اگر وہ حقیقت وہ خزانوں اور آقاؤں سے زیادہ عمدہ عطاوات رکھتا ہے۔

27 تاریخ کو میں نے ہمیں قیام کیا کہ مجھے اپنے دوستوں اور گھر والوں کو خطوط لکھنے تھے۔ یہ میرے سفر کی آخری اسٹیج تھی اور یہاں سے میرے خطوط کے کم ہونے کا کوئی خدشہ نہیں تھا۔ میں نے اپنے سیکواؤں کے گھڑسواروں کو جو یہاں تک میری حفاظت کے لئے آئے تھے واپس کر دیا۔ اس کے بعد میں بندرگاہ پر گیا کہ جو یہاں سے دہلی کے فاصلہ پر تھی۔ میں چاہتا تھا کہ میں سندھ کے سفر کے لئے مناسب کشتی کا بندوبست کروں۔ بندرگاہ کی حالت انتہائی خراب تھی۔ یہاں پر میں نے ایک کشتی کا انتخاب کیا جو کہ میرے لئے مناسب تھی۔

چھ بجے میں نے گورنر کے ساتھ کھانا کھایا۔ میرے بے فکر میزبان نے کھانے سے ایک گھنٹہ پہلے برائمنی سے شوق شروع کر دیا تھا۔ اس نے مجھے بھی اس عمل میں شریک ہونے کو کہا مگر میں نے اس کے ساتھ معذرت کر لی۔ شراب پینے کی وجہ سے وہ ذرا تک صبر کی حالت میں آچکا تھا۔ ہماری شام بڑے مزے سے گزری۔ کھانے کے بعد میں نے مجھے دو شاندار عطاوات دکھائے کہ اس کی حکومت کی ملکیت تھے۔ اگرچہ ان میں اچھا فرنیچر تو نہیں تھا مگر ان کا طرز تعمیر بہت خوبصورت تھا۔ میرے رخصت ہونے پر اس نے مجھے اپنے 500 کی جانب سے تحفہ دیا کہ جس میں ایک خوبصورت دھال اور بگڑی تھی۔ جس کی قیمت اندازاً سو روپیہ ہوگی۔ میں نے اس تحفہ کو قبول کرنے سے انکار کیا لیکن اس نے شدید اصرار کر کے مجبور کیا کہ میں اسے قبول کروں۔ اس نے کہا کہ میرے آنے سے پہلے دن قبل بنوائی گئی تھی کہ یہ تم کو تھا کہ میں یہ تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کروں اگر آپ نے انکار کیا تو اس سے بنوائی گئی ہوا تحفہ ہو جائے گا۔ مگر یہ کہ میں لاؤں گے محض کے

دیاؤں میں اس قدر کیا کہ اس تحفہ کو قبول کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہا۔
یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ چاہنے کا بڑا شوقین ہے میں نے اس کو اپنی ہائے کا آدھا حصہ ایک مقامی طور پر بنی ہوئی گولڈ کے دین کہ جس کی اس نے شریف کی تھی اور جس کی اس نے مجھے اس لئے ضرورت نہ تھی کہ میں نے گولڈ فروخت کر دیا تھا۔ یہ اس کو بہت خوش دے دیں۔

28 تاریخ کو گیارہ بجے میں ہوٹو سے بندرگاہ کے لئے روانہ ہوا۔ گورنر مجھے رخصت کرنے کے لئے میرے ساتھ آیا تاکہ وہ اطمینان کر سکے کہ میں سہ ماہی کے حفاظت سے کشتی پر سوار ہوا ہوں۔ وہاں میری ملاقات ایک عربی پادری سے ہوئی جو کہ ہونو سے آیا تھا۔ اس سے رابنکوٹ کے سفر کے بارے میں بات چیت ہوئی۔ میرے لوگوں نے کہا کہ ایک مسافر کے لئے سفر کے شہدے میں کسی پادری کو دیکھنا ایک فحش نہیں ہے اور میرے معاملہ میں ہوا بھی تھی۔ جس کشتی میں میرا سامان تھا وہ سمندر میں چڑھاؤ کی وجہ سے سب کے ساتھ ساحل سے دور چلی گئی۔ اس کی واپسی کے لئے ہمیں رات کو کچھ تک انتظار کرنا پڑا۔ اس دوران میں نے اپنے دوست گورنر کو رخصت کیا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ میرے ساتھ اس پریشانی میں مزید شریک ہو۔ رخصت کے وقت ہم نے ایک دوسرے کے لئے ایک فنڈوں کا اعلان کیا۔ ہمارے میں رات کو کشتی پر سوار ہوا اور چابوٹا انیم کھانے والوں اور بچوں کو مار ڈالنے والوں کی زمین سے رخصت ہوا کہ جس کی دس لاکھ چھ سو ہزار آوازیں میں سے دو سو چھ ایس سردار تھے۔ اس کی مثال ایسی تھی کہ جیسے ایک اسکاٹ لینڈ کے کاشتکار نے کہا تھا

الوداع میرے دوستو الوداع میرے دشمنو!

پہلے والوں سے محبت دوسروں سے اس

جب ہماری کشتی نے ساحل چھوڑا ہے تو رات اور دن خاموشی اور سکون سے گزر گئے۔ ہوا میں تازگی اور تھڑک تھی۔ کشتی بغیر پتنگوں کے دواں دواں تھی۔ اس ماحول نے مجھے ایک نئی توانائی کا احساس دیا۔ میری بھوک بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ کشتی پر کوئی کوشش نہیں تھا اور یہ ہوٹو بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ گورنر اپنے کھانے کے لئے خفیہ طور سے مجھ کو ذبح کرایا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بہت دھواں کے جذبات بھڑک اٹھیں۔

30 تاریخ کو جب صبح میری آنکھ کھلی تو میں سڑاوی کی بندرگاہ پر تھا۔ یہاں پہنچ کر

اٹھ سال پہلے کا سارا مظہر میری آنکھوں میں گھوم گیا۔ وہ تمام باتیں کہ جب پہلی مرتبہ میں نے یہاں کھڑے ہو کر سمندر کی لامحدود وسعت کو دیکھا تھا اور پھر کسی طرح کتے نے خاموشی سے آکر مجھے کاٹ لیا تھا۔ مجھے ایسے لمحوں ہوا کہ یہ سب کچھ جیسے کل ہی ہوا تھا۔ اسی دوران کشتی کا مالک چمکا نام جھٹھا اور جس کا تعلق سیول قبیلہ کا سمندر لہروں سے تھا وہ میرے پاس آیا۔ اس کو دیکھ کر میں نے کہا "مجھ کو خیر تو ہے۔ کیا بات ہے؟" غریب طالع نے کوشش کر کے مذہب القاد میں کچھ کہنے کی کوشش کی۔ اس کے من القاد کا ذہن مشکل سے پانچ ہوگا۔ ہر حال اس نے اپنی دانست میں عاجزی و ادب سے کہا کہ وہ یہاں ہر ایک دن قیام کرتا چاہتا ہے۔ مگر اسے مدد ملے جانے کے لئے کچھ سامان مل جائے۔ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں ساحل پر چلا جاؤں ساتھ ہی میرے ملازموں سے کہا کہ وہ پانچ دن کے لئے کھانے پینے کا سامان خرید لیں۔ خاص طور سے گوشت مگر میں سفر میں اس سے محروم نہیں رہوں۔

میں نے اس ایک آدمی کا اس صوبائی پر شکر ادا کیا اور اس کی درخواست کو قبول کر لیا کہ وہ یہاں ٹھہر جائے اور اس کو اجازت دے دی کہ اگر اسے ضرورت ہو تو میرے ملازموں کی خدمات حاصل کر سکتا ہے۔ ساتھ ہی میں نے انتظام کیا کہ تینوں خواتین کو بھی ساحل تک پہنچا دیا جائے۔ جہاں تک میرے تعلق تھا تو میں خود کشتی پر ہی رہا کیونکہ میری ایزمی میں دم تھا جس کی وجہ سے میں جیل نہیں سکتا تھا۔ کشتی پر میں نے اپنا وقت پڑھنے میں گزارا جبکہ میرے دوسرے ساتھی شہر چلے گئے۔

یکم دسمبر کو آدمی رات ہماری کشتی روانہ ہوئی۔ ہمارے ساتھ میں کئی جہاز بھی چلے گئے جن میں ایک انگلش رجسٹر سوار تھی۔ خدا کی مہربانی سے جن دنوں دسمبر کو ہم نے ایک جہیز جو "گھوڑی کچہ" کے نام سے تھا اس سے گزرے۔ اس دوران انتہائی خطرناک شکارک چھبیاں کہ جو سانپوں میں باقی کے برابر ہوں گی ہماری کشتی کے قریب آئیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ آگہی میں چھبڑ خانی کر رہی ہیں کیونکہ کبھی ایک سیدھی پیٹ جاتی تھی اور دوسری اس کے اوپر سوار ہو جاتی تھی کبھی وہ ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ لگاتی تھیں کبھی ہماری کشتی کے پیچھے سے گزرتی تھیں جس کی وجہ سے وہ ہچکولے کھانے لگتی تھیں یہ دیکھ کر ہمیں سب کو ڈر لگنے لگا اور طبیعت گھبرانے لگی۔ یہ دیکھ کر کشتی کا کپتان ٹرنگ میں آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ: "یہ صحیح ہے کہ یہ جانور کبھی خطرناک ہو جاتے ہیں لیکن ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے" اور سے یہ اتنے ہی بڑھل ہیں کہ جتنا ان کا حجم ہے۔ ہر حال میں اس

کا حل نکال دیا۔

یہ کہہ کر وہ کشتی کے ایک کونے میں آگیا کہ جہاں وہ ٹھہر رہی تھیں۔ اس نے اس طرح سے احتجاج کرنا شروع کر دیا جیسے کہ وہ اس کی بات سمجھتی ہوں۔ "میں سمندر کی شکرانہ ہو" خدا اور اس کے "خیر" حضرت سلیمان کے مدد سے ہمارا کچھا کرنا چھوڑ دو" ہم غریب لوگ ہیں ہماری کشتی میں زیادہ سامان نہیں ہیں اس لئے براہ صوابی دوسرے جہاز کی طرف چلے جائے یہاں انہیں کشتی کے سپاہی بھرے ہوئے ہیں۔" یوں سے جو کہ الفاظ بجائے اس کے کہ ان کو مطمئن کرنے کے واسطے سے زیادہ جوشیل اور پھر تیل ہو گئیں۔ انہوں نے اپنے تنہوں سے پانی کی پھوار ہماری کشتی پر پھینکی شروع کر دی اور اس کے مدد کر دینے کی وجہ کے ساتھ آگہی پھیل گئی شروع کر دی۔ یہ سلسلہ سات بجے سے سوا آٹھ بجے تک جاری رہا۔ ہمارا ایک کپتان اس صورتحال کو دیکھ کر براہ راست ہمیں کر سکا اور جہاز سے ایک ہماری پھر اٹھایا کہ ہر ایک طرف سے لوگ وہ تھا اسے خدا کا نام لے کر پوری قوت ایک شاکر کے سر پر دے مارا کہ جو ان سب میں سب سے زیادہ بڑی تھی اس کی صوب سے اس کے سر پر شدید چوٹ آئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنی ساتھی چھبیاں کے ساتھ پانی کے اندر چلی گئیں وہ دوبارہ سطح آب پر نہیں آئیں۔ اس پر ہم سب نے مدد کا حکم دیا کیا کہ اس نے ہمیں موت کے حو سے بچایا۔ مجھے اس موقع پر انہوں نے بھی ہوا کہ میں اپنی بددلی ساتھ میں کھیل نہیں لایا۔

گھوڑی کچہ اب رات کا دمیر ہو کر رہ گئی ہے۔ آج سے میں سال پہلے یہاں گھوڑی بھر ہوا کرتی تھی جو کہ اب رات کے صبح ہونے کی وجہ سے غائب ہو گئی ہے۔

جب ہم گھوڑی کچہ کے رقبے جڑے کی طرف چلے تو جہانے مجھ سے کہا کہ میں یہاں سمندر کا پانی چکھ کر دیکھوں میری جہاز کی انتہا نہیں رہی کہ جب میں نے پانی پیا تو کشتی کی ایک جانب یہ انتہائی ٹھنڈا تھا جبکہ دوسری جانب انتہائی ٹھنڈا تھا۔ میرے سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ یہاں دوڑنے والے سمندر کی ایک طاقتور پانی کی لہر سمندر کے پانی کے اثر کو لیں گے بغیر جاتی ہے۔ رات کو بچنے کے قریب ہم دوکر پہنچے۔

میں ہم نے دیکھا کہ یہاں برطانوی فوجی اور دو اسٹیر جسے اس کے علاوہ کئی سوتھیں تھیں کہ جن پر برطانوی جہاز ابرا رہا تھا۔ ان میں برطانوی فوجی کورن کا سامان بھرا ہوا تھا جب ہماری کشتی ایک جہاز کے قریب سے گزری کہ جو ریت کے ٹیلے سے ٹکرا گیا تھا تو میں نے اپنے کپتان کو تنبیہ کی کہ وہ ڈرا دور رہتے ہوئے چلے تاکہ ہم اس حادثے سے بچ

کو میراں ہو جانے دو، لیکن ہمیں اس وقت تک اُڑنے کی ضرورت نہیں جب تک کہ ہماری جانب پہنچ کر تاثیر چھ ہے۔ بڑائی اس سحر کرم علی کی ہے، اے اب تک اس کی باری مدد کی ہے اور آنکھ ابھی وہ اس سے گری نہیں کہہ گی اور اس کو اس قدر دیکھ دیکھ دے گی کہ وہ اگر زمین سے مستقل طور پر طویل عرصہ تک جگ کر سکتا ہے۔ اگر خدا کی مرضی شامل ہوگی تو یہ تمام سوا اور جنگ کا سالہ سالانہ یہ سچہ مکر لے کر آئے ہیں، ایک دن یہ ہمارا ہو گا کیا جنس پتہ نہیں کہ قرآن شریف میں کیا آیا ہے؟ ایک حوسن دس کلروں پر بھاری ہے۔"

ایک سندھی نے کہ جس کی داغی سفید ہو چلی تھی، ایک گاہگر کے کاسے میں
دوستوں کی ہمدانی باتیں پس خواب ہیں۔ شاید تم نے یہ سطر نہیں دیکھا کہ سفید برائوں اور
کالے رنگ کے لوگ حشر ہو کر میدان جنگ میں لڑتے ہیں۔ میں جب عیشا کی طرہ میں
تھا تو میں نے یہ خون ریز بتائیں دیکھیں دیکھی ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ کہتے ہوئے
اس نے اپنی آستین کو اٹھا اور ہاند پر رقم کے نشان کو دکھایا جو کہ گولی کی زد سے لایا تھا۔ یہ
کہتے ہوئے اس نے اپنی بات قطع کی۔ مگر حلقہ کھوار کے ذریعہ ہو تو ایک ہمارے شخص وہ
یہ عین لوگوں پر چھوڑا سکتا ہے۔ لیکن ان پتیل شیطانوں کے پاس کوئی کھوار نہیں ہے، اور
اگر ہے تو بھی تو اس قدر کند ہے، جیسا کہ تمہارا بیوہ۔ وہ تمہیں اپنی گولی کے ذریعہ اس وقت
قتل کرتے ہیں کہ جب تم ایک سیل کے قافلہ پر ہوتے ہو۔ تو اب تمہیں یاد آئے کہ اس کا کیا
علاج ہو سکتا ہے؟

عجب میں خیر کے قہر میں اس قسم کی ہمت جھٹ اور جھٹ ہوتی تھی تو میں اس سے کافی عطف ابراز ہو کر تھا۔ کبھی کبھی میں اپنی جگہ سے اٹھ کر چلا اور ان کی گفتگو میں حصہ لینا۔ عقائد میں ان سے اپنی ٹیٹی پھانی شدہ می میں کہا کرتا تھا کہ اگر میرے ان کے منظور حال ملک پر جھڑ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے ہیں تو گنگہ میں پر سوائے پہلے اور گنگا کے اور کچھ پیدا ہی نہیں ہوتا ہے۔ اگر وہ اس پر جھڑ کرنے پر مجبور ہی ہوتے تو یہ ان کے لئے زیادہ مفید نہیں ہوگا کیونکہ ان کے پاس پہلے ہی سے ہندوستان کے ہندو ملاتے ہیں۔ جن پر حکومت کرتا اور ان کا انتظام کرتا ہے کے لئے کافی ہے۔ اس کے علاوہ بیویوں کے گھر دوست ہیں۔ ان کی فوجیں ہندو سے مل کر اس لئے گھر رہی ہیں۔ اگر وہ اپنے ہندوستانی مقبوضات کی حفاظت کر سکیں اور ساتھ ہی چھوٹی حد سے بیویوں کے ملاتے کا رقعہ کر سکیں۔ میری اس ہمت پر وہ سب کے سب دل کر رہے تھے۔ کچھ جو کچھ کہتے ہیں شاید

ہر جگہ "ہم تو غریب لوگ ہیں" اور حکومت کی پالیسیوں کی نگاہ سے کام لیں۔"

میں نے اسپتال امر کے کتبے کے مطابق کراچی کے ایک ہندو تاجر نقول سے دوستی کی جس نے خدوہ میں برطانوی مندات کے لئے بہت اعلیٰ خدمات سر انجام دی تھیں۔ وہ اکثر میرے پاس آتا رہتا تھا اور فوج کی ضرورتوں کو پوری کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ وہ ایک دولت مند شخص تھا کہ جس کا خزانہ بہت بڑا تھا۔ اس میں اس کا پیسہ چھ لاکھ اور عورتیں و بچے شامل تھے۔ زمیں میں اس کا کافی ٹورسٹ تھا۔

19 دسمبر کو عید الفطر کا تہوار تھا۔ یہ مسلمانوں کے لئے خوشی کا تہوار ہے کہ جو رمضان کے بعد آتا ہے۔ چونکہ فرج میں کوئی مسلمان مولوی نہیں تھا اس لئے دوستوں کے اصرار پر میں نے نواز عہد پڑھائی اور خطاب دیا۔ عید کے موقع پر کبھی میں جو مسلمان فوجی اور ملازم تھے انہیں دعائے اور بکڑی بطور تحفہ دی گئیں۔ ان کی قیمت چالیس روپیہ ہوگی جس کی کچھ رقم کپٹن افسروں نے لی جاتی ہے۔

ان دنوں میں اکثر ہمیں شیر عمر کے شبِ فراق کی وجہ سے چوکنے والا ہوتا تھا۔ 20 تاریخ کی رات کو چورے ٹیمپ میں لوگ چڑھیں جبکہ کافیر حضرات داری داری کیسے کاڑھ کرتے رہے۔ میں نے یہ فوٹس کیا کہ اس علاقہ کے مرغ بھی شہادت سے لڑا نہ بھی تھے۔ صبح و شام ہانگ روچے کے علاوہ وہ رات کو درہم بہہ اور نذر سے ہانگ دیا کرتے تھے۔ چند مہینوں اور ایمان میں مرغوں کی بلا وقت کی یہ ہانگ منوں بھی جاتی ہے وہاں اگر کوئی مرغ اپنی حدود سے تھوڑا کر جائے تو اس کی قیمت اسے جان دے کر بیٹھ پڑتی ہے لیکن شہدہ کے لوگ اس معاملہ میں بھی لاپرواہ ہیں۔

یہاں سے میں گھوڑا چاری گاؤں دیکھتے چلا گیا۔ اس کو پڑ گاؤں اس لئے سمجھا جاتا ہے کہ اس میں ایک سو گھوڑاں کی جمودیں ہوں ہیں۔ صوبہ کے اس حصہ میں 'سروی' کے موسم میں دھوا کا پانی کافی کم ہو جاتا ہے۔ اس کا پانی ٹیلا اور برتیل ہے۔

23. مارش کو ہمیں یہ خوش خبری ملی کہ دوسرے دن ہمیں خطبہ کی جانب سفر کرنا ہے۔
خدا ہم نے اپنا مہمان فوج کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ دوسرے دن صبح کو ہم اپنے خیمہ الحاکر
گھوڑوں پر سوار ہوئے والے تھے کہ ریفریٹ منٹ میں میرے آقا کو کسلاوا کہ جلدی الحال وہیں
لحرا رہے کہ جہاں ہے کہ کھڑے نہیں مہمان الحاکم کے لئے اور والوں کی ضرورت ہے۔

24 تاریخ اوطوں کے انتظام میں سکڑ گئی۔ اس رات میں کیمپن ایسٹ وک کے جبر میں سوا۔ رات غلط مہدی خمی میں لے ہمدستان میں رہتے ہوئے اس قدر غصہ مہدی

کیا ہے۔ وہ دھچکے جن پر تاریکیوں میں ہیں۔ ان پر بڑے بڑے حریف میں خلائی کی مکی سے ٹھہرا یہ کہ ہر مکر دیکھنے والے کو حریفوں کی اور خدشہ کا شریک ہے۔
اس شہر کی اینٹیں اور مٹی کے برتن بہت پائیدار ہوتے ہیں۔ ہنر خیال ہے کہ اس کی وجہ یہاں کی مٹی ہے جو کہ ریت اور سفید چٹکی مٹی سے مل کر بنی ہے۔

عام طور سے یہاں کے مکانات ایک حوزہ ہیں۔ انہیں مٹی اور کھنڈ لکڑی سے بنایا گیا ہے۔ ان کی چھتیں سپاٹ و ہموار ہیں۔ دیواروں پر گارے کا پائسٹر کر دیا گیا ہے۔ صوبہ چند دو حوزہ مکانات ہیں کہ جو اینٹوں سے تعمیر ہوئے ہیں جو یہ یہاں کے دولت مند لوگوں کے ہیں۔

بازار میں اتفاق سے میری ملاقات ایک خوبصورت عرب لہجہ ان سے ہوئی جس کا نام سپر محمد تھا جو کہ یہاں عینہ سے آیا تھا۔ اس سے دوستی ہونے کے بعد ایک دن میں اس کے ساتھ شہر کے بڑے عالم جہدوم شیخ عبد اللہ سے ملے۔ ان دنوں حضرات کی شہر میں بنی عزت ہے۔ عرب لہجہ ان کی اس لئے کہ اس کا تعلق اعلیٰ سید خاندان سے ہے اور شیخ کا اس لئے وہ عالم ہے۔ میں نے دیکھا کہ ان حضرات کی صحبت میں گزارے۔ سید محمد شاہ نے تین سال کا عرصہ بغداد اور ایران کی سیاحت میں گزارا۔ اس عرصہ میں اس کا لمس مع ہونا بہت شیعوں میں یہ دستور ہے کہ وہ اپنی جائیداد کا 1/5 اپنے عالم کو دیتے ہیں۔ اس طرح سے اس نے یو یو کی طرح خود کو مالدار بنا لیا۔ اگرچہ عرب دوسری زبانیں سیکھنے کے معاملہ میں تباہ کن ہیں۔ مگر یہ اچھی فارسی بول لیتا ہے۔ میری بیان ایک عالم اور شریف گھرانے سے تعلق رکھنے والا ہے۔ اس کے پاس باؤب کتابوں کی ایک خوبصورت لائبریری ہے جس میں عربی و فارسی کی ہم کتابیں ہیں۔

یکم جنوری 1838ء کو چار پانچ افراد پر مشتمل ایک وفد حیدرآباد سے ہمارے کیمپ میں آیا۔ اس کا استقبال ریڈیٹنٹ کے عہد میں سر جان کین اور گراں پر فخر نے کیا۔ وفد نے اس کے ساتھ دونوں سکوتوں کے تعلقات پر گفتگو کی اور میران خدمہ کی جانب سے جو اعزازات تھے انہیں بھی سامنے لایا گیا۔ اس کے بعد یہ میٹنگ درخواست ہو گئی۔ انہوں نے یہ وعدہ کیا کہ جب برطانوی فوج خدمہ سے گزرتی تو جو کچھ ان کے پاس ہو گا وہ اس کو مینا کریں گے۔

چار نامہ کو میں نے اس فرض سے چھٹی لی کہ مٹی سے پہاڑی کی سرکوں۔ میں صبح جلدی روٹ ہو گیا اور وہاں شام کو چار بجے تک رہا۔ یہ مشہور پہاڑی شخصہ سے ایک میل

کے فاصلہ پر ہے۔ اس کا حجم شہر کے مغربی حصہ سے لے کر شمال تک پھیلا ہوا ہے۔ لمبائی میں یہ آٹھ میل ہے اور چوڑائی میں ایک۔ اس کی اوسط بلندی 55 فٹ ہے۔ کہا جاتا ہے یہ نام ایک گھلی فروش عورت سے منسوب ہے کہ جس کی یہاں پر اچھے دلوں میں دکان تھی۔ اس پہاڑی پر تقریباً پانچ سو گھبراہٹ والے مقبرے اور لاتعداد بغیر ہتھ کے مقبرے ہیں۔ یہ خاصوی کا پرگنہ خسر ہے۔ مجھے صرف اتنا وقت ملا کہ میں چند یادگاروں کو دیکھ سکا جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1- عید گھا: یہ ایک خوبصورت مسجد ہے کہ جہاں مسلمان سال میں دو مرتبہ جمع ہوتے ہیں اور عید کی نماز پڑھتے ہیں۔ یہ مسجد خدمہ کے گورنر یوسف خاں کی تعمیر کروا ہے۔ اس کا کتبہ خوبصورت خطاطی میں لکھا ہوا ہے جو اس طرح ہے۔

یوسف خاں بہادر نے اس عبادت گاہ کی تعمیر اپنی قسمت کی طرح بلند دیا کی ہے۔ اس کے سال تعمیر کی تاریخ 1043ھ ہے۔

2- مرزا جان اور مرزا غازی کے مقبرے۔ سال تعمیر 1083ھ۔

3- طہار کی بٹلی ہوئی بی بی مسجد۔ (1579)

4- مرزا بیٹی اور مرزا حمایت اللہ جو خدمہ کے دو گورنر تھے، ان کے مقبرے۔ یہ پیسہ رنگ کے پتھر سے بنائے ہوئے ہیں۔ ان پر خوبصورت نقاشی ہے۔ چھوٹے پر اکرے ہوئے چھتیاں ہیں۔ ان خوبوں کی وجہ سے یہ عمارت دوسری تمام عمارتوں سے ممتاز ہے۔ کتبہ میں اس کی تعمیر کی تاریخ 1058ھ یعنی 1648ء ہے۔

5- ایک دہلیز کا مقبرہ۔ تعمیر کی تاریخ 1638ھ۔

6- قباب کا مقبرہ۔ تعمیر کی تاریخ 1558ھ۔

7- سید جو قاسمی قبا، اس کا مقبرہ، اس پر تاریخ تعمیر نہیں پڑی جاسکتی۔

8- سید عبداللہ، بلوچ کے مشہور بزرگ عبدالقادر جیلانی کے لڑکے کا مزار۔

9- سیرک محمد کا مقبرہ۔ سال تعمیر 1549ھ۔

10- شیخ فیا کا مزار۔ سال تعمیر 159ھ۔

11- ایک بادشاہ کا مقبرہ کہ جس کا نام نہیں چڑھا جاسکا۔ سال تعمیر 1697ھ۔

12- جام نندرا اور قمری کے مقبرے۔ یہ سر قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ پیسے رنگ کے پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ اس عمارت میں تین مقبرے ہیں۔ سال تعمیر

ہر میں پیٹم بھجوا دیا کہ ہم ہوشیار رہیں۔ اس کی اس تنبیہ میں سنجیدگی تھی کیونکہ ہم نے دو سو کے قریب مسخ بلویوں کو ہانچ سوگر کے قافلہ پر ایک گھنٹی میں بے گنہ کے عالم میں بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔ ان میں کچھ نے آکر ہماری جماعت کا جائزہ لیا تھا مگر جب انہوں نے ہمیں ہوشیار اور بے کس دیکھا تو وہ دلہن چلے گئے۔

24 تاریخ کو جب میرا منہ کے جواب دینے کا وقت ختم ہو گیا تو ہم واپس اپنے کیمپ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس موقع پر ہوا اور لمبوں نے ہمارا ساتھ دیا اور ہم آرام سے سو کر رہے ہوئے جھڑک پہنچ گئے۔ یہ سفر ہم نے ٹین گھٹے میں طے کر لیا۔

25 تاریخ کو ہم جھڑک میں لنگر انداز ہوئے اور یہاں پر اس فوج میں شامل ہوئے کہ جو اس روز صبح کے وقت پہنچی تھی۔ یہاں پر میں ڈوبنے سے ہل ہل چلا ہوا یہ کہ میں نے اپنی کتیکوں کے بکس کو ایک سندھی کشتی ہال کی عدا سے اٹھایا اور اسے دو کشتیوں کے کنارے پر رکھ کر میں نے اپنے پیراں دووں کشتیوں پر رکھ لئے تاکہ میں بکس کو سارا دینے رکھوں۔ میں نے وقت منصوبہ کے تحت وہ سندھی بغیر لے ہوئے مجھے اس حالت میں چھوڑ کر چلا گیا۔ اب میں کوئی حرکت کرنے کے قابل نہیں تھا کیونکہ اگر میں بکس کو چھوڑنا تو وہ پانی میں جا کر آ۔ اس حالت میں میں پھر مدد مانگا۔ جب دووں کشتیاں ایک دوسرے سے ٹکرائیں تو وہ پانی میں گھیر گئیں۔ میں اور کتیکوں کا بکس دریا میں گرے و لا تھا۔ اس وقت وہ کشتی دلا میوے پاس آیا اور مجھے اس صورتحال سے نجات دلانے کا وعدہ کر کے اپنے انعام کا مطالبہ کیا۔ ایسا انعام جو میرے مرحلہ کے لائق ہو۔ مجبوراً مجھے اپنے غصہ کو دبانے پڑا اور اس بد معاش کو کچھ انعام دیا کہ وہ مجھے اور میرے بکس کو بچا سکے۔ انعام میں نے اسے ضرور دیا مگر دل میں میں نے بددعا کی کہ وہ اپنی اس بد معاشی کے عوض سیدھا سسم میں چلے۔

دسواں باب

یہاں پر ہماری افواج آٹھ دن تک منجم رہیں۔ اس عرصہ میں شب خون کی افواہیں بھی کیمپ میں اڑتی رہیں۔ ایک سواقی جس کا نام جانور دین تھا اور جس کا تعلق پانچ بیٹی کی بیٹی انگریزی سے تھا وہ میرا خاص کے شیر خوار خاں کی قید سے بھاگ کر آیا تھا۔ اس نے ہمیں یہ خبر دی کہ شیر خوار ہمارے خلاف میراں حیدر آباد سے بٹے والا ہے۔ 19 تاریخ کو میرا اسماعیل شاہ اپنے ایک بیٹے کے ہمراہ ہمارے کیمپ میں ملاقات کے لئے آیا تاکہ ارہاب اعلیٰ سے بات چیت کرے۔

30 تاریخ کی شام کو تین امروں کی مراد لاشیں کیمپ میں لائی گئیں۔ یہ تینوں بغیر اطلاع کے بغیر حاضر تھے۔ یہ ایک کھار کی مہم پر گئے تھے کہ جہاں جنگل میں چاروں طرف سے آگ لگ گئی اور یہ وہاں سے نہ بھاگ سکے۔

کیم فروری کو میوں کے سفیر اسماعیل شاہ نے پیغام دیا کہ میراں حیدر آباد ان نصرت کو تسلیم کرنے پر تیار ہیں کہ جو معاہدے میں ہیں۔ دوسرے دن اسماعیل شاہ کا لڑکا تقی شاہ حیدر آباد کے لئے روانہ ہو گیا تاکہ میوں سے معاہدہ پر دھنک کر آئے۔

تین تاریخ کو ہم نے جھڑک چھوڑا اور اس سے گیارہ میل سے فاصلہ پر ایک گھوڑ اسماعیل جو گوشہ میں قیام کیا۔ اس کے بعد نو میل چلنے کے بعد ہم کوٹری پہنچے۔ یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو دریا سے منہ کے دائیں کنارے پر حیدر آباد کے مقابل میں واقع ہے۔

منہ کی فوج خود سری طرف دریا کے کنارے منجم تھی۔ وہاں سے وہ تین تاریخ کو حیدر آباد پہلی گئی۔ ہم نے اس کے ایک حصہ کو جلدی جلدی وہاں سے جاتے دیکھا۔ یہ فوج دس ہزار پر مشتمل تھی۔ ان کے پاس تین توپیں تھیں۔ اس میں سے مدت بزر ہوان اور دو توپیں میراں کے شیر خوار کی تھیں۔ جس نے اس مقصد کے ساتھ میوں کی فوج سے تعاون کیا تھا تاکہ وہ کارروائی سے لڑ سکے۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ اگرچہ فوج کی تعداد بھی زیادہ ہے اور ان میں ڈپان بھی ہے تو وہ ہایوس ہو کر اپنے علاقے میں چلا گیا۔ جاتے ہوئے اس نے ریڈیوٹ کے ایک خط کا کہ جو اسے سخت لمحہ میں لکھا گیا تھا۔ ور جسے میں نے ہی ڈرائٹ کیا تھا اس کا جواب بڑے منہ پ انداز میں دیا۔

اس موسم میں دریا چڑھا شروع ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا پانی ہمیشہ مٹی سے گھرا ہوا

رہتا ہے مگر یہ سائب ہو جاتے تو صحت بخش ہے۔ اس کی صفائی کا طریقہ پتا انسان ہے۔
 بازام کی گرمی لے کر اسے ٹھکے کے اندرونی حصہ میں مل دیا جائے یہاں تک کہ وہ ختم ہو
 جائے۔ اس کے بعد ٹھکے میں پانی بھر دیا جائے اور اس کو ہڈے یا پیر ایک گھنٹہ تک اسی
 حالت میں رکھا جائے۔ اس کے بعد پانی موتی جیسا چمکا نظر آئے گا۔ اس کے بعد پانی کو
 دوسرے ٹھکے میں منتقل کر دیں اور پھر اسے دس بھر کے ٹھکے۔ لیکن اگر آپ نے یہ پانی بغیر
 صفائی کے پی لیا خاص طور سے لہذا پلہ پھل کھانے کے بعد تو اس صورت میں بچش کا
 ہونا لازمی ہے اور یہ عام طور سے مسلک ہوتی ہے۔

6 تاریخ کو ریڈیٹنٹ کو میران حیدر آباد کی چاہ سے صفائیوں کے فضل ملے تاکہ وہ
 یکسب کے تمام لوگوں کا مدد دینا کرائیں۔ اس کے جواب میں ریڈیٹنٹ نے، چھی قسم کی
 آٹھ پاؤنڈ کی شیریں لے کر ان کی خدمت میں بھیجی۔ اگرچہ چونکہ کوشت خور ہیں اس لئے
 وہ دھاری طرح سے صفائی کے ذائقہ سے لطف اندوز نہیں ہوتے ہیں۔ میرے حصہ میں جو
 لڑیاں صفائی آئی اس کا سبب ہی تھا۔ میرے دوستوں ملا موں اور خود میں نے صفائی کے
 اس حق سے خوب لطف اٹھایا اور اس کے لئے ریڈیٹنٹ کا شکریہ ادا کیا۔

9 تاریخ کو نکیش ایسٹ رگ سے کہا گیا ہے کہ وہ فوج کو لے کر فکا پور جائے۔ وہاں
 جانے کے لئے ہم سب نے تیار ہونے شروع کر دیں۔ 10 تاریخ کی صبح کو ہم فوج کے ساتھ سر
 پر روانہ ہوئے اور پہلی طرف بڑا گاؤں تھا جہاں کوئی سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔
 اسماعیل شاہ کا ایک لڑکا صادق شاہ یہاں آکر ہمارے ساتھ شامل ہوا۔ اسے میوں لے بلور
 بجٹ بھیجا تھا تاکہ وہ فوج کی سپاہی کا خیال رکھے۔ ہمیں یہ ہدایت تھی کہ ہم جس قدر
 ممکن ہو دیر کے واسطے کنارے کیساتھ ساتھ چلیں۔ ایک سوار نے یہ غلطی کی کہ وہ اپنے
 گھوڑے کو پانی پلانے کے لئے حسین جگہ سے دوسری جگہ لے گیا جہاں وہ اپنے گھوڑے
 سمیت ڈوب گیا۔ ایک ٹونٹ اپنی پیاس بجھانے کے بعد تھنوں گھنٹوں پانی میں گرمی سے
 چٹا کے لئے بیٹھ گیا۔ جیسے ہی وہ بیٹھتا ہے اسے اتھلی طاقت کے ساتھ نیچے کی طرف کھینچا گیا
 اور ایک بہت بڑا گھڑا اسے لے گیا۔ یہاں پر 5 پرائیوٹ سپاہیوں نے فوج کے لئے دعا کی
 اور خاموشی سے چلے گئے۔

ہم نے اس طرح سے سفر کیا

11 تاریخ کو	دس میل	مرچر تک
12 تاریخ کو	توسیل	گپانگ تک

13 تاریخ کو	دس میل	بندر تک
14 تاریخ کو	گیارہ میل	سدر تک
15 تاریخ کو	بارہ میل	آمری تک
16 تاریخ کو	بارہ میل	کلی تک

کلی ایک بڑا گاؤں ہے کہ جس میں ایک سو کے قریب کچے مکانات ہیں۔ یہاں پر سندھ
 کے سید رہتے ہیں۔ یہاں میں نے شاہ صدر کی درگاہ کی زیارت کی جو کہ سیستان کے
 ایک چار کے دامن میں ہے۔ گاؤں سے اس کا فاصلہ تین سو گز ہے۔ یہ مشہور بزرگ
 عرب سے یہاں آئے تھے اور ان کی وجہ سے سندھ کے ہزاروں کافر مسلمان ہوئے۔ ان کا
 مقبرہ 1155ھ میں بنو شدہ شاہ ایران کے حکم سے تعمیر ہوا۔ روایت یہ ہے کہ ان بزرگ
 نے نادر شاہ کو خواب میں کہا کہ وہ حرکت جانے کے جہاں اس کو بڑا عزت ملے گا۔ بادشاہ
 نے اس خواب کے حکم پر عمل کرتے ہوئے حرکت کا سر کیا کہ جہاں اس نے فیقی عزت
 کو دریافت کیا۔ ساتھ ہی میں اس وقت کے میر سندھ نے اسے ایک خطیر رقم بلور خرچ
 دی۔ اس خرچی میں اس نے سیدوں کے اس گاؤں کو ایک اچھی رقم بلور عطیہ دی اور ان
 کو ہدایت دی کہ بزرگ کی قبر پر ایک شاندار مقبرہ تعمیر کیا جائے۔ اس حکم پر انہوں نے
 فوری طور پر عمل کیا۔ اس بزرگ کے مقبرہ پر جو کتبہ نصب ہے اس سے تعمیر کی تاریخ کا
 پتہ چل جاتا ہے جو 1742ء ہے۔ (1155ھ)

سندھ کے کلی سید جیسا کہ مجھے بتایا گیا اسی بزرگ کی اولاد ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب
 امام علی علی سے جا کر ملتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ لفظ کلی شاید کلی کی گڑھی ہوئی شکل ہو۔
 جو کہ دوسری امام کا نام ہے۔

یہاں سے ان پانچوں کا سفر جو ایک میل کے فاصلہ پر ہیں بڑا خوبصورت ہے۔ قریبی
 پھاڑی کے پاس دو چشمے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ ان میں سے ایک کا پانی ٹھنڈا اور
 صاف ہے جبکہ دوسرے کا بہت گرم ہے۔

ایک بڑا جہر کہ فوج سے بچنے دیا گیا تھا اس کو بلور پیر میں لے جایا گیا اس کے کپڑے
 دھو لوٹنے کے بعد انہوں نے اس کے پانچوں کو بھی گوار کی ضرب سے زخمی کر دیا۔ جب
 وہ غریب آیا ہے تو خون میں نہایا ہوا تھا۔ اس عرصہ میں کچھ اونٹوں کی بھی چوری ہوئی۔ یہ
 جرم کرنے والے بزرگ کی مری اور لطاری جوج قبائل تھے۔ یہ لوگ ان پانچوں میں اپنے
 گدھو بکریوں اور بھیڑوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ لوگ بہت کم قریبی گاؤں میں جاتے

تھا۔

۱7 اور 18 تاریخ نے قیام کیا اور ہماری اسلحہ کو آگے روانہ کیا۔ اونٹوں کے تین چرووں کو گرلا کر لیا گیا۔ 18 تاریخ کو ان کے کولے مارے گئے اور سزا کے طور پر ان کے سروں اور داڑھیوں کو موٹھ دیا گیا۔ ایک چوہنی پہلی ہر سوے پاس کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا مجھ سے کہنے لگا کہ وہ ہر روز ان سزاؤں کو دیکھ کر سرت محسوس کرے گا مگر یہ کہ کولہ کی سزا اس کو پسند نہیں۔

20 تاریخ کو ہم نے صبح ستر شہر کی طرف دس بجے سون دھانچے گئے۔ صبح کو آدھ قحی رات کو سخت گرمی دھچک کے ساتھ ہواش ہوئی تھی۔ ہندوستان میں اس مہینہ میں ہواش ہونا غیر معمولی واقعہ ہوتا ہے۔ یہ وہ سون اور گلی کے درمیان میں ہے اور اس کا رقبہ وہ سگز سہا ہوگا۔ یہاں پر دریا نے پہاڑ کے نیچے حصہ کراٹ دیا ہے۔ اس راستہ پر چلتے ہوئے آپ کے بائیں جانب اونچا و بلند والا پہاڑ اور اس کی ڈھلوان ہے تو دائیں جانب گہری کھاؤں ہے کہ جس کے نیچے دریا شور کرتا۔ موٹیں مارا ہوا چاہا ہے۔ ہمارے الجھنوں نے جہاں ضروری سمجھا وہاں سے راستہ کو دس فٹ اور چوڑا کر دیا جس کی وجہ سے پرخطر نہیں رہا اور چلتے کے قابل ہو گیا۔ اس وجہ سے ہماری چوری فوج بغیر کسی حادثہ کے یہاں سے گزر گئی۔ سوائے ایک غریب عورت کے کہ جس کی ٹانگ کی ہڈی ہاتھ کی وجہ سے ٹوٹ گئی۔

21 تاریخ کو ہم نے قیام کیا۔ اس موقع پر سرانجام لینے والے کسیپ میں آیا اور نواب مر خان ظاہری سے مل گئی۔ اس کو متحدہ کی حکومت نے اسی متحدہ کے لئے بھیجا تھا کہ وہ اس سے ملاقات کرے۔ اس موقع پر کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ سوائے سرخین اور نواب کے۔ جب میں اجیر میں تھا تو میں نے کور لہجہ کے بہت سے درواہوں میں شرکت کی۔ لیکن کسی موقع پر میں نے سفید یا کاسے شریف لوگوں کو اس طرح سے بہ عزت ہونے نہیں دیکھا۔

کئی دن ان ٹانگوں کے درمیان بحیثیت حرم کے کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے میں تھا اور چچ میں کبھی کبھی اس کے فاری جھلوں کو بہتر صورت میں نواب تک پہنچا رہا تھا۔ جب سرخین نے ملے ہوئے سنا تو پوچھے کہ "نواب! آپ کون ہیں؟" اس نے کئی ایسٹ وک سے جواب دیا "میرا منشی ہے۔"

سرخین ایک لب بولا "وہیں اونچے مر کا شخص ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس نے

ادب آداب بالکل نہیں رکھتا۔ جب اہم معاملات پر مکتفو غم ہوئی تو بیوی نواب اور بھی غصہ مچاتا تھا مگر وہ بغیر کسی لحاظ کے اصرار کرتا ہوا اور اس مجلس کو ختم کرتا۔

22 تاریخ کی صبح کو گور اور سرد قحی۔ میں سون شہر تفریح کی غرض سے گیا۔ یہاں پانچ ہزار ملاکت ہیں۔ یہاں کہنے کہ چند ہزار کی آبادی ہے۔ اس جگہ لال ہمدرد قندہ کی درگاہ مشہور ہے۔ یہ 148ھ میں تعمیر ہوئی تھی۔ اس درگاہ میں صرف شہزادہ قندہ کی قبر ہے۔ اس کے دروازے پر ایک بڑے سائے کے چیتے کو گاڑی کے ایک بٹھو میں بند کئے رکھا ہوا ہے۔

23 تاریخ کو تری کے گاؤں کی جانب پیش قدمی کی۔ ہماری فوجوں کو دریا نے متحدہ کی شرح دیاں کو سون کے نزدیک عبور کرتا پایا۔ ہمارے ٹیمپس سے دریا پر کشتیوں کا ایک پل بنایا۔ جس پر سے کہ فوج اور سامان کو لے جایا گیا۔ تری ایک بڑا قصبہ ہے کہ جس میں وہ ہزار ملاکت ہیں۔ یہ نالہ پانی کی ایک بڑی جمیل کے کنارے واقع ہے۔

24 تاریخ کو ہمارا سفر تکلیف دہ رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تری نے بالکل آخری وقت میں فوج کے مارچ کرنے کے بارے میں اپنا فیصلہ بدل دیا تھا۔

25 تاریخ کو مجھے والی گور پے سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اس کا تعلق ایک امیر گھرانہ سے ہے اور پہلے یہ بیٹھوا کی عازمت میں تھا۔ اب یہ پونا کی اور گور ہاس میں ایک امیر ہے۔ یہ ایک شریف آدمی ہے اور اعلیٰ جذبات و اعلیٰ خیالات کا مالک ہے۔

کل کی ملاقاتی میں ڈاکٹر روگ کا کچھ سامان چوری ہو گیا۔ آج حیدرآباد قحی کی وجہ سے ہمیں قحی۔ میرے مسلمان ساتھیوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس موقع پر رہتا کہیں نہ کرے۔ انہما مجھے ہونے کی وجہ سے میں نے انکار کر دیا۔ روگن کے گاؤں میں کہ جہاں ہم پہنچے یہ ایک خاصا بڑا گاؤں ہے اور سون سے تیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس گاؤں کا ملا ایک جال مند ہے۔ اس کی وجہ سے زندگی میں پہلی مرتبہ صرف میرا ملا قحی کی لڑائی ہو گئی۔

26 تاریخ کی صبح میں نے انہما قحی یہاں تک کہ ہمارے برتنوں میں پانی کم گیا۔ یہاں سے دس میل کے فاصلہ پر گاؤں گلو تک ہم نے مارچ کیا۔ اسے قیام کے تین مقامات تک ہم نے دیکھا کہ زمین شور زلزلہ ہے۔ اس علاقہ میں کھج بٹی تعداد میں بنایا جاتا ہے۔ انہیں اجیر کی قلع میں سے لے کر ایک بڑا جاتا جیسا کہ دوسرے قلعوں میں دستور ہے اسے جلا دیا نہیں جاتا ہے۔ جب میں نے سے چکا تو اس میں ہندوستان کے کھج کے مقابلہ میں شورہ

کاؤنڈ لائن پڑا۔

27 تاریخ کو گورنمنٹ ہسپتال میں ایک ڈاکٹر کی روٹھ سے چھ مہل کے قافلہ پر ہے۔
ان بزرگ کا تعلق مہلوں کے اس سلسلہ سے ہے کہ جس کے ہاتھ والے صرف کال کبلی
پہنتے ہیں۔ ہمارا یہ سفر طویل اور تھکا دینے والا تھا اس سفر میں ہم ایک جنگل سے بھی
گزرے کہ جو بہت زیادہ گھٹا نہیں تھا۔ میں نے یہ مشاہدہ کیا کہ ٹوٹی اور ٹھنڈے کا رواج سمون
تک آتے آتے کم ہوا اور پھر اس سے بعد سے ٹوٹی بالکل غائب ہو گئی۔ اس کی جگہ سدھی
گلی باغیچے نظر آتے۔

28 تاریخ کو پچھلے دنوں کے اچھے زمانے اور پورا علاقہ زرخیز ہے۔ سڑکی کی
شدت میں بھی کمی ہو گئی۔

کلم تاریخ کو جب میں نے ایک بار پھر ہمارے قیام کرنے کے پانچ کو تبدیل کر دیا جس کی
وجہ سے افراتفری ہو گئی۔ پہلے کمرہ کی گاڑیوں قیام کے لئے چاکہ لگیں پھر اس کے
بجائے حق پوری کا انتخاب ہوا۔ اس پریشانی میں کچھ دن صبر کرے اور کچھ کمرہ کی جانچ پڑتال
کے بعد پورے۔

29 تاریخ کو کمرہ کی پچھلی۔ یہاں ہم نے تین تاریخ کو بھی قیام کیا۔ یہاں فوج نے دروازے
سندھ کی ایک شاخ کو آہستہ آہستہ عبور کیا۔ یہ درمیان سے صرف سات فٹ گہری تھی۔
چار تاریخ کو ہم نے صبح میں اس پشہر کو یاد کیا اور ماڈل پچھلے لاکھانہ ایک بڑا قلعہ
ہے جو کہ مٹی کی دیواروں میں گھرا ہوا ہے۔ اس کا گورنر ایک چالیں بڑا عظام عہد
مہدائیم ہے۔ یہاں پر فوج نے گیارہ تاریخ تک کے لئے قیام کیا تاکہ اس دوران پر خطر
سڑک کے لئے تیاری کی جائے جو کہ روک بولان سے ہو کر پورا ہوتا تھا۔ یہاں پر سخت سڑکی
ہوتی ہے جو کہ ہندوستانوں کے لئے ناقابل برداشت ہے۔

بہت سے شہزادوں نے کہ جن کا تعلق کچھ سے تھا انہوں نے سڑکی کی وجہ سے سفر
کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن جب ان کو بطور سزا کوڑے مارے گئے اور ڈیرہ دھکا دیا گیا تو
ان میں سے سب نے غلہ اور ہونے سزا سہرہ تھا کہ داتا۔ سفر پہنچا اور
ظاہر کریں یا فوج سے بھاگ جائیں۔ اس آخری راستے کو بہت سوں نے اختیار کیا اور
اوٹوں کو چھوڑ کر گھر چلے گئے۔

یہاں اگر کمیشن ایسٹ وک کا کام ختم ہوا تو کچھ یہاں تک فوج کے ساتھ تھا اس کے
قرائن میں سے تھا۔ یہاں پر ایک نو جوان افسر جس کا نام میرٹھ تھا اس نے اگر پولیس

افسر کا چارج لیا۔ اس موقع پر ایسٹ وک نے کمپ بھروسہ دیا اور خود ظاہر چلا گیا جہاں
پر اسے مسٹر ڈی ایچ میکائن سے ملنا تھا کہ یہ سیر اور وزیر کا عہدہ رکھتا تھا۔ جاتے وقت
اس نے مجھے ہدایت دی کہ میں مسٹر ڈی کے ساتھ رہوں اور اگر وہ آگے کی ظاہر کرے تو اس
کو مسطرت بچھ پھانسا دے گا۔

9 تاریخ کو کمیشن ایسٹ وک ظاہر پور سے واپس کمپ میں آیا۔ اسے بالائی سندھ کا
وفاقی طور پر پولیس ایکٹ عہدہ کر دیا گیا تھا اس نے مجھ سے مشورہ کیا کہ کیا وہ بالائی سندھ
کا پولیس ایکٹ عہدہ قبول کرے یا خیر کے ساتھ افغانستان جائے۔ کیونکہ اس فیصلہ کا حق
اسے دیا گیا ہے۔ اس نے اس سلسلہ میں میرا مشورہ چاہتا ہے۔ ویسے وہ چاہتا ہے کہ
افغانستان جائے کیونکہ اس صورت میں اسے یہ موقع ملے گا کہ وہ ایک نیا ملک دیکھ سکے گا۔
جو حق جنگ میں حصہ لے کر تجزیہ حاصل کر سکے گا اور اس طرح وہ خود کو دہلیوں سے ممتاز
کر سکے گا۔

میں نے اس کو بتایا کہ میں انگریزوں سے زیادہ افغانوں کے کردار اور ان کی عادات و
انوار کے بارے میں جانتا ہوں۔ اس لئے میں خود تو پیچھے کے لئے اور نہ کسی جذبہ کے
تحت اپنی زندگی خطرے میں ڈالنا پسند کروں گا۔ جہاں تک اس صدمہ کا تعلق ہے تو اس کی
کامیابی کے امکانات مجھے بہت کم نظر آتے ہیں۔ اس لئے میری یہ عاجزانہ درخواست ہے کہ
وہ اس وقت افغانستان نہ جائے جب تک کہ اسے حکم نہ دیا جائے مجھے یقین ہے کہ اگر
وہ افغانستان گیا تو پہلے جذبہ اور بیماری کی وجہ سے وہ پہلا قربانی دینے والا ہوگا۔

یہ سن کر وہ استعزا کے ساتھ مسکرایا اور کہنے لگا "میرے دوست زندگی ایک لازمی
ہے۔ ایسے ازمہ رہنے کا کیا فائدہ کہ جب تم اپنی موت سے خود کو اور دوسروں کو کاغذ پتلا
کر لے۔"

اگرچہ اس سوال کا بہترین جواب میری زبان پر تھا لیکن میں نے مزید بحث کرنا مناسب
نہیں سمجھی۔ اس لئے میں نے اس کو وہیں قسم کرنے ہوئے دوسری باتیں شروع کر دیں۔
میرجل یہ ہم دونوں کی خوش قسمتی تھی کہ اس کی خدمات کی بالائے سندھ میں اشد ضرورت
تھی اس لئے اس نے افغانستان جانے کے بارے میں پھر نہیں سوچا۔

10 تاریخ کو فوج کی ایک ڈویژن صرحاں کہیں کی سربراہی میں قندھار کی طرف روانہ
ہوئی جبکہ دوسری ڈویژن اس وقت دکنی رہی کہ جب تک سلطان کے لئے گاڑیوں کا بندوبست
نہ ہو جائے۔

اسی شام کو ہم بھی فوج کے رخصت ہوئے اور ٹکڑا پور جاتے ہوئے راستے میں جوہر پور کے گاؤں میں رات گزری۔ ہماری حالت کے لئے ایک ہمدردانہ امریکی سمیت میں گاڑا تھا کہ جس میں تینس سپاہی تھے۔

13 تاریخ کی صبح ہم نوامید پہنچے۔ راستہ اچھا ہے اور تمام علاقہ درختوں پر۔ گاؤں کے ارد گرد کھجور اور سم کے درخت ہیں۔ جس کی وجہ سے منظر بڑا خوبصورت لگتا ہے۔ ہم ایک پھولے پانچ والے گھر میں ٹھہرے۔ نوامید ایک بڑا گاؤں ہے اور یہ میڑ میر گھر کی ملکیت میں ہے۔ اس کا انتظام گھر خاں سیال ڈیکلرا کے دوسرے ہے کہ جو ایک بڑا بڑا پڑاؤ شخص ہے۔ ان لوگوں کو کھجور کے درخت سے تل لٹائے کا فن نہیں آتا ہے۔ یہاں بے کھانے پینے کی اشیاء بہت سستی ہیں۔ میں نے دو مریٹیاں صرف چار پیسوں میں خریدیں۔ اس قسم کی مریٹیاں آپ کو بھون میں دو شلنگ کی لیں گی اس طرح سے دوسری چیزیں بھی متبادل سستی تھیں۔

14 تاریخ کی صبح کو ہم کوئچ پہنچے جو کہ میر لیسر خاں کی جائگہ ہے۔ یہ گاؤں نوامید سے لڑا بڑا ہے۔ اس گاؤں کے کٹنی لوگ یہاں سے اس لئے چلے گئے کہ بنگال فوج کا گزرا اس طرف سے ہوا تھا۔ لیکن ہمیں یہاں بھی جس چیز کی ضرورت تھی وہ نوامید کی طرح سستی لگتی۔

15 تاریخ کو سولہ میل چلنے کے بعد ہم لڑ پتے صبح ٹکڑا پور پہنچے یہ مندرہ کاسب سے بڑا شہر ہے۔ ان میں تقریباً پندرہ ہزار مکانات ہیں۔ ان میں سے کچھ دو منزلہ ہیں اور باقی ہموار چھوٹے دارے۔ شہر کے گرد مٹی کی فصیلیں ہیں۔ شہر کے باہر ایک گدھ ہے اس کے ارد گرد کا ماحول بڑا خوبصورت ہے کیونکہ اس کے چاروں طرف کھجور اور سم کے درخت ہیں۔ پانی کنوئیں سے آتا ہے۔ اس کی زمین پورست اور بن کی کاشت کے لئے بہترین مسموم ہوئی ہے کیونکہ ہم نے ان کے کھیت چاروں طرف عہدہ حالت میں دیکھے۔ اس کی آدمی آبادی کا قتل ہمدردوں سے ہے جو کھڑی یا لوہار زاتوں کے ہیں۔ آدمی انہی مسائل کی ہے۔

ٹکڑا پور کی مارکیٹ بڑی خوبصورت ہے۔ سوریج کی گری سے بچنے کے لئے اس پر بہت پڑی ہوئی ہے۔ اس جگہ کے ہمدردانہ اپنی ہمدردی زبان کے علاوہ فارسی و پشتو بھی خوب بولتے ہیں۔ ہم نے اپنے نیچے شہر کے نزدیک لگائے۔ فوج کے ساتھ جانے کی وجہ سے جو ممکن ہو گئی اس کو یہاں پر تھلائی اور خاموشی میں آرام کرتے اور سب افسانے ہوئے

ختم کیا۔

16 تاریخ کی صبح کو میں کینٹن ایسٹ وک کی سمیت میں شریک۔ اس نے شہر کا دورہ کیا۔ مارکیٹ اور گدھ کی ابھی طرح سے جانچ پڑاؤ کی۔ اس کے بعد وہ ایک جرمین تھدی کو دیکھتے تھے۔ یہاں میں نے پہلی مرتبہ کسی کو فرانسیسی زبان بولتے ہوئے سنا۔

17 تاریخ کی صبح کو میں نے بنگال رمنٹ کی جیسے دو دوستوں کو دیکھا اور یہاں کے خاص "صدری بازار کی سیر کی۔ یہاں پر یہ سن کر انوس ہوا کہ کٹنی لوگ اور چالور صحرائیں ہیں۔ بولنے کی وجہ سے سرگئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر شعبہ میں ہے ترتیبی اور "تقریبی تھی۔ سر" اے بڑا ہالڈی مندرہ کے سابق پولیٹیکل ایگٹ نے حکومت کی ایک بڑی رقم بغیر کسی حساب کتاب کے خرچ کر دی۔ کٹنی دن ایسا نہیں جاتا تھا کہ جب ہمارے لوگ مارے نہ جائیں یا رشتی نہ ہوں۔ بلوچ پھیرے جب بھی موقع ملتا تو ہمارے لوٹ بنگالے جاتے تھے۔

اس صبح کو دو ہاڑ ہمدرد سٹھول نے جن کے نام چرومل اور پٹھہ عکھہ تھے "کینٹن ایسٹ وک سے ملاقات کی۔ ثانی الذکر بڑا خوبصورت "حالات سے واقف اور بڑا مندرہ شخص تھا۔ اس کی "بن" جو مندرہ کی سب سے لڑا خوبصورت عورت ہے "اسے شہر شہار نے زبردستی اغوا کیا۔ اس وجہ سے وہ اور اس کا پورا قبیلہ اس کے نام سے نفرت کرتا ہے۔

18 تاریخ کو ہمارے اولیٰ آگے چلنے کا تھا مگر رات کو اس قدر سخت بارش ہوئی کہ ہمارے نیچے بھیک گئے۔ اس لئے مجبوراً ہمیں اس وقت تک انتظار کرنا پڑا کہ جب تک یہ خشک ہو جائیں۔

ایک معمولی سی لڑکی بنگال کی اس رمنٹ اور بڑی فیروں سے ہوئی کہ جن کے نامہ دوست کی رکھائی تھی۔ ان کی مدد کی گاؤں کا ایک شخص عہدہ صدر خاں کر رہا تھا۔ بلوچوں سے "سب" شور اوٹوں کو بھگانے کی کوشش کی۔ اس لڑکی میں "تین ڈاکو زخمی ہوئے"۔ اس کا سرکات کر کینٹن ایسٹ وک کے سامنے لایا گیا تاکہ ہماری فوج کی مدد کی کا قتل ثابت ہو۔

کسی انسان کے چہرے کو قتل و گرد میں آلودہ دیکھنا انتہائی ہیماںک اور کٹانی نفرت چیز تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کس طرح سے "پہ" دیاؤ اور اپنی فرائض کی خاطر قانون نفرت کو توڑتا ہے اور اس قسم کے ظالمانہ فعل سے خود کو انسانیت سے گراتا ہے۔

19 تاریخ کو ہم ٹکڑا پور سے سکھر کے لئے روانہ ہوئے اور چھ میل چلنے کے بعد

عجیب جو گوشت پہنچے راست میں ہم کلی گاؤں سے گزرے۔ یہ ایک بڑا گاؤں ہے اور جہودوں
 گھر کی چاکریاں ہیں۔ مجھے جگہ میں راست اچھا بنا ہوا ہے۔ راستہ بھولنے کا اس لئے سوال
 پیدا نہیں ہوا۔ کچھ کنٹر اس کی دونوں جانب مڑے ہوئے اسٹریٹ بنے ہوئے تھے لہذا اس
 صورت حال میں بہترین رہنمائی ان کی دی گئی۔

20 آدھ کو ہم سکھر پہنچے جو کہ محبوب جوگڑھ سے ہیں میل کے واسطے یہ ہے ہم راج
چو پہنچے مولانہ ہوئے تھے اور آدھ پہنچے یہاں پہنچ گئے۔ سکھر ایک بڑا شہر تھا کہ یہ دربار
ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ اس کی بھادوی کی وجہ سے آخری لڑائی تھی بڑا شہر شروع ہو کر خیرہ کے
میرپور کے درمیان لڑی گئی۔ اس کے نتیجے میں اس شہر کو جو نقصان پہنچا اس کی صفی اب
تک نہیں ہو سکی۔ یہ سکھر کا شہر دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر ہے۔ دھڑی جو کہ
ایک آباد شہر ہے وہ بائیں کنارے پر ہے۔ ہنگر کا قلعہ دریا کے چپ میں ایک پہاڑ سے
جڑے پر ہے۔ اس قلعہ کے ناقابل تخریب ہونے کے بارے میں قاری و سندھی مورخوں
نے بڑی تعریف کی ہے۔ اسی وجہ سے یہ برطانوی حکومت کے حوالہ کر دیا گیا تھا کہ وہاں
افغانستان کی مہم کے خاتمہ تک اپنا سامان رکھیں۔ لیکن جب کہ میں نے پہلے ہی امرتہ نکال لیا
تھا اس سامان کو واپس سے حاصل کرنا مشکل ہو گیا۔

21 تاریخ کو مجھے یہ امر رازی سونی گئی کہ میں حمبور کے ویرجیح محل غوری سے ملاقات کر لے۔ جو کہ روہڑی کے قریب آباد تھے۔ ان کا محل اس کو میراں خیر پوری کی جانب سے کہا گیا تھا کہ وہ سکھ لور حکام پور کے درمیان جو طریقہ ڈاکو ہیں ان کا قلع قمع کرے۔

وہ اس سال کا پوچھا ہے، لیکن اس کا جذبہ و جوش و تامل کوغلوں سے زیادہ ہے۔
مقامی معاملات میں اس کا ذہن صاف ہے۔ وہ بڑا تجزیہ کار ہے اور ملک کا انتظام انتہائی
خوش اسلوبی سے کر رہا ہے۔ اس لئے حکمران اور رعیت دونوں اس سے خوش ہیں۔ اس
نے میرا خوش دلی سے استقبال کیا۔ خود مالیت پرچنے کے بعد میں نے اس سے بلوچ ڈاکوؤں
کے بار میں بات چیت کی۔ اس نے کہا کہ بلوچوں کی ٹوب مار غیر ملکیوں سے زیادہ خود مقامی
باشعوروں کے لئے پریشانی کا باعث ہے۔ اس لئے اس نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کی سرکوبی
کرسے۔ تاکہ ڈیبٹیوں کا باطل خاتمہ ہو سکے۔ میں نے اس سے کہا کہ میرے آقا کی
ستارش ہے کہ ابن لوگوں کو سزا دی جائے مگر ان کا قتل عام نہ کیا جائے۔

جب میں نے اس کی فوج کے بارے میں سنا تو میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا کیونکہ یہ فوج جیٹائیس پیدل اور ایک سو پچاس ہواباز پر مشتمل تھی۔ کھوٹے انتہائی لاغر اور مرل

تھم ہو چمے آدمی نے میری سٹراپٹ کا مطلب سمجھ لیا اسی لئے کہنے لگا، "میرے
سہیلیوں اور گھوڑوں کو تحفہ سے مت دیکھو۔ وہ مولے نہیں ہیں، مگر اس ملک میں جنگ
لڑنے کے لئے بہترین ہیں۔ یہ تین دن تک بھوک و پیاس کو برداشت کر سکتے ہیں۔ تمہارے
صحت مند فوجیوں اور مولے گھوڑوں میں یہ خوبی نہیں ہے۔ وہ اتنی تیزی سے ڈاکوؤں کا
مشعل پھاڑیں ڈاڑھیں اور میدانوں میں نہیں کر سکتے ہیں جس قدر کہ میرے آدمی۔"

میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اس بار مجھے شخص کے جذبات کو بھونچوں کہ جس کا
چہرہ بھی مجھ سے زیادہ مردانہ تھا۔ میں نے اس کو یقین دلایا کہ میں اس کے سہاویوں کی
بیلنسری طور شہادت پر پورا پورا بھروسہ رکھتا ہوں اور میں معافی چاہتا ہوں اگر میری
سنگرمش سے اس کے جذبات کو گھٹیں پہنچی ہو۔ میں نے کہا کہ میری یہ عادت اس وجہ
سے ہو گئی ہے کیونکہ میں ایک عویں عرصہ سے گھریلوں کی صحبت میں رہا ہوں۔ اس کے
بعد ہم دو دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے دلچسپ ہوئے۔ اس نے وہاں کہا کہ جب کل
وہ کنکشن ایسٹ وک سے ملاقات کے لئے آئے گا تو مجھ سے دوبارہ ملے گا۔

23 کوہاڑے کیسپ میں آیا پویشکل ایجنٹ اس کی ملاقات سے بہت حوش ہوا۔

دعا کے کاموں پر افاقہ کے ڈھیروں یا ہمارے سے چلے ہوئے تھے جن کو وقت پر دیاں سے نہیں چٹایا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رات دوا میں اس قدر زوردار سیلاب آیا کہ وہ اس ڈھیر کو بھالے گیا۔ سیلاب کی شدت کی وجہ سے سکھر اور موہڑی کے درمیان سستیوں کا پل بھی ٹوٹ گیا۔ جب کینٹین بیسٹ وک فیلڈ فوری سے ملا تو اس کے ذریعہ سے اترہ ہفاق کہا کہ یہاں کا دوا بھی بلوچی لٹیروں کی طرح ہے۔ اس نے بھی رات کو اراج کے ڈھیر کو غائب کر دیا۔ اس پر وزیر نے ہرجستہ جواب دیا کہ اس کے برعکس دوا نے ہمیں یہ نظام دیا ہے اور تنبیہ کی ہے کہ جب ہم غیر ملک میں ہوں تو قطعی لاپرواہی اختیار نہ کریں اور ہمیشہ چوکس رہیں۔

۳۳ آدمی کو ہم دینا حقدار کر کے دھڑی میں داخل ہوئے۔ ہمارا کیپ ایک واٹ میں تھا۔
- ۳۴ ہم دینا کے دونوں کناروں اور چ دینا میں قلعہ کے خوبصورت منظر کو دیکھ

نہایت سچ کو ہم ملازمی سے حیرانہ کے لئے روئے ہوئے۔ صبح ہم جدی پہلے اور آٹھ بجے دہر پہنچ گئے۔ یہ فاصلہ کوئی پندرہ میل کا ہوگا۔ علی محمد ہم کا ایک افسر شہر سے تین میل کے فاصلہ پر مارے اسٹیشن کے لئے آیا۔ ہم نے اپنا کیپ ایک احاطہ میں لگا جس

میں کہ ایک چھوٹا گھر قلعہ محض میں یہ ان یاروں لوگوں کی رہائش ہو سکتا ہے کہ وہ میر کے دربار میں آئیں گے۔

ابھی یہ ٹیلیگراف لکھنے کے لئے غم ہی کیا تھا کہ وہ اعلیٰ حیدر آباد دکن اور بیھل دیوان لکھے جنہیں میر نے اس کی بیعت دیوانہ کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ کپٹن ایسٹ وک نے ان دونوں کا خوش حال سے استقبال کیا اور انہیں بتایا کہ وہ یہاں ایک دن سے لیون نہیں رہے۔ اب اس لئے اس کی خواہش ہے وہ پہلی ٹرس سے جب بھی ان کو فرصت ہو جلدی ملاقات کرے۔ وہ اس پیغام کو لے کر فوراً پہلے گئے۔ شام کو عین اللہ خاں، یونیس ویز کا لڑکا اور جان محمد اسچ خاں قلعہ کے آگے اور اسے اپنے ساتھ مل لے گئے۔

عمل میں پہلے یہ میر دھرم خاں سے مل کر شیا کی رسم کے مطابق پوچھ لیا۔ اس سے پہلے میر ہوا۔ دیوار کا ہاں حیدر آباد کی طرح سے خلی خلی تھا لیکن یہاں لوگوں کا دھرم کم تھا۔ یہ بیش لکھت بھی میر کے ساتھ فرش پر بیٹھ گیا۔ دیوار میں حدود درج تھیں۔

میر دگی خاں، میر کا پکا، میر دھرم خاں، اس کا بیٹا، میر مہارک، میں اچھا سردار اور وہ بعد حیدر آباد میں ملاقات کے لئے آئے تھے۔ اس آئینہ کا حضور جیسا کہ میر نے منوم ہوا، یہ تھا کہ نہائی ٹرس سے کہا جائے کہ وہ اچھے ڈاکوؤں کو کچلنے کے لئے جلد ہی کوئی مناسب قدم اٹھائیں۔ میر دھرم نے وعدہ کیا کہ وہ جو کچھ کر سکتا ہے وہ کرے گا۔ اس نے خود کو انگریزوں کا ایک اعلیٰ گروہ دار خادم ثابت کرنے کی کوشش کی۔

امیر کی حرکتیں منوم ہوتی تھیں۔ شاید سالہ سال کے قریب آ ہو، وہ ایک خوبصورت شخص تھا اور منگھر سے معلوم ہوا کہ اسے آنے والے حالات کا ایران تھا۔ وہ اپنے خیالات رکھتا تھا اور پکا ہی تھا۔ اس کے ٹکڑوں کی تعداد آٹھ تھی۔

خبر پور ایک بڑا شہر ہے۔ کل ملی کے بنے قلعہ درمیان کے ہیں واقع ہے۔ دوسرے دن دھرم کو ایک اور دیوار منظر ہوا۔ جہاں پوچھ لیا۔ کپٹن ایسٹ وک کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ اس دوران میں کئی چٹکی منگھر ہوئی، جس میں اہم حالات بھی درج ہوئے۔ آٹھ پہ سلسلہ ایک منگھر تھا جس کے بعد دیوار برخواست ہو گیا۔ رخصت ہوتے وقت جبکہ کپٹن ایسٹ وک امیر کو خدا حافظ کہتے وقت تھا کہ امیر نے اس سے کہا: "میں تم سے ایک دوست کی حیثیت سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں تمہاری عزت دوسرے اور

انگریزوں کے عقید میں رہا کرتا ہوں کیونکہ تم سے بات کر کے واقعی مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ میرا خیال ہے کہ تم ایک اچھے بیٹائی ہو اور تمہارا دل اتنا ہی صاف ہے جیسے کہ آئینہ۔ اس لئے میں تمہیں اپنے ٹکڑوں میں سے ایک بخشا ہوں۔"

یہ سن کر کپٹن ایسٹ وک نے اوپ سے سر جھکا لیا اور اس کا مناسب جواب دیا۔ اس کے بعد ہم دھرم سے کپ کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس کے ہم چپ ہم نے اپنا سامان کا کام ختم کیا تو امیر کے پاس ایک ہار اور رخصت ہونے لگے۔ آٹھ کھٹے کی بات چیت کے بعد ہم نے ایک خزانہ کے ساتھ رخصت ہو گئے۔

30 مارچ کو ہم خبر پور سے منگھر کے لئے روانہ ہوئے۔ جہاں صبح کو دو بجے پہنچے۔ پھر وہاں اس دار میں جلدی نہیں تھی، اس لئے ہم نے آہستہ آہستہ آرام سے سڑکیا۔ راستہ میں میں نے دیکھا کہ سڑک کے دونوں کناروں پر پتھروں کے بے شمار درخت تھے۔ اس کے پھول گیسے پتے رنگ کے اور خوبصورت تھے۔ یہ درخت ہنزوں، پتھروں اور پتھروں سے بڑی شادابی کی وجہ سے بے انتہا دلکش دکھائی دیتے تھے۔ اس درخت کے اندر چلنا گویا ہوتا ہے جس کی ایک خاص خوشبو ہوتی ہے۔ ایران، بھوستان کے حکیم سے وہاں کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اگر اس کے ایک اربس گون کو گرم پانی میں ملا کر پیام کے تیل کے ساتھ استعمال کیا جائے تو اس سے صدمہ صاف ہو جاتا ہے۔ مندمی اس کی خلی سے واقف نہیں ہیں۔ وہ وہاں کو بھیجی اور دوسری جگہوں میں برآمد کر کے منافع بخش تجارت کر سکتے تھے۔

2 اپریل 1839ء کو ہمیں حکم ملا کہ ہم شکار پور جانے کی تیاریاں کریں۔ اس دوران میں مجھ پر کام کا اس قدر بوجھ تھا کہ میں سورج نکلنے سے غریب ہونے تک اپنی لٹیک پر بیٹھا رہتا تھا۔ قلعہ مجھے ذرا بھی وقت نہیں مل سکا کہ میں باہر نکلتا اور اس علاقہ کی سیر کرتا۔ بڑی مشکل سے میں نے ایک دن ایک منگھر کے لئے خود کو فارغ کیا اور اس جگہ کے مشہور راجہ شہ خیر بدین کے مزار کی زیارت کی۔ محبوبہ قہیر کا معرین نمونہ ہے۔ اسے 1029 ہجری 1619ء میں قہیر کیا گیا تھا۔

تین مارچ کو ہم نے منگھر چھوڑا اور تین دن بعد شکار پور پہنچے۔ یہاں پر ہم نے حالات کو بہت رواں فریب دیکھا۔ ہرچہ ڈاکوؤں کی اس قدر ہمت بڑھ گئی تھی کہ وہ روز شر کے اطراف میں آتے اور غریب شہزادوں کو ڈس کرے یا مار ڈالتے تھے۔ یہی سلوک وہاں چوکیداروں کے ساتھ کرتے تھے کہ وہ پڑاگوں کی حفاظت پر تھے۔ ہمارے چاہی ان سے

مقابلہ کرنے میں اس نے نااہل تھے کہ انہیں اس طاقت کی غفرائی کے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا۔ بے نزغۃ صحت مند اور درمست بنان طبع میں تو ایسے تھے مگر اندرونی طور پر وہ مقابلہ کی صلاحیتوں سے محروم تھے۔

یہاں پر میں ان کی بے ادبی کی ایک مثال دیتا ہوں۔ اس عہد کی چھ تاریخ کو نکالیں اورٹ کہ جن کا تعلق حکومت سے تھا جن کی گھرائی ایک ٹانگ اور چھ ہاتھوں کے درمیان تھی، انہیں دس ہونے ڈاکوؤں نے دوپہر کے وقت آکر پکڑ لیا۔ لڑائی میں دو شہزادوں کو تلواریں کے دھم آئے۔ دشمنوں کے خون کو دیکھ کر جیسے بھاگ کر ابھریں۔ بعد میں ایک یکن کیسٹر اس پر ٹھیکر ایکٹ کے سامنے چڑھ کر کھڑے ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اس کے علاوہ سب شخصیات سے بچ ڈاکو لے گئے ہیں۔ سر، دو شہزادوں زخمی ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ سب شخصیات سے ہیں۔

اس رپورٹ کو سن کر مجھ پر ہنسی کا اس قدر دور دورہ ہوا کہ کمرے سے اٹھ کر باہر آیا۔ یہاں میں نے اس مسئلہ کو متاثر جو ٹانگ اور پٹیکل ایکٹ کے درمیان ہوئی تھی پٹیکل ایکٹ، ڈاکوؤں کی تعداد کتنی تھی؟

ٹانگ: وہ دس تھے۔ لیکن ہم نے ان کے پیچھے گرد کاغذ دیکھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کے ساتھ اور لوگ بھی ہیں۔

پٹیکل ایکٹ: تم نے ان پر فلائیکوں میں کیا؟

ٹانگ: کیونکہ اس وقت ہم درخت کے نیچے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ یہاں سے ہم نے زخمی لوگوں کو ہمارے ہونے دیکھا۔ اس لئے ہم بھی بھاگ کر آپ کے پاس آ گئے۔ پٹیکل ایکٹ: تم بڑے اچھے پائی ہو۔

ٹانگ: اس صحت فرائی پر آپ کا شکریہ۔ میں نے بنا فرض دیا کہ وہ۔ پٹیکل ایکٹ: شکریہ۔ میرا خیال ہے کہ میں جس را اس غیر فنی رویہ پر کورٹ مارشل کروں۔

ٹانگ: جب میں اپنی بد قسمتی پر مددگار تھا کہ میں نے اپنی وقار کی کے بدلہ جناب سے یہ اعلاں دیا۔

پٹیکل ایکٹ: اب یہاں سے ایک لفظ کے بغیر چلے جاؤ، اور دیکھو دیکھو سے مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔ اپنا چہرہ دوسری طرف کرو اور تاریخ نو دی لاگو۔

میں نے دیکھا کہ اس موقع پر کمپنیز ایسٹ وک کو خسر آگیا۔ پانہ سال کی طویل مہلت میں یہ چلا موقع تھا کہ میں نے انہیں اس حالت میں رکھا۔ اس کے بعد انہوں نے فوراً بچل فوج کے ورکشاپس روانہ کر کے حکم دیا کہ وہ پانہوں کو لے کر ڈاکوؤں کا پیچہ کرے۔ پانہوں کو شش کے ان کا کوئی نام و نشان نہیں ملا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے انہیں 'اونٹنی اور دوسرے سالانہ کو زمین نے نگل لیا ہے۔ انہی بد قسمتی میں اس وقت اور اضافہ ہو گیا کہ جب گرمی بڑھی اور گرم ہوا میں چلتی شہر ہو گئیں۔ ہمیں اب یہ احساس ہو گیا کہ اگر کوئی ہمیں چھپ کر کھائے گا تو یہ کام گرمی شروع کرے گی۔ میری پھولی سی رہائش گاہ کا درجہ حرارت دوپہر میں 110 تک پہنچ گیا تھا جو کہ شام کی ٹھنڈک میں جا کر 90 ہوا۔ کوئی رات کے بعد جب ٹھنڈی ہوا چلتی شروع ہوئی تو کچھ سکون ملا، لیکن اس کے علاوہ سارے وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے جسم کی کھڑکی کھول دی گئی ہو۔ اگر صبح کی چٹ میں لڑاؤ رہا ہوتا تو اس کے نتیجہ میں موت قطعی تھی۔ اچھے ساتھ صحت مند لوگوں کو ایک دن میں سے رخصت ہوتے دیکھا ہے اور دوسرے روز ان کی موت کی خبر سن ہے۔ یہاں کے مقامی لوگ اور بھوج اس گرمی کو برداشت کر لیتے ہیں۔ سورج کی اس جڑ دھنکی میں وہ صبح سے شام تک بغیر کھانے پینے چلتے ہیں۔ یہ ہم لوگوں کے لئے جو ہندوستان میں رہتے ہیں ناقص ہے۔ یورپین کے لئے تو اس کو برداشت کرنا کال ہوا میں ہوتا۔

جب یہ گرمی مجھ سے زیادہ برداشت نہیں ہوئی تو میں نے خش کی بھیاں تیار کرائیں اور ایک ہفتی کو اس نام سے ملازم رکھا کہ وہ اس صبح سے شام تک پانی چھڑکتا رہے۔ اس کی وجہ سے مجھے کئی آرام ہو گیا۔

گیارہ تاریخ کو صبح میں نے اپنے ملازم لڑکے سے کہا: 'میرا بستر چھڑا کر سورج کی روشنی میں رکھ دے تاکہ بستر میں جو نمی ہو وہ سوکھ جائے۔ جیسے ہی بستر سے کہیں کو اٹھایا گیا تو میں نے دیکھا ایک بڑا بچہ اس کے نیچے سے برآمد ہوا۔ اس سے پہلے میں نے اٹا بڑا بچہ نہیں دیکھا تھا۔ اس کا پورا جسم کالا تھا جس پر بال ہی بال تھے۔ کمرے بھر رنگ کے اس کی مہ اور سرخ رنگ کے اس کے ڈنک پر۔ اس بچہ ایک مندر سے میں اور میرا ملازم دھشت لڑا جو کہ وہ مجھے اسی دوران میرا ایک الفان دوست جس کا نام علامہ علی خان کاٹڑ تھا جو اس شہر کا رہنے والا تھا، وہ مجھ سے ملنے آیا۔ اس نے اس کو دیکھ کر کہا: 'مخلص اللہ تم خوش قسمت ہو کہ تم موت کے منہ سے بچ گئے۔ یہ عجیب کیرا جبر را کہلاتا ہے۔ اسکا ڈنک لڑکی کا فوراً غائب کر دیتا ہے۔ لڑا تمہیں خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ جس

لے نہیں بسز کے اس ساتھی کے ہارکت اور ڈنک سے بچاؤ۔

”مجھے اس کپڑے کا کوئی ڈر نہیں“ میں نے جواب دیا تب مجھے اس وقت تک نہیں کاٹ سکا ہے جب تک کہ میری قسمت میں سے لٹکانہ کھٹا ہو۔ یہ کہہ کر میں نے اس کو مٹی کے ایک برتن میں بیچتے ہوئے اندر کیا اور پھر اس کے منہ کو بند کر دیا۔ اس کے بعد آگ چلا کر اس پر اس برتن کو ایک گھنٹہ تک رکھا جس سے وہ راکھ میں بدل گیا۔ اس راکھ کو بطور دوا درد قلعج میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ اس کی تکلیف کے لئے آزمودہ نسخہ ہے۔

مجھے بتایا گیا کہ شکار پر اور اس سے متعلقہ علاقوں کا حالات ریوے تقریباً مئی ۱۸۸۶ء میں ہے۔ اس کو ملت حصول میں تقسیم کر دیا جانا ہے۔ چار حصے حیدر آباد کے دو میروں کو جاتے ہیں (میر قور محمد اور میر نصیر محمد) باقی مئی خیر پور کے میر لے لیتے ہیں۔ مئی میں سے ایک حصہ میر مبارک کا ہے جب کہ باقی دو میر دستم کے میروں حیدر آباد نے اپنا حصہ سینہ جیت لیا کو چوں ہزار سالات کے ٹھیکہ پر دے دیا ہے۔ سینہ جیت لیا شراب کا کاروبار کرتا تھا۔ اپنی دولت، صلاحیت اور مہارت کی وجہ سے اس نے زلی کی اور اس ہندوئی تک پہنچا۔ یہ ایک لبا بٹا اور موٹا شخص ہے۔ کھا جاتا ہے کہ یہ شام کے کھانے میں ایک کھری اور ایک برائی کی بوتلی ختم کر جاتا ہے۔

خیر پور اور اس کے متعلقہ علاقوں کے ریوے کے بارے میں میرے بھر دوست جیتہ سنگھ نے بتایا کہ یہ پانچ لاکھ سالانہ ہے۔ اس آملی کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ مئی میر دستم کو جاتے ہیں، ایک میر مبارک کو اور باقی خانہ مئی کے دوسرے اراکین میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

12 تاریخ کی مچ کو کیشن ایسٹ وک کو خبر ملی کہ بلوچ ااکوؤں کی ایک جماعت مئی میل کے قافلہ پر گھمٹ میں ہے کہ فوج پر بے خبری میں حملہ کرے۔ یہ سن کر وہ بھر کو میں سواروں کے ساتھ ان کے مقابل میں روانہ ہو گیا اور جنگ میں ان کا قیام تھا یہاں دوسرے دن صبح مچ پہنچ گیا۔ یہاں پر اس نے راکھ کے ڈھیر دیکھے، جکا مطلب تھا کہ انہوں نے رات کو یہاں کھانا پکایا تھا۔ اس کے علاوہ ان کے گھوڑوں کی لید بھی وہاں پڑی ہوئی تھی۔ چونکہ راکھ صفائی ہو چکی تھی اور لید بھی خشک ہو گئی تھی۔ اس سے یہ اندازہ لگایا گیا کہ یہاں سے انہیں گئے ہوئے تھے۔ چھ دن سے گئے ہوئے ہوں گے۔ اپنی اس بات کی بھر دوشام کو تھکا ہوا واپس آیا۔

ان حالات میں اس نے یہ ضروری سمجھا کہ مقامی لوگوں پر مطلق ایک فوج تیار کی جائے کہ جو ان ااکوؤں سے مقابلہ کرے۔ اپنے اس منصوبہ کی اطلاع اس نے حکومت کو دی اور اس پر عمل درآمد کے لئے اجازت مانگی۔ چونکہ اس کے پاس زیادہ دولت نہیں تھا، اس لئے اس نے حکومت کی اجازت کے بغیر ہی اپنی زر داری پر بلوچوں کو بھرتی کرنا شروع کر دیا۔ اس نے خاص طور سے دو بلوچ قبیلوں کھوس اور کاکھیری کو اس مقصد کے لئے منتخب کیا کیونکہ ان کے تسلط ان بلوچ قبائل سے کہیں تھے کہ جو ڈیکٹیوں میں ٹوٹ تھے۔ وہ قبائل یہ ہیں اوک، بھکالی، مٹی، مری، مزاری، لغاری، ہمدی، ردر اور ہمدی۔

پہلا سوار جس کو ملازمت میں لیا گیا اس کا نام خیر بخش کھوس تھا۔ انہیں سال کا ایک خرچہ صورت فوجانہ جس کے پاس بچاس گھڑ سوار تھے۔ اس کو ان تمام کھوس اور ان لوگوں کی لکڑ دی گئی کہ جو اس کے ذریعہ سے بھرتی ہوتے تھے۔ اس طرح پر سرب زر ایک شکل نام تھا کہ چونکہ مجھے برس جس اسات نام اور اس کی شکل لکھنی پڑتی تھی، لہذا مجھے ان کے چوں اور ہل و صورت اور ان کے لیلیاں نکالنے کو غور سے دیکھنا پڑتا تھا۔ جس کی وجہ سے ان میں سے کچھ میرے لوہے اور دودھ سے بچتے تھے۔ ان میں سے کچھ نے تو مجھے جادوگر سمجھا شروع کر دیا اور میرا امتحان لینے کی غرض سے کہ کیا میں اس کا نام اپنے رجسٹر میں تحریر کر سکتا ہوں یا نہیں؟ وہ آدھ کہنے لگے۔ تے اور پوچھتے کہ یاں کا نام کھوس ہوا ہے یا نہیں۔ جب میں رجسٹر میں دیکھ کر ان کا نام لکھا تو حیرت سے ان کے منہ کھلے کے کھلے رہا جاتے تھے۔ ان کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ ان کی عمر کیا ہے؟ وہ لوگ کے جن کی واقفیت میں سفید پل آگئے تھے اس پر حیرت کرتے تھے کہ ان کی عمر چالیس یا پچاس سال ہے۔ جب ان میں سے ایک سے میں نے پوچھا کہ کیا اسے معلوم ہے کہ آخری گھوڑہ سکران کو میراج علی خان نے منہ سے کب نکالا تھا تو اس نے خود کہا، ”پچھ سال پہلے کی بات ہے۔ اس وقت میں لاکھ تھا اور سو بیسوں کو پرانے کے لئے منہ اپنی ٹیلیں سے چرکاوا میں جاتا تھا۔“

اس کی اس حیرت پر میں اپنی اپنی حیلہ نہیں کر سکا کہ کب یہ واقعہ ۱۷۹۹ء میں ہوا تھا۔ اس حساب سے اس وقت اس کو پورے ستر سال کا ہونا چاہئے تھا جبکہ وہ اصرار کر رہا تھا کہ اس کی عمر چالیس سال ہے۔ اس کو میری اپنی پند میں لگ گیا۔ لہذا میرے ہاتھ کو پکڑتے ہوئے کہے لگا۔

”میرے دوست! دیکھتے ہیں تو تم صحیح الطریقہ مسلمان نظر آتے ہو لیکن چونکہ تم ایک

خوبی عرصہ سے ان کافر فرنگیوں کے ساتھ ہو، اس لئے تمہارا خیر مرچکا ہے اور تم اپنے مسلمان بھائیوں کی بہت پریشانی کرنے پر تیار نہیں ہو۔"

میں نے فوراً اس سے معافی مانگی اور کہا کہ اسے میری بیسی پر ناراض نہیں ہونا چاہئے کیونکہ بد قسمتی سے میری یہ عادت ہے۔ درود جہاں تک میرا تعلق ہے میں اپنے مسلمان بھائی کی ہر بہت پریشانی کرنے کو تیار ہوں۔

26 تاریخ کو ہمارے پاسوں نے اگر اطلاع دی کہ شہر میں ایک مشہور ایرانی آیا ہوا ہے۔ ہم فوراً اس سے ملنے کے لئے گئے اور دیکھا کہ اس کی رہائش گاہ پر دو اونٹ مسلمان لئے کھڑے ہیں۔ جبکہ اس کے لازم سڑکی تیار یوں میں مصروف ہیں۔ گفتگو کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ وہ ایک شریف شخص ہے اور اس نے لوگوں سے مختلف موضوعات پر بات کرنا پسند نہیں کیا، اس لئے اس کے پاس میں غلط رسع قائم ہوئی۔ ہمارے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ ایک درویش ہے۔ اس کا نام نور شاہ ہے اور اس کا دواوی معاہدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن پولیٹیکل ایجنٹ نے اس سے کہا کہ جب تک وہ اس ملک میں آئے کی کمال اطمینان و اعتماد نہیں دیتے گا، وہ خود کو ایک قیدی تصور کرے۔ ان الفاظ کو سن کر وہ حیران و مشہور رہ گیا اور ایک ایرانی کی ہائپر فصیح و بلیغ فارسی میں اس نے احتجاج کرنا شروع کر دیا۔ لیکن اس کی خوبصورت زبان کا کوئی اثر نہیں ہوا اور اسے بعینہ حکومتی قیدی کے بنی لے جایا گیا۔

دوسرے کو مجھے خان پور جانے کی دوسری سوچی گئی جگہ یہاں سے جہاں سب کے فائدہ پر تھا۔ یہاں مجھے کمال خان سے ملنا تھا جو کہ لاہوری قبیلہ کا سردار تھا۔ مجھے اس کو کانا کرنا تھا کہ وہ پولیٹیکل ایجنٹ سے ملے اور حکومت کی ملازمت میں آجائے۔ اس کو آنا کہنے کے لئے مجھے یہ دلیل دینی تھی کہ اس کو اور اس کے قبیلہ کو جو تکلیف بھار خان لادکی مشہور ڈاکو سے پہنچی ہے اس کو وہ مد نظر رکھے۔ میں آدمی درجن ہونچوں کے ساتھ اس سے ملنے کے لئے روانہ ہوا۔ میری خوش قسمتی کہ راستہ میں میرے مقابلہ ڈاکوؤں کے کسی گروہ سے نہیں ہوا اور میں بحفاظت کوئی راستہ کو وہاں پہنچ گیا۔ میرے دست میں جو بلوچ تھے وہ بڑے خوش طبع اور بیسی لڑاقی والے تھے۔ ہم جیسے ہی کٹھنٹھ سے نکلے اور باہر کی کھلی فضا میں آئے، ایسے ہی ان کا موڈ بدل گیا اور انھوں نے ہنسنا گانا اور باتیں کرنا شروع کر دیں۔ میں نے بطور تجسس ان سے پوچھا کہ اگر ہم پر ڈاکو حملہ کریں تو کیا رہے گا؟ اگر یہ ہو تو پھر جواب میں ہمیں ان پر حملہ کرنا چاہئے۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے کسی دینے

ہوئے کہا کہ ہمیں سلسلہ میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ کسی ڈاکو کو اس وقت تک تم پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوگی کہ جب تک ہم چھ لوگوں کے شوق پر یہ سر ہیں۔"

کمال خان نے میرا استقبال ایسی ہی کر بخوش سے کیا کہ جیسے کہ صحرائوں کے قبیلوں میں مسلمانوں کی عزت افزائی کی جاتی ہے۔ اس نے وہ فریہ کھوں کو دعوت کے لئے دوست کو دیا اور کچھ پرانے کچھ سے اس پر کلف دعوت میں نے اور اس کے کچھ رشتہ داروں نے شرکت کی۔ اس کے بعد ہم نے نماز پڑھی۔ ان لوگوں کے اصرار پر میں نے محبت کی اہمیت کی۔

سولے سے پچیس میں نے اپنے مشن کے بارے میں کمال خان سے گفتگو کی اور اس کو بتایا کہ ملازمت کے نتیجہ میں اس کو بے انتہا فوائد حاصل ہوں گے۔ اس نے ملازمت کو قبول کرنے میں اپنی رشتہ داری کا اظہار کیا اور کہا کہ اسے اور اس کے قبیلہ کو انگریزی مفاد کے لئے کام کرنے میں فخر ہو گا۔ مگر ایک شرط یہ ہوگی کہ وہیں معاملات میں بالکل دخل نہیں دیا جائے کیونکہ اس کو بتایا گیا تھا کہ انگریزوں کا یہ دستور ہے کہ پچھلے ملک پر قبضہ کرتے ہیں اور پھر لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ ان کا مذہب اختیار کریں۔ میں نے اسے یقین دلایا کہ اس سلسلہ میں اسے کوئی گھر نہیں کرنی چاہئے اور اسے اس قسم کے قصوں کہتوں پر یقین نہیں کرنا چاہئے کہ جو دشمنوں کے پھیلائے ہوئے ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ کوئی ایک مثال بھی دے سکتا ہے کہ جس میں انگریزوں نے کسی کو مجبور کیا ہو کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ کر ان کا اختیار کرے۔ انگریزوں کی دوا داری کے ثبوت میں میں نے اس سے کہا کہ وہ خود فوج کے دستوں کو دیکھے کہ جو انگریزوں کے ماتحت ہیں۔ یہاں پر ہر مذہب اور ذات کے لوگ ہیں اور وہ حکومت کی دخل اندازی کے بغیر اپنے مذہب و عقیدے کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ اس کی دسے میرے پاس کیا ہے جو کہ انگریزوں کے ساتھ یا کس سال سے رہا ہے۔ یہ سن کر اس نے شہادت کی انگلی اپنی دونوں آنکھوں پر رکھی، جس کا مطلب تھا کہ وہ میری بات کا دل و جان سے یقین کرتا ہے۔

دوسرے دن صبح کو کمال خان کی ہمراہی میں ہم خان پور سے روانہ ہوئے اور آٹھ بجے صبح نکلا پور میں ایکسی پیج گئے۔ میں نے اسے پولیٹیکل ایجنٹ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کو فوراً اس کے ساتھیوں کو سترجیل کھنی کی ملازمت میں لے لیا گیا۔ ان سے وہ یہ گیا کہ وہ برطانوی مفادات کے ساتھ وقار و دیں گے۔

20 تاریخ کو دوستوں کے اصرار پر میں شہر میں ایک عجیب و غریب صورت کے شخص کو دیکھ گیا۔ اس کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوا کہ اس کو بدستہ وقت قدرت نے اپنے معمول کے طریقہ کو بدل دیا اور اس کو باقی کی طرح سے ایک سوڑ دے دی۔ یہ سوڑ اس کے ہاتھ سے شروع ہو کر اس کی تھوڑی تک آئی تھی۔ وہ صرف اپنی بائیں آنکھ سے دیکھ سکتا تھا کیونکہ اس کی دائیں آنکھ سوڑ کے گوشہ سے چھپی ہوئی تھی۔ اس شخص کی عمر تقریباً بیس سال ہوگی۔ اپنی طور پر وہ بالکل صحت مند تھا۔ کیونکہ جب میں نے اس سے مدھی میں کئی سوالات پوچھے تو ان سب کے ہاں نے معقول جوابات دیئے۔

ہمارے پاس کئی دیکھنے والے لوگوں کے لئے ایک اور مشکل آئی وہ تھی کہ ان کے لئے یہ مشکل تھا کہ وہ کسی طرح سے بے طرح رہ گزریں اور ڈاکٹروں کے درمیان فیصلہ کریں؟ جب بھی وہ ہمارے ملازم بلوچوں کو نیچے کے قریب دیکھتے تو اس وقت میں یا میں متالی فنی بھاگ کر ان کو پکارتے تھے۔ پھر انہیں یہ دردی سے ہارنے پڑتے اور بعض کو تو دھمی حالت میں ہمارے سامنے لاتے۔

ہم نہیں چاہتے تھے کہ یہ بے شہرہ ہماری ملازمت میں آئے ہیں اور جن کو ہم آہستہ آہستہ مدھار رہے ہیں اس سلوک سے انہیں ناراض کریں۔ اس لئے ہم نے ان سے کہا کہ وہ بطور شناخت ہماری حالت دیکھ لیں۔ اس کے لئے ہم نے اپنی مشکلوں سے انہیں کاناہ کیا اور یوں انہوں نے خود کو ہمارے خونِ خدمت میں دے دیا۔

وہ مئی کو پولیکل ایجنٹ نے حکم دیا کہ میں اس کا گھوڑا کہ جس پر اس نے مجھے سواری کی اجازت دے دی تھی اسے سواری خانہ بھائی کو دے دوں۔ وہ اس شرط پر ضرورت گھوڑے پر سوار ہو کر بلوچوں کی ایک جماعت کے ساتھ ڈاکٹروں کے تہذیبی شہرہ روانہ ہو گیا جس وقت وہ گیا ہے اس کا پتہ گھوڑا اسیٹل میں گرمی کی شدت سے وہ تھا۔ شام کو وہ واپس آیا اور ظاہر یہ کیا کہ ڈاکٹروں کے خلاف اس کی قسم کا میوب دہی اس کے غصے کے طور پر وہ ایک ڈاکو سرکٹ لایا تھا تاکہ پولیکل ایجنٹ پر جی برادری کا رعب بھاسکے۔ وہ غریب گھوڑا کہ جو اس دھمی سوار کو واپس لایا تھا، جیسے ہی اسیٹل میں اس پر سے زمین اتاری گئی وہ فوراً گر کر مر گیا۔

اس وقت تک گرمی ناقابل برداشت ہو چکی تھی۔ گرمی کی شدت کو دیکھنے کے لئے میں نے کچھ انڈے دھوپ میں رکھوا دیے۔ یہ چائیس منٹ کے اندر اندر پک کر تخت ہو گئے۔ سات تاریخ کو ہمارے انہوں نے مصری خانہ کھوسہ کی رہنمائی میں ڈاکٹروں کی ایک

جماعت پر حملہ کیا۔ لڑائی کے دوران مصری خانہ کے دو دھم آئے۔ ایک شلت پر اور دوسرے جاگ پر۔ لیکن اس نے کامیابی کے ساتھ چار ڈاکٹروں کو گرفتار کر لیا۔ جن کا تعلق ڈوکی اور دھمی قبیلوں سے تھا۔ یہ مشہور نامزد رحمان ڈاکو کے ساتھیوں میں سے تھے۔ پولیکل ایجنٹ نے ہمارے گورنر کے گورنر دھمی خان سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے؟ گورنر نے فوراً کہا کہ انہیں سخت آفتاب کے بعد مزائے موت دے دی جائے۔ پولیکل ایجنٹ اور دوسرے انگریز بھی اس پر حلق ہو گئے مگر بعد میں یہ فیصلہ ہوا کہ ان پر تشدد نہیں کیا جائے بلکہ صرف مزائے موت دی جائے۔ لہذا ان کو ایک ایک کر کے ہر روز چھانسی دے دی گئی۔

جب میں نے اس رجعت ناک مزائے کے بارے میں انہیں بتا دی تو اس وقت میرا دل دور دور سے ویزک ہا تھا۔ میں نے خاص طور سے اس شخص کی جانب اشارہ کیا کہ جسے دوسرے دن چھانسی دی جائے والے تھے تو یہ سن کر اس نے سبہ اٹھا لاپرواہی سے کہا "جے کی رضا خدا کی"

جہاں تک مصری خانہ کا تعلق ہے تو اس کے دھم کو ہمارے ڈاکٹر نے جاننے کا کر اس پر ڈرنگ کر دی۔ اس عرصہ میں اس نے ہرے سے کسی قسم کی تکلیف کا اظہار نہیں کیا۔ ڈرنگ کے بعد اس نے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کیا اور بغیر کسی کی مدد کے گھر چلا گیا حالانکہ ان دنوں کی وجہ سے اس کے جسم سے کافی خون بہہ چکا تھا جس سے اس کا چہرہ ماس بھرا ہوا تھا۔ اس کو رخصت کرتے وقت میں نے اظہار السوس کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اس کے دھمی ہونے کا السوس ہے کہ اس کی قسمت کی غربی سے یہ سب کچھ ہوا۔

اس کو بد قسمتی مت کہو" اس نے غصہ سے جواب دیا "جیہ وہ عزت ہے کہ جو ہر ایک کے حصے میں نہیں آتی ہے۔ ان دنوں کے ننگان مجھے جسم پر پیشہ رہیں گے اور میری بیماری کی یاد دلاتے رہیں گے۔"

اس کے بعد میں نے اس کی جلد صحت یابی کی دعا کی اور اس کو رخصت کیا۔

گیدر ہواں باب

دوسرے دن صبح کو ملاری رجسٹ کے ایک دست اور گورنر کے مسخ آدمیوں نے ایک قیدی کو ساتھ لیا تاکہ اسے شہر کی دوسری جانب لے کر چھائی دی جاسکے۔ لیکن وہ یہ کہ غلطی سے اسیوں نے گج قیدی کے بجائے ایک دوسرے قیدی ڈرک ڈرک کو لے لیا۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ کیونکہ تمام قیدیوں کو مڑانے موت کا حکم سنایا جا چکا تھا اور انہیں ایک کے بعد ایک کر کے چھائی دی جاتی تھی لیکن غریب ڈرک کی زندگی کے دن دوسروں سے پہلے پورے ہو گئے۔ وہ چھائی تک بغیر ایک لفظ کے گیا۔

11 تاریخ کو ہمیں اس لڑائی کے بارے میں اطلاع ملی کہ جو بجٹی کی رجسٹر کچھ ہو گیا گھڑسوا دیوں اور خانان گڑھ کے کھوسوں کے درمیان ہوئی تھی۔ اس کے نتیجے میں چار آدمی مارے گئے جبکہ ایک مسیحا اور اسٹر ایجنٹ زخمی ہوئے۔ کھوسوں کے تین آدمی قتل ہوئے۔ اس لڑائی کی وجہ یہاں کا یہ جانا تھا کہ کھوسہ قبیلہ کے آدمیوں نے قلعہ سے جو دستاورد اشارے لکھے اسے چارے آدمیوں نے قلعہ سے دور کھینچا۔ جس کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا۔ دوسرے دن لڑھیل اور قیدیوں کو پولیٹیکل ایجنٹ کے مدعو لایا گیا۔ اس نے قیدیوں کو فوراً پھول ڈالا اور جو زخمی تھے ان کا علاج معالجہ پورٹین ڈاکٹر سے کر لیا۔

درو کی ایک شاخ پر ایک بڑا سالانہ میلہ منعقد ہو۔ ہر سال یہ میلہ کو خراج تحسین دینے کے لئے منعقد کیا جاتا ہے۔ میں اس کو دیکھنے گیا۔ بعد میں حوروں و عروہ کی ایک بڑی تعداد تھی۔ اس موقع پر میں نے ہندوؤں کی خوبصورت عورتوں کو بغیر نقاب کے دیکھا، مجھے یہ کہنے میں کوئی الجھن نہیں کہ ان میں کچھ اتنی ہی خوبصورت تھیں کہ جتنی انگلستان کی عورتیں۔ ہر طرف لوگ خوشی سے چر رہے تھے کہ میں نے ایک مجلس میں دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص کہ جس کی لمبی سفید داڑھی تھی وہ منہ سے یہ کہہ رہے تھے ایک خوبصورت لڑکی بھاری تھی۔ والدہ نے رقص کر دیا تھا۔ والدہ نے لڑکی کو روک گیت گا رہے تھے جس میں پورے گا پر مسرت رقص اور عورت کی سرلی آواز لے کر عجیب مجلس پیدا کر رہی تھی۔

18 تاریخ کو میں بیٹھ سگہ جو ڈنگریا ساہوکار ہے اس سے ملنے گیا۔ اس کے پاس دو

دیورت بطور رہن رکھے ہوئے تھے ان میں سے ایک نے خوبصورت مرد کی بالوں دیکھیں۔ یہ دونوں دھوکے سے بڑے تھے اور ان میں کوئی نقص نہیں تھا۔ اس کی قیمت میں چار روپے تھی کہ جنہیں اٹھارہ ہزار میں رہن رکھا گیا تھا۔

ظہار پور دو یا تین کے لئے بغیر کسی گورنر کے رہا۔ بیٹھ لی تاکہ یہاں کا گورنر تھا اس کو کہا گیا کہ اسے اس عہدے سے ہٹایا جانا ہے اس لئے وہ روپوش ہو گیا۔ پھر حیدر آباد سے قریب ایک دھکی طور پر اسے موقوف نہیں کیا جاتا ہے۔ لہذا اس حکم نامہ کو اس کے دوستوں نے اس کے خیمہ مقام پر پہنچا۔ اس پر وہ دوبارہ سے پلٹ میں گیا۔ لیکن ابھی وہ روپوشی سے ظاہر ہوا تھا کہ یہ خبر آئی کہ اس کا مخالف گورنر ہو کر آیا ہے۔ یہ سن کر وہ دوبارہ سے روپوش ہو گیا۔

نیا گورنر، سائیکل شو کا لڑکا قتل شاہ تھا۔ یہ 26 تاریخ کو ظہار پور پہنچا۔ آتے ہی پوچھنا ایجنٹ سے ملاقات کے لئے آیا۔ ملاقات کے وقت اس نے میران جہد آباد اور وزیر کی جانب سے ایجنٹ کی خوبصورت دریافت کی۔ اس نے اس بات کا اظہار بخش کیا کہ اس کی حکومت کا یہ منصوبہ کہ سابق گورنر کو چھوڑ جائے وہ بالام ہو گیا ورنہ وہ اپنے اور اپنے آقاؤں کے لئے اس سے خیر رقم وصول کرتا۔

پھر جون کو مسٹر دوس کل بحیثیت سٹے پریشل ایجنٹ کے گیا۔ اس کی ظاہری شکل و صورت تو بڑی دلکش تھی مگر میں نے جلد ہی دیکھ لیا کہ اس خوبصورتی کے پیچھے غور اور بے باقہم کی خوبصورتی ہے۔ وہ دوسرے تمام لوگوں کو خود سے بے احتیاط اور حیرت بخشتا تھا اور حکومت کے ملازمین کے ساتھ ایسا سلوک کرتا تھا جیسے کہ وہ اس کے غلام ہوں۔

مسٹر دوس کے کام کرنے کا طریقہ بھی بالکل مختلف تھا۔ اس کا مجھے اس سے پہلے کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ اسے اپنے چمتوں پر کوئی اگتوت تھا اسی لئے وہ لوگ بھی اس کیسے تھے کوئی ہمدردی نہیں رکھتے تھے وہ صوفے پر لیٹ کر اپنے خوشہ فشی کو خلوت کھواتا تھا۔ اس غریب کی اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ فرش پر یا گری پر بیٹھ جاسکے۔ اسے یہ خطوط حرف بہ حرف لکھا پڑتے تھے چاہے ان کا کوئی مطلب نہ ہو۔ کچھ وقت وہ کھڑا رہتا تھا۔ وہ دولت کو کرپٹ سے ہاتھ بٹا کرتا تھا۔ اس لئے میں سوچتا تھا کہ کوئی ہے جو اس زست کو زیادہ عرصہ برداشت کرے گا؟ اگر مجھے پولیٹیکل ایجنٹ کے برابر بھی تھکوا دی جاسکے تو میں اس کام کو قبول نہیں کر سکتا۔ لیکن میرا دوست تری بیبا اور اس کے ساتھی اس عیلائی پر خوش تھے۔

ایک صحیح کمپوٹن ایسٹ وک نے مجھے اپنی بالائی سندھ کی روایت پیش کی کہ اس کی عبادت کی صحیح کروشول۔ اس وقت وہ اس کمرے میں تھا کہ جہاں مسٹر دوس تل اپنے فنی کو غلام لکھوا رہا تھا۔ میں نے یہاں سوالات کے جواب دیئے کہ جو مجھ سے پوچھے گئے تھے۔ جب میں کمرے سے باہر جانے والا تھا تو میں نے اسے غلام جملہ لکھواتے ہوئے خاکہ جو اس کے فنی نے اسی طرح سے لکھ دیا تھا۔ وہ اس کو دودھ سے پرہیز کرنے آگے لکھنے کے لئے تیار تھا۔ یہ سب کچھ کہ اگر یہ جملہ اسی طرح سے غلام لکھا گیا تو اس سے بڑا بڑی مفادات کو نقصان ہوگا۔ میں نے اضطرابی طور پر فوراً اس فنی کو دوست کر دیا۔ اب یہ اس عظیم شخص نے انتہائی خوں غوار نظموں سے مجھے گھورا جیسے کہ یہ مجھے کچھ ہی لگ جاتے تھے۔ لیکن میں نے اس کی کوئی پروا نہ کی اور واپس اپنی لکچر پر آ گیا۔ شام کو مسٹر ایسٹ وک نے مجھے بتایا کہ مسٹر دوس تل میری دخل اندازی پر سخت خسر ہوا تھا۔ میں نے جواب میں کہا کہ یہ میرا حساس فرض تھا کہ جس نے مجھ پر کیا کہ میں اس غلطی کی تلافی کروں۔

24 دن کی رات کو بارہ بجے مجھے گرمی فیر سے جگا گیا۔ اس وقت ابھری میں میری طبی ہوئی۔ جب میں بیاں گیا تو دیکھا کہ مسٹر ایسٹ وک اور دوسرے قتل ایک قاتل کا گھر لے چکے ہیں۔ جب میں گیا تو مسٹر قتل نے کچھ فرانسیسی زبان میں کہا میں اس کا مطلب یہ سمجھا کہ وہ مسٹر ایسٹ وک سے پوچھ رہا ہے کہ کیا ہم اس کو احتیاط میں لیا نہیں۔ جب اس کو اس کا مثبت صورت میں جواب ملا تو اس نے یہ کفایت مجھے دے کر کہا کہ میں پڑھ اس کے متن سے انہیں آگاہ کروں۔ جیسا کہ مجھ سے کہا گیا تھا میں نے ایسا ہی کیا۔ میرا خیال ہے کہ یہ خطوط اس حکیم آدمی کی مدد حاصل کرنے کی غرض سے بھیجے گئے تھے جب میں نے خطوط پڑھ دیئے اور اس حکیم آدمی نے اس کے لوٹس لے لئے تو اس نے اس موضوع پر ایسٹ وک سے فرانسیسی زبان میں بات کی۔ پھر مجھے حکم دیا گیا کہ میں فوراً حکمرانہ ہو جاؤں کہ جہاں مجھے بلا کر داخل غوری کو ایک اہم پیغام پہنچانا ہے۔

پنجمہ 25 آرمی کو صبح کے وقت میں شکارپور سے روانہ ہوا اور گیسواں بیچے صبح وزیر کے کیمپ شکارپور پہنچ گیا۔ میں نے اسے پیغام پہنچایا۔ اس کے ساتھ نافذ کیا۔ اس کے بعد ایک پرسکون اور لطیف جگہ، خصوصی جہاں میں نے اور میرے گھوڑے نے آرام کیا۔ جہاں سے میں نے اپنے مشن کی رپورٹ لکھ کر اپنے ایک سیپائی کے ہاتھ کیپٹن ایسٹ وک کو روانہ کر دی۔ میں نے چار گھنٹہ آرام کیا۔ اگر اسے آرام کہا جائے تو یہ کہ میں درخت کے سایہ میں تھا وہاں درجہ حرارت 116 آگر کی تھا۔ پھر میں عین بیچے شکارپور کے لئے

روانہ ہول۔ جہاں میں رات کو گھبراہٹ ہے۔ اٹھا تھا بارہ پہنچا۔

24 جولائی کو مجھے یہ ڈنہ واری سوچی گئی کہ میں حیدرآباد کے وزیرِ اسامی شہ ہے جا کر لوہوں کہ جو اسی روز صبح نکلتے سے آیا تھا۔ اس کی عمر پچاس سال کی اور بھلی تھی اور حقیقت میں اب وہ دوش و دھاس کو پکا تھا۔ اس کے آٹھ لاکھ تھے جو حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ گنا جانا ہے کہ وہ اپنے خزانہ میں ہائی لاکھ روپے نقد رکھا کرتا تھا۔ اس کی جاگیر میں کئی گھوس تھیں۔

29 جنوری کو کینٹن ایسٹ وک کوہا ایسٹ ملٹی کمرہ چھوڑا دیا جانے اور وہاں رہنے لگا۔
 چارم سٹیج پر۔ میں نے اپنے دوست سسٹنٹ پرنسپل فیکلٹی کو خطوط لکھے اور واپس
 چھوڑا جانے کی گزارشیں شروع کر دی۔

میں نے شہر میں اپنے دوستوں سے رخصت ہوا جن میں عبدالرحمان درانی جو مولف کا
استیصال کرنا تھا، قتل کر کے اس شریف آدمی نے انگریزی معیار کے مطابق اعلیٰ تہذیبی
قدار کو اپنا لیا تھا۔ اس کی بیوی بطیمہ بیکہ لورڈس نے اس کے دوستوں سے ملاقات کرتی
تھی۔ یہ بیوی خوش قسمتی تھی کہ میں اس خاتون سے کئی بار ملا اور بات چیت کی۔ اس بار
جب مجھے ان سے ملاقات کی دعوت ملی تو میں ان خاتون اور اس کے صاحب شہر کے
ساتھ کھانا کھایا۔ یہ خاتون اپنی خوبصورتی اور دلکشی میں شکارچر کی تمام عورتوں سے بڑھی
ہوئی ہے۔ اپنی فہمت، صلاحیت اور قابلیت میں یہ اپنے صاحب شہر سے بہت آگے ہے۔
وہ اس کے اشرافوں پر تاج ہے۔

عورتوں کو عورتوں کی سوسائٹی سے دور رکھنا اگر یہ معیوب خیال کرتے ہیں۔ لیکن ہم جو سچے مسلمان ہیں "عورتوں کو علیحدہ رکھنا پسند کرتے ہیں۔" مگر یہ اپنی عورتوں کو اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ آزادی کے ساتھ رہیں۔ ان کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ "سے پہلے میں بائبل کے طور پر عیش اور زندگی سے پورا پورا لطف اٹھائیں۔" عورتیں "جو کہ آسمان پر رہیں" نہ جانے کتنی "دل کی سازشوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔" کتنے "پتے شریف" ہمارے ہیں کہ جو اس غیر مذہبی لہجہ کی وجہ سے بچہ و بھاد ہو گئے۔ صرف "لینن" ہیں "اسی بازار عورتیں ہیں کہ جو خراب کردار کی وجہ سے رجسٹر ہیں۔" اگر ہم "نصیر شری" حضور "مہجنت اسٹیٹ" پر شام کی چمیل قدمی کے لئے جاؤ تو یہاں تم کتنی بے اختیار غیور عورتوں کو کھڑے پاؤ گے کہ جن کے رشتہ داروں اور دوستوں نے انہیں "محفوظ" ہے۔ اب یہ عورتیں ہمدردی کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ میں کسی کو

تصور دار لکھنا چاہئے؟ میں صرف یہی کہوں گا کہ اس کی وجہ یہ نام سلتھ ہے کہ جس نے انہیں اس لیے روا دہی پر مجبور کیا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ تمام مسلمان عورتیں باعزت و عصمت ہیں۔ ٹیکل اور ہٹی دو کی طرح ہیں۔ ان میں پہلی صاف رنگ کی ہے جبکہ دوسری کالے رنگ کی۔ اس لئے کوئی ایسا معاشرے نہیں کہ جو اس قسم کی خواتین سے دوچار نہ ہو۔ لیکن مسلمانوں میں جو بائبلوں اور حدود ہیں اس کی وجہ سے میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ شریعت کے ان قوانین سے برائی رنگ ہے اور ٹیکل پھولن چڑھتی ہے۔ مسلمان عورتوں کا زیادہ وقت چنے پھنے پانچ وقت کی نماز پڑھنے، پادری خالے میں کھانے پکانے اور گھر کے دوسرے کام کاج میں ہی گذر رہا ہے کہ انہیں اس بات کی فرصت ہی نہیں ہوتی کہ اپنے چاہنے والوں کے بارے میں کچھ سوچ بھی سکیں۔ ان کی شادی والدین کی مرضی سے ہوتی ہے جو ان کے مورد و دست ہوتے ہیں اور جن کا دیہاتی معاملات میں تجربہ ان سے زیادہ ہوتا ہے۔ لڑکی کو لہجہ ہونے والے شوہر کو دیکھنے کا موقع کسی کوئی کسی سوراخ سے مشکل ہی سے ملتا ہے جب تک کہ لڑکے و لڑکی کا نکاح نہ ہو جائے، ان کے درمیان کسی قسم کا ہنسی تعلق پیدا نہیں ہوتا ہے۔ نکاح کی رسم حکومت کی طرف سے مقرر کئے ہوئے قاضی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اس وجہ سے شادی ہر قسم کی برائیوں سے پاک ہوتی ہے اور میاں بیوی کے جھگڑوں و کینوں کو ختم کر کے ان میں انس و محبت پیدا کرتی ہے۔

پرنہ عورت کو بہت سے فریبوں سے بچانا ہے جو کہ ذہن کو اپنی گرفت میں لیتے ہیں اور دینی حلقہ بندی اپنے پیچھے تلخ پچھتاوا چھوڑ جاتی ہے۔ چونکہ ہماری عورتیں اس رخ اور اقتدار سے واقف نہیں ہوتیں جو کہ یورپ میں خوبصورت عورت حاصل کرتی ہے اس لئے جب اس کی خوبصورتی ختم ہوتی ہے تو اسے اس کی کوئی تکلیف نہیں ہوتی ہے۔

12 اگست 1839ء کو ہم شکار پر سے حیدر آباد آئے ہم نے دریائی سفر کے لئے دو کشتیاں کرے ہیں۔ شر سے دیکھل سے واسطے پر مڑا کی یہ شرح سے ہم ان پر سوار ہوئے۔ رفت سے موقع پر کہیں ایسے دوپ نے ہٹی مشکل سے اپنے پیٹے والوں سے چھٹکارا حاصل کیا۔ ان میں سے کچھ تو ہولے ہوئے تھے کہ لے شر سے چھ باہر سے ملے۔ تک آئے چھ کہ اس وقت دریا میں پانی بہت تھا اس لئے اس کا منظر بڑا خوبصورت تھا۔ دریا کے دونوں کناروں کی دلکش آکھوں کو بھی دیکھی تھی۔

ہر حال کشتی میں ہمیں نہیں دشمنوں سے ٹھٹھا تھا۔ سورج کی چمک کشتی کے چہرے اور

دریا کے منظر چلا پورے دن اہل طاقت کا منظر ہوتا تھا۔ دوسرا ہماری فہر میں نکل ڈالنا تھا۔ تیسرا رات میں ہمارا خون چڑھتا تھا۔

ہمارے سفر کے بعد اپنی کشتیوں کو کھینچے اور کھینچے ہوئے ہم 15 تاریخ کو ایک بار پھر سفر جاری کیا۔ یہاں مجھے کچھن ایسٹ وک کے چھوٹے بھائی سے مل کر خوشی ہوئی۔ یہ پرنس ایسٹ کا اسٹوٹ ہونے والا تھا۔ یہ کالی شرقی زبانوں کو جانتا ہے۔ یہاں پر ہم نے یہ جہاز خرید لیا۔ یہیں پر ہم نے یہ بھی خریدی کہ سرکین نے غزنی پر قبضہ کر لیا ہے۔

ان کے ساتھ کے سیاسی حالات ہٹی تیزی سے خراب ہو رہے تھے۔ نیا پرنس ایسٹ اس صورت میں مصروف تھا۔ خصوصیت سے بریکنگ جزل سے۔ اس قسم کا رویہ ہمارے دل میں بے حد خراب ہوتا ہے۔

ہم شکر سے 24 کو روانہ ہوئے اور 28 کو شریعت سے حیدر آباد پہنچ گئے۔ اہل ہم مشکل ہی سے کچھن بے ڈی ٹیکل کی صحبت میں پانچ دن گزارے تھے کہ کچھن ایسٹ وک سخت بخاری میں مبتلا ہو گیا۔ اس لئے اسے پہلے ٹھیکہ اور پھر کراچی جانا پڑا۔ میں مسہ سادہ مسلمان کے ٹھیکہ میں رو گیا۔ مجھے خود کو بھی کئی بار بخار کا مہم ہوا۔ چونکہ مجھے کسی ڈاکٹر سے دوا نہیں مل سکی۔ اس لئے میں نے اپنا علاج خود کیا۔

15 جنوری کو سخت گرمی تھی۔ لیکن رات بہت حد تک ٹھنڈی تھی۔ آسمان پر خوبصورت ناکسے جھمکا رہے تھے۔ چانک آسمان پر پائل آئے اور پھر سخت بارش ہوئی۔ اس سے پہلے میں نے سندھ میں یادداشتوں کے تین طوفان دیکھے تھے۔ مگر یہ ان سب کا اپنا تھا۔ بہت سے قمران کے خیر کھوے کھوے ہو کر ہوا میں اڑ گئے۔ لیکن میرا خیال ہو کہ کئی برسوں کے سارے پھر یہ میدان میں تھا۔ اسی طرح سے کھڑا رہا لیکن پانی اس قدر گہرا کہ میرا سبز اور دوسرا فریجیر تیرنے لگا۔ یہ سلسلہ دو گھنٹے تک جاری رہا۔ صبح آٹھ بجے ہمارے موسم کی کشتی میں۔ آسمان صاف تھا۔ 20 تاریخ تک موسم طوفانی رہا۔

11 اگست 1839ء میں۔ ایک بھانجک منظر دیکھا۔ 28 اگست کی چھ کشتی کے ایک سپاہی نے پرنس ایسٹ کے دو کشتی میں۔ یہ ایک مریض تھا کہ جس کی عمر تیس سال کی تھی۔ اس شخص کی محبوب بیوی کا انتقال دس دن پہلے زہلی کے دوران ہو گیا تھا جس کے بعد اسے اپنے ان بچوں کی دیکھ بھال کرنی تھی۔ ان میں پندرہ سالہ سال اور تیسرا نو سو دو تھا۔ اس کو بحیثیت سپاہی کے تخت دی گئی تھی۔ ان میں بیویوں میں گھر جانے کے بعد اس کی شکل خوب دیکھی گئی اور اس کے سامنے سوائے اس کے اور کوئی مل نہیں

ہمارے معصوم بچوں کو مار کر خود اپنی زندگی کا خاتمہ بھی کر سکتے۔ چنانچہ دس بیٹے اس سے اپنے بچوں کے گلے کاٹ کر پہلے نہیں ہلاک کیا اور پھر خود کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔
میں اس کی باتوں کو دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو نہیں پاسکا۔ اس حادثہ کی وجہ سے میری پوری رات انتہائی غراب گزری۔

19 اکتوبر کو کینٹن ایسٹ وک ٹیم کے خلاف میچ ہوا۔ اس کے بعد 21 تاریخ کو ہم ریڈنگ کی ٹیم کے کام کے سلسلہ میں حیدر آباد روانہ ہو گئے۔ چونکہ اس بار ہم میچوں کے خلاف تھے اس لئے وہاں پہنچنے میں چار دن لگ گئے۔ وہاں جانے کے بعد یہ دیکھ کر مجھے سخت المیہ ہوئی کہ میرا دوست کینٹن لیگ ٹیم کی طرف سے ہے۔ مجھے اتنا کھڑو ہو کر پڑھوں کا واسطہ ہو گیا تھا۔

29 تاریخ کو مجھ پر ہمارا سخت حملہ ہوا۔ یہ ایک بڑا بڑا میچ تھا۔ جس نے میری توانائی کو چس لیا اور مجھے اس قدر کمزور کر دیا کہ میں بغیر کسی کی مدد کے بستر سے اٹھ نہ سکتا تھا۔ کینٹن ایسٹ وک کی ٹیم کے لئے ایسی ہی تھی جیسی کہ باپ کو بیٹے سے ہوتی ہے۔ خدا اس کو اس سبوتا کی حالت سے۔ وہاں کوئی حکیم یا ڈاکٹر نہیں تھا کہ جس سے معالج کی جاتی۔ میرے لئے سٹار اور ایک سٹار بڑی ہی دوا دیا تھی۔ نو دن کے بعد بیماری میں اللہ ہوتا شروع ہوا۔ اس کے بعد شہر کے شہت نے تین دن کے اندر اندر صحت یاب کرنا شروع کر دیا لیکن بیماری نے مجھے اس قدر کمزور کر دیا کہ کچھ دنوں تک نہ تو میں چل سکتا تھا اور نہ کھڑا ہو سکتا تھا۔ اسی مدت میں رمضان کا مہینہ آ گیا۔ میں کمزوری کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکا۔

ایک دن میں ریڈنگ کی ٹیم کے کپتان کے باہر چل کر دیا تھا کہ ایک لڑکا جس کا نام تھا میں اٹھا اور کتوں کے لپٹا سامان اٹھائے ہوئے میرے پاس آد۔ ایک اچھے مسلمان کی طرح سلام کرنے کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا بڑے صاحب اندر ہیں اور کیا وہ ان سے مل سکتے ہیں؟ میں نے اسے ایک ٹیبلٹ دیا۔ پھر وہ شہر کا قلعہ سمجھا اس لئے اس کو دروغی سے جواب دے کر وہاں سے ہٹ گیا۔ اس کے بعد وہ ریڈنگ کی ٹیم کے دوستوں کے گھر میں چل گیا۔ اس کی حالت حال کو دیکھ کر سے اندر جانے سے روک دیا۔ اس کے بعد وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور اپنے قبیلے سے ملنے کا ایک ٹکڑا لٹال کر اسے کھانے میں مصروف ہو گیا۔ جس قدر کے بعد میں اپنی ہاتھ لگا کر وہاں گیا۔ پتہ نہ کر پتے وقت مجھے اس کی مصیبت زندگی کا خیال آیا اور میں نے اپنے ایک ملازم کو کہا کہ وہ اس کے لئے دوا اور شہر لے جائے۔ لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو مسافر کا کمرہ پتہ نہیں

تھا۔ دوسرے کو جب میں کچھ کافورات سے کینٹن ایسٹ وک کے کمرہ میں گیا تو یہ دیکھ کر میری حیرت میں رہی کہ وہی شخص انگریزی لباس پہنے ہاں بیٹھا ہے اور کینٹن ایسٹ وک سے ٹیمس انگریزی میں بات کر رہا ہے۔ میرا اس سے تعارف گرایا گیا۔ اس کا نام کرلن تھا۔ میں نے اسے انتہائی تعلیم یافتہ اور باصلاحیت پایا۔ وہ بہت سنی فاری اور عربی زبانیں اس قدر سمجھتا تھا کہ اس سے مجھ سے اس سے رابطہ ہو تو میں نے اسے مقامی شخص ہی سمجھ کر جواب دیا۔ وہ ٹکٹ سے اسی حالت میں یہاں تک آیا تھا۔ 21 تاریخ کو اس نے دوبارہ سے وہی جگہ پر لا اور یہاں سے ریل کے لئے روانہ ہو گیا۔ میں نے وہاں سے 24 سالہ میں لندن میں دیکھا۔

27 تاریخ کو ہمیں قزاق کی جنگ کی خبر ملی۔ اس سے ہمیں پتہ چلا کہ عراق خراب ہوا کیا اور قلعہ بے قلعہ ہو گیا۔

دوسری جنگ کو میونس کو اس کی سرکاری طور پر اطلاع دی گئی۔ یہ خبر سن کر انہوں نے حکم دیا کہ انہیں انہوں کی سلاوی دی جائے اور شام کو شہر میں چڑھال کیا جائے۔ نئی طور پر ہمیں معلوم ہوا کہ میونس کو قلعہ کی فتح کی خبر سے انتہائی المیہ ہوا اور اس کے سوار کی موت سے وہ بے انتہا المیہ ہوئے کیونکہ اس سے یہ صرف ان کے قریبی تعلقات تھے بلکہ اس سے رشتہ داری بھی تھی۔ میرے بھائی کے باپ میرا ملازم تھے اور عراق کی ایک بہن سے شادی کی تھی۔ دیا کے طور طریق یہ ہیں کہ ایک بھتیجا اس بہن پر مجبور ہے کہ اپنے چچا کی وفات پر غمی میں چڑھ جائے۔

کم دیکھ کر کینٹن ایسٹ وک کو دوبارہ سے بخار آ گیا جس کی وجہ سے ایک بار پھر وہ بستر پر بیٹ گیا۔ ایک ہفتہ تک اس نے انتظار کیا کہ اس کی طبیعت بحال ہو جائے مگر جب وہ دوبارہ بخار پڑا اور وہ کمزور ہوتا رہا تو پھر ہم نے کراچی جیلے کا فیصلہ کیا۔ 8 تاریخ کی صبح وہ ریل کی کو میڈیٹ ڈاکٹر لاک کی نگرانی میں دہلی کے بعد نام روانہ ہوئے۔ اس آئینہ خضر میں قیام کیا اور یہاں تاریخ کو کراچی پہنچے۔ ہمارے ملازموں کی حالت بھی ہم سے زیادہ غراب تھی۔ میرا ایک ملازم حسن تھا جس کا بھائی صحت مند نہ تھا اس کو میں نے بھی چار پتہ سے نہ کھاتے ہوئے میں دیکھا۔ لیکن اب بخار نے اسے کھٹکھٹا کر رکھا جس میں اس کا دل پروردہ تھا۔ میں نے سوچ دیکھ کر اسے ایک سردی سبکی کے درجہ سے دھن بھر دیا۔

ان حالات میں میرے اندر بڑے بڑے گھٹے تھے۔ میں نے کینٹن ایسٹ وک سے

میں بیٹے کی پھلی کی درخواست دی۔ جو اس نے فوراً منظور کر لی۔ اس نے مجھے مندرجہ ذیل سند دی اور میری دیکھ بھل کے لئے عہد انکم نامی چٹائی دیا۔

میرا مٹی بھٹ اللہ مجھ سے عین بیٹے کی رخصت کے کر سورت میں اپنے خاندان سے لئے جا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حالات اس قسم کے ہوں کہ یہ واپس نہیں آسکے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس کی رخصت پر اس کی خدمات کے سلسلہ میں اپنے گھر سے جذبات کا اظہار کروں۔ میرے دل میں اس کی بحیثیت ایک دوست اور استاد بڑی عزت ہے۔ مجھے یہ مواقع ملے ہیں کہ گیارہ سال کی رفاقت میں اس کے کردار کو قہر سے دیکھ سکوں۔ اور میں پورے وقت سے یہ کہتا ہوں کہ اس جیسا مقامی بعد مقامی میری نظر میں اور کوئی نہیں ہے۔ میں بہت کم ایسے لوگوں سے ملتا ہوں کہ جو اس کے برابر کے ہوں۔ اعلیٰ جذبات، احسانیت، لہجہ و جواب جو کہ ایک مذہب و شریف آدمی میں ہوں، علم کا شوق اور اسی کے حصول کے لئے ہے اتنا محنت یہ وہ خوبیاں ہیں جو اس کے علاوہ کسی اور میں نہیں ملے نہیں دیکھیں۔ اگر ایسا ہی اور بڑی تعلیم کے فوائد کو مد نظر رکھا جائے تو میں اس کا مقبول اپنے بہترین ہم وطن سے کر سکتا ہوں۔ میں یہ اضافہ اور کرتا ہوں کہ میں اس کے احساں کو بھی فراموش نہیں کر سکتا ہوں۔ اگر وہ اس کردار کا مالک رہا تو میں بیش اس کی دوستی پر فخر کروں گا۔ ایک شخص دوست کی حیثیت سے میری یہ دعا ہے کہ وہ جہاں چاہے جائے وہ صحت مند کامیاب اور خوش حال رہے۔

انجیلو جے۔ ایسٹ وک

اسسٹ ریڈیٹنٹ مندر

کراچی۔ 19 دسمبر 1938ء

اس وقت سورت جانے کے لئے کھلی جہاز نہیں تھا۔ لیکن ایک مندرجہ مٹی حرقی جس کا کپتان قاسم تھا وہ شک مجھیں کو لے کر پہنچی جانے والی تھی۔ میری معلومات پر کپتان نے کہا کہ وہ مجھے ترقی ہندو گاہ پر بھجوا دے گا۔ "قاسم" میں نے اس سے صاحب ہو کر کہا۔ ہمیں خوشی سے جمادی کشی پر سفر کرنے پر تیار ہوں، مگر مجھیں کی بدو میری صحت کے لئے مصلوب نہیں ہوگی۔ "بہ شاید اور لڑا ہوا تیار کر دے۔"

میرے دوست اس کی کچھ فکر نہ کر دے۔ اس عظیم المیہ مندرجہ میں لے گیا۔ میں فرارے لئے علیحدہ سے ایک کین تیار کر رہا تھا۔ جہاں جس کسی قسم کی ہو نہیں آئے گی۔ اگر قاسم مندر میں تیار ہو جاتے ہو تو مجھے یقین ہے کہ مندر کی ہوا جلد جس صحت

اب کرے گی۔"

اس قسم کی حشرانہ باتوں کی وجہ سے میں ایک دم جانے پر تیار ہو گیا اور 19 دسمبر کو میں نے اپنا ساں رشتی مٹی کو دیکھے ہیں اس میں رکھنے کے لئے روانہ کر دیا۔

20 تاریخ کو میں اپنے آکا سے رخصت ہوں میں نے دعا کی کہ وہ زندگی میں کامیاب اور خوش و سرت حاصل کرے اور خدا اس کی بھی اسی طرح سے نگہبانی کرے جیسے کہ وہ مجھے حفاظت سے سورت پہنچائے۔ گورنر صادق شاہ اور کراچی کے مشہور تاجر طاؤل نے مجھے ساحل تک آکر الوداع کیا۔ میں نے انہیں آخری بار خدا حافظ کیا اور ایک کشی میں بھر کر رشتی میں سوار ہونے روانہ ہوا۔

جب میں کشی پر پہنچا تو مجھے یہ دیکھ کر بے انتہا المیہ ہوا کہ یہ اوج سے نیچے تک پھیلنے سے بھرا ہوا تھا۔ وہ کہیں بھی کہ ہو میرے لئے جی اسکاں بھی پھیلنے کے بدلے اور اور بے گئے انداز میں پڑے ہوئے تھے۔ پستان ساحل پر تھا اور کشی پر کوئی اور نہ رہا۔ تو میں نہیں تھا کہ جس سے بات کی جاتی۔ میں نے کشی کے عمل سے کہا کہ جب تک وہ بھی کہیں کو صاف نہیں کریں گے میں جس میں سوار نہیں ہوں گا۔ انہوں نے بڑے مذہب انداز میں جواب دیا کہ وہ میرے آرام اور سہولت کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن مجھے کپتان کی واپس تک رکنا پڑے گا۔ میں نے جہر کے عرش پر اپنے بستر لگایا اور دور کرنے کی غرض سے اپنے ارد گرد لیوڈر چھڑکا اور جیسے ہی میں نے تعمیر پر سر رکھا فوراً ہی میں گہری غیر میں فرق ہو گیا۔ میری آنکھ دوسرے دن صبح اس وقت کھلی کہ جب درجہ ایک ملحق آوازوں میں لنگر اٹھاتے ہوئے اور پردیاں کھولتے ہوئے چچ دہار کر رہے تھے۔ چونکہ ہم سب ایمان دے تھے اس لئے سڑ سے پہلے ہم سب نے خدا تعالیٰ سے امن و امن میں رہنے کی دعا کی۔

صبح کی گھنٹی ہوا اگلے جہاز کے اوج سرسراتے ہوئے گزرنے لگی۔ خود جلد ہی کراچی ہارنی نظروں سے غائب ہو گیا۔ 21 کی شام کو ہم گھوڑا پاری کے سامنے تھے۔ 22 تاریخ کو اپنے نئی سوپ کی مدد سے میں کچھ کے ساحل کو دیکھ سکا تھا۔ 23 تاریخ کو ہم نے میانہ پھاڑوں اور جگت پراحت سے گزرے۔ 24 تاریخ کو پورا دن بڑا خاموش رہا اور ہم بھی کھانسی کے ساتھ آگے بڑھے۔ کپتان نے میرے لئے کین کو عمل طور پر صاف کر دیا تھا اور اپنے آویس کو حکم دیا تھا کہ وہ میری خدمت کے لئے تیار رہیں۔ پھیلنے کی یہ میں آہستہ آہستہ ہر روز کم ہونے لگی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میری ناک اس کی عادی ہو گئی

تھی۔

25 دوسرے کو کریم کے دن ہم دہلی میں کے سامنے تھے۔ یہاں پہنچ کر میں نے لیدر کیا کہ میں یہ کتنی چھوڑ دوں۔ جب میں نے کام سے درخواست کی تو اس نے فوراً میرے امکانات کی قبیل کی۔ ہم دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ میں نے اس کو بطور خندہ کچھ روپیہ پیش کئے جو اس نے شکر کے ساتھ قبول کر لے۔ میں نے کام کو ایک اچھی کیفیت کے طور پر پایا۔ اس کی طبیعت میں کوئی ناچ نہیں تھی۔ اسے اپنی عزت کا بڑا احساس تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ دوسرے سندھیوں کے مقابلہ میں بالکل جدا طبیعت کا ایک تھا۔

نواب آف ہوناگرہ کی جانب سے اس جگہ کا گورنر اب تک میرا پرانا دوست سید عبداللہ بھٹا تھا۔ اس کے بارے میں سز پٹنن نے اپنے سفر نامہ میں بڑی تحریف لکھی ہے۔ اس نے میرا کرم بخشی سے استنباط کیا۔

یہاں دو دن میں نے شکار و شریعہ کیلئے گزارے۔

27 تاریخ کو میں نے سید کو خدا حافظ کہا اور جعفر آباد کے لئے روانہ ہوا۔ چونکہ میں نے لاکھپور میں تین سال گزارے تھے اس لئے میں اس کے ہر حصے سے پوری طرح واقف تھا اور میرے لئے یہاں کسی گائیڈ کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے میں نے مندرجہ ذیل پروگرام کے تحت سفر کیا۔

تاریخ	مکان و نام	میل
27	ڈالنج	14
28	کوری بار	10
29	لوناہ	12
30	روہیا	12
31	جعفر آباد	6

میرے لئے جعفر صاحب کی چل قدمی کی طرح تھا۔ میں ہر روز کچھ تیز اور جنگی کیڑوں کا شکار کرتا تھا۔

میرے جعفر آباد پہنچنے پر میرے شہنشاہ اس جگہ کی ہندوستانی افریقیوں نے کیا۔ یہ جموں کے حشی سردار کی جانب سے بھیجا ہوا وفد تھا۔ سرئی عمر گورنر نے قلعہ میں مجھے بڑی عمدہ جگہ بطور رہائش دی اور کہا کہ میں اس وقت یہاں رہ سکتا ہوں جب تک کہ میں سورت

جانے والی کشتی میں سوار ہوں۔ جعفر آباد اور لوناہ کی آبادی آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہے۔ آج سے دو سال پہلے جب میں نے ان شہروں کو دیکھا تھا اس وقت سے بے گراں ہو چکا ہے۔ ان میں بڑا فرق ہو گیا ہے۔ اب ہر شہر میں مکانوں کی تعداد چند سو کے قریب ہو گئی ہے۔ جب میں نے اس کی وجہ پوچھی تو پوڑے گورنر نے مسکرا کر کہا کہ آبادی کو طوفانی طائر کی وجہ اچھی حکومت ہے۔ میں نے فوراً کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ لوناہ نواب آف ہوناگرہ کے ماتحت ہے جس کی حکومت اس کی اپنے واسطے کے مطابق ظالمانہ ہے۔ اس نے جواب دیا کہ لوناہ کا گورنر نواب کا ظام ہے جو کہ ایک اچھا آدمی ہے۔ اگر اسے گورنر کے حوالے پر قرار دیکھا گیا جس کے کہ امکانات کم ہیں تو یقیناً ہے کہ لوناہ کا شر جعفر آباد کے مقابلہ میں زیادہ ترقی کرے گا۔

جعفر آباد ایک بڑا شہر ہے۔ یہ تین جاگیروں میں سے ایک ہے۔ یہ تین جاگیریں ہیں 'جبرا' جو پہلی کے قریب ہے، جس میں سات گاؤں کے 'سورت' کے قریب اور جعفر آباد 'برجہ' نامی ہے۔ یہ پانا کے پٹنن نے سرئی عمر کرم خاں کو جسے تینوں ناموں میں نام لکھا ہے 1791ء میں بطور جاگیر دے دی تھی۔ شہر میں ایک قلعہ اور فیسٹنس ہیں۔ ان کو مرمت کی ضرورت ہے۔ جعفر آباد کی بندرگاہ اچھی حالت میں ہے اور چھوٹے جہازوں کے لئے بہت اچھی ہے۔ اس بندرگاہ سے منافع بخش تجارت، یعنی 'سورت' اور گجرات کے دوسرے ساحل شہروں میں ہوتی ہے۔ یہاں روٹی، گھی اور مویشیوں کو درآمد کیا جاتا ہے۔ اگر اس کا بحر ہنگام کیا جائے تو یہ یقیناً ایک اچھی جگہ بن سکتی ہے۔

بارہواں باب

یہ نما سہل میں نے جعفر آباد میں وہاں کے گورنر سہل محمد کے گھر میں اس کی مصلحت تواری سے لطف اندوز ہوتے ہوئے شروع کیا۔ سہل محمد ایک آہن، مذہب و عوام دوست انسان ہے۔ کچھ بارہ مہینوں کے اندر خود میں نیکو ایسے گورنر سے مل گیا ہوں کہ جو ایک ذات میں کلام تھا۔ جو لیا بدور کا آئندہ خواہش اور جعفر آباد کا سہل محمد وہ نظام کہ جو، چھ مہینوں میں وہی کی بنا پر مہل ہوں تو ایسے لوگ آزاد لوگوں کے مقابلہ میں بہتر ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غلامی کے دوران اطاعت گزاری انہیں یہ سکھا دیتی ہے کہ اپنے، محنتوں سے کیسے پرکھ کرنا چاہئے لیکن حوالہ مرا اس واقعے میں نہیں آتے ہیں۔ ابتداء ہی سے ان کے ساتھ جو خالانہ سلوک کیا جاتا ہے اس کا جدید سہل اثر ان کی ذہنی صلاحیتوں پر پڑتا ہے، اس کے رد عمل میں وہ سازشی، کینہ پرور، ختم الخراج اور بے رحم ہو جاتے ہیں۔ ان میں دوستانہ دھار دہی کے تمام جدیدات ملحق ہو جاتے ہیں۔

2: جوہری کی شام کو میں سہل محمد سے رخصت ہوا اور ایک جہاز میں سورت جانے کے لئے روانہ ہوا کہ جس میں چوٹا لڑکا ہوا تھا۔ دس تاریخ کو مجھے لڑکے کی جانب سے گل میں بلایا گیا جہاں میں اس سے اور اس کے دو دہاندوں سے مل گیا۔ لڑکے نے مجھ سے حسب روایت بڑی مہربانی کے ساتھ ملے اور مجھ سے میرا ان سندھ کے سہلات پر تفصیل سے کھگو کی۔ اس نے افغانستان میں انگریزوں کی کامیابی کے بارے میں بھی سوالات کئے۔ پہلی لڑکی کی صحبت بہت اچھی ہے۔ لیکن اگر انہیں اخلاقی معیار پر پرکھا جائے تو ان میں برائیاں نظر آئیں گی۔ ان کی صحبت میں کینہ، کپٹے درجے کے لہجہ شوک ہیں۔ میں نے انکار کیا کہ ان کے مصاحب اب پہلے سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔ وہ انیم کے نشہ کے ساتھ ساتھ اب شراب کے بھی رسیا ہو گئے ہیں۔ ان کو اس رن پر لگانے والا یا ان کو پکڑنے والا ان کا وزیر محمد علی ہے۔ جب بھی پہلی لڑکی اپنے مصاحبوں کی محفل میں حشر کرتے ہیں، وہ "ہاں جناب" بالکل گج ہے، بے شک بے شک اور اسی قسم کے خشنودانہ ہنسنے ہوتے رہتے ہیں۔ چاہے لڑکے کی باتیں حق ہیں یا باطل، یا ان کے مشاہدات درست یا غلط، ان

کے مشاہدات صحیح ہوں یا غلط، یہ ان سب کے جواب میں سر ہلا کر انہیں درست کہتے رہتے ہیں۔ بعد میں جب میں ان کے دہاندوں سے ملا تو وہ مجھ سے مل کر بے انتہا خوش ہوئے۔ انہوں نے بھی اپنے سر کے طور طریقوں پر تنقید کی اور انہیں برا کہا۔ گل جانے اور وہاں سے واپس آتے ہوئے میں نے کچل مروجہ گل ہوئی آگ کے چاہ کہ اثرات دیکھے۔ تقریباً آدھ شہر جل کر راجہ ہو گیا ہے۔ شاندار مکانات کی صرف دیواریں باقی رہ گئی ہیں کہ جو جہت کا حال پیش کرتی ہیں۔

30: تاریخ کو میں نے لڑکے کی بیٹی لڑکی اور میرا کبر علی کی بیوی کی وقت پر اس کی تجیز و تحنیں میں شرکت کی۔ وہ اس سچ کو پہنچ گئے حق کے مرض میں وقت پانگلی تھی۔ اس کی عمر صرف انیس سال تھی۔ اس کے چار بچے ہوئے مگر ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ خالانہ دہریہ لڑکیوں کے مقابلہ میں اچھی طبیعت کی تھی۔ وہ اپنے باپ اور شہر سے بے انتہا محبت کرتی تھی۔ اس کی بے وقت موت کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ سوئی میں اس کے ساتھ خالانہ سوک کر گئی تھی۔ چونکہ یہ عورت لڑکے کی بیٹی ہے اس لئے کسی کو صحت نہیں ہوئی کہ اس کی مخالفت کر سکے۔ چونکہ میرا کبر علی کو دس دن ہوئے کیکھاڑ بھڑا بھیج دیا گیا تھا اس لئے وہ اپنی محبوب بیوی کی تجیز و تحنیں میں شریک نہیں ہو سکا۔ اس خالانہ نے ایک غریب منہ کی بیٹی کو اپنا لیا تھا جس سے وہ اپنے بچوں کی طرح محبت کرتی تھی۔ اس کا نام اس نے اپنی بیوی پر دلائی خاتم رکھا تھا۔ اس خاتون اور مصوم لڑکی کی آواز پکارتے ہوئے مجھ پر اس قدر اثر کیا کہ میں بھی اس موقع پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اسی حالت میں نے گل کو پھوڑ اور جنازے کے ساتھ شامل ہوا۔ اس وقت تک مجھے بالکل اندازہ نہ تھا کہ یہ لڑکی اس کے میں کر میری بیوی بنے گی اور میرے بچوں کی ماں ہوگی۔

بانچہ میرے تک میں نے اپنے غمی کے پرانے پہلو کو جاری رکھا۔ مگر میری خواہش تھی کہ مجھے حکومت کی کوئی ملازمت مل جائے، اس غرض سے میں مسٹر علی سے ملنے گیا۔ ہوا یہ کہ جب میں مسٹر علی سے ملے پہلے حیاں چڑھنے لگا تو ایک مسٹر میر نے جو ایک کمرہ سے نکل رہا تھا مجھ سے "خدا کے لئے آپ سے تانا" انداز میں تو میں اس قسم کے استقبال سے حیران و ششدر ہو کر رہ گیا کہ ایک دوست کہے یہ کہہ سکتا ہے لیکن جب میں

نے میڑھیوں پر نھر ڈال تو دیکھا ایک کلا سناپ کڈی مارے چہ کوٹھار کرنے کے لئے تیار ہے۔ مسٹر جگر چونکہ اس کے قہیب تھے اس لئے سناپ نے انہیں قسم سے گھورا لیکن اس بھلور بیسکی نے اپنا ہوتا اتارا کہ جس پر کچلیں تھیں اور وہ اس کے سر پر دے ادا چونکہ یہ اس کے جسم کے ٹازک حصہ پر پڑا تھا اس لئے وہ تقریباً اس غریب سے قہم ہو گیا۔ حیرت یہ کہ مسٹر بیلی نے اسے اور دوسرے ملازموں نے اسے مار کر ختم کر دیا۔

اس کے بعد میرے ایک اور شریف بیروان نے مجھے ادھر آنے کی دعوت دی۔ میں کہنے میں جا کر پہنچ گیا مگر جو حادثہ ہوا تھا اس نے میرے دل کی دھڑکنیں تیز کر دی تھیں۔ زبان گنگ تھی اور چوہ بیٹا پڑا ہوا تھا۔ جب میں نے پانی کا ایک گلاس پیا تو اس سے میرا احساں بخیر کم ہوا۔ میں نے مسٹر بیلی سے کہا کہ انسان کی خواہشات اور عزائم اس کو دنیاوی معاملات میں ابھار کر اس کی چٹنی کا باعث بنتے ہیں۔ یہی حال میرا ہے کہ میں اپنی موجودہ آدمی سے مطمئن نہ ہونے کی وجہ سے اس خواہش کے ساتھ یہاں آتا تھا کہ کوئی مکرست کی ملازمت حاصل کر سکوں۔ لیکن مجھے اس کے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔ میری زندگی اور میرا مقصد دونوں ہی ختم ہونے والے تھے۔ وہ پوچھا شریف آدمی میری باتوں میں کڑکھایا اور کہنے لگا کہ

"ملف اللہ ان معمولی حادثوں سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہماری زندگی خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے ہم کے بغیر اسے کوئی نہیں بچیں سکا ہے۔"

اس نے کہا کہ وہ اس وقت مجھے ایک معمولی سا وعدہ پیش کر سکتا ہے۔ یہ کلرک اور حرم کا ہے جس کی نگہداشتیں مدیہ ملتا ہے۔ مزید یہ کہ وہ مجھے نہیں روکے بھلور قہس کے دے گا اگر میں اس کی بیٹی اور بیٹے کو بعد متنبی زبان پڑھا دوں۔ اس شخص کو میں نے فوراً قبول کر لیا اور اپنے سر پرست کا اس کی مولیٰ اور مجھے سلوک پر شکر ادا کیا۔

۱۹ دسمبر کو میں پہنچ گیا تاکہ مسٹر ایسٹ وک کو خدا حافظ کہوں۔ وہ بیماری کے بعد اپنی صحت کی بہتری کے لئے انگلستان چلے گئے۔ ہم ایک سال کے وقفہ کے بعد ایک دوسرے کو دیکھ کر بے انتہا خوش ہوئے چونکہ اب اسے بیمار نہیں تھا اس لئے ہم نے ٹھیک موضوعات پر کئی گفتگوں کی۔ چونکہ اسے اگلے اسٹیر سے جانا تھا اس لئے میں سارے وقت اس کے ساتھ رہا۔ وہ اس کی جانب سے کئی سرکاری خطوط لکھے۔ ساتھ ہی میں اس کی ذاتی ضروریات کا بھی خیال رکھا۔

میل جنوری 1841ء کو جب ہم ایک دوسرے سے رخصت ہونے والے تھے تو اس نے

میری سفارش کرتے ہوئے مسٹر بیلی کے نام ایک خط لکھا۔ مجھے کچھ رقم اور چند چیزیں بطور تحفہ دیں۔ میں نے اس سے کہا کہ میں تو صرف اس سے ملنے کے لئے آیا تھا کہ یہ تھے تحائف لینے۔ لیکن جب میں نے دیکھا کہ اس سے اس کو الموس ہو رہا ہے تو پھر میں نے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی۔ دوسرے کو میں نے اس کو ہر گز تک سے جاننے کے لئے ایک آرام دہ گاڑی کا انتظام کیا۔ میں گاڑی میں اس کے ساتھ ہی بیٹھا اور اس کو مضبوطی سے اپنی گرفت میں لئے رکھا کیونکہ اس وقت مروی سے وہ کانپ رہا تھا۔ اس حالت میں میں نے اسے دیکھ کر اسٹیر پر سوار کرایا۔ اسے ایک طون میں لے جا کر ایک میز پر لٹا دیا گیا۔ یہاں میں نے مروی سے پچا کے لئے اس پر چادر ڈال دی۔ اس کے بعد مجھ سے ہر چھوڑنے کے لئے کہا گیا۔ میں نے اسے دھڑکنے والی اور آسمان بھری آنکھوں کے ساتھ الوداع کیا۔ پھر میں نے ان مصائب کے بارے میں سوچا کہ جو اسے اس بیماری کی حالت میں اور اس طویل سفر پر پیش آئیں گے۔

خدا کی وہ مخلوق کہ جس کی کچھ ضرورت ہوتی ہے اور جو کم علمی کا شکار ہوتی ہے وہ بہت آسانی سے خوشی یا غم سے متاثر ہو جاتی ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ قادر مطلق لا محدود طاقت کا مالک ہے۔ اس کے لئے یہ ناممکن نہیں ہے کہ جس کو چاہے صحت دے اور جس کو چاہے طراب میں مبتلا کر دے۔

پانچ تاریخ کی رات کو سوت چلنے والی ایک کشتی میں میں سوار ہو کر اور خدا کا نام لے کر سفر روانہ ہوا۔ کشتی کی سوانقت میں اس قدر قہس تھی کہ جیسی کہ اسے ہونا چاہئے تھا لیکن گیارہ تاریخ کو ہم اپنی منزل مقصود پر بحفاظت پہنچ گئے۔ لیکن سفر کی تکالیف اور پیچیدگیوں نے ہمیں بدلی طرح سے تھکا دیا تھا۔ 12 تاریخ کو میں "فس" گیا اور کینس ایسٹ۔ یہ کا خط مسٹر بیلی کو ملا۔ خط پڑھا کہ اس نے دعا کیا کہ جیسے ہی سے موقع ملا وہ میری ترقی کے لئے کوشش کرے گا۔

سب معمول میں نے اپنے فرائض کی ادائیگی شروع کر دی۔ یہ فردی کو مسٹر بیلی کو مکن ضلع میں ساتھ کے لئے روانہ ہوئے اور مجھے کہا کہ اس سر میں "دکٹر کے دوسرے ملہ کے ساتھ" میں بھی چلوں۔ میں نے سفر کی تیاری کی اور ان کے ساتھ سورت پار ۱۷۲ پر سوار ہو گیا۔ یہاں سے ہم ملت تاریخ کو آرام سے اپنی منزل کر لیا پہنچ گئے۔

جب ہم کر لیا نظر انداز ہوئے تو یہاں پر میں نے کچھ بھونٹے بھونٹے دیکھے کہ جن میں ہم ریت لوگ دھتے تھے۔ یہاں تین مکانات تھے جن میں سے ایک سرکاری

شراب پیچ کر لے گا کارخانہ تھا۔ دوسرا ایک پادری کا گھر تھا کہ وہ اس کا انچارج تھا اور تیسرا کارخانہ سرائے تھا جسے بھیجی کے ایک باغ اور شریف غصہ علی مدگے کاغذ لے خیر کرایا تھا۔ اس خیر کے پیچھے اس شخص کا کلائی جذبہ کار لیا تھا کہ اس کارخانہ سرائے سے ساحل کو آرام پہنچے۔

کر لیا اور اس کے گرد و نواح کی کتب و ہوا صحت بخش ہے۔ اس کے غنی جانب سے مستعدی ہوائیں آتی ہیں۔ اس خواہش سے کہ میں نے تقریباً دو سو بیسے آرام سے گزارے۔

30 مارچ کو ستر بجی نے خود نو بنگری جانے کی تیاریاں کیں۔ مجھے اور دوسرے کلروں کو حکم دیا کہ ہم پھر آجاکران کے قائم مقام ستر لنگ فوراً سے ہیں۔ ستر بجی کے تحت کام کرنے والے تمام سٹاف کو اور خصوصیت سے مجھے ان کے جانے پر انہوں نے ہوا کیونکہ وہ علی بابا، ہمدرد اور شرفانہ خوجوں کے مالک تھے اور ہم سب لوگوں کی ملازمتوں سے بخل و اکتفا تھے۔ رخصت کے وقت انہوں نے بہت اچھی تعریفیں دیں۔ ساتھ ہی میں انہوں نے اپنے جائزوں کے نام خلا لکھا کہ جس میں میرے بارے میں اچھے کلمات تھے۔ مجھے کچھ رقم بھی بطور انعام دی۔

دوسرے دن ہم پہلی پہچے۔ صبح کا ناشتہ کر کے بعد میں نے کچھ گاہیاں برائے پ لیں۔ ایک اپنے سلمان، ایک مدرسن اور ایک اپنے کتے یہاں سے ہم پھر کے لئے روانہ ہوئے جہاں ہم تیار صبح پہنچ گئے۔ صبح کے وقت جب ہم پہلی سے روانہ ہوئے والے تھے تو میرا ایک بد معاش ملازم رحیم مجھے دغا دے گیا۔ وہ سودا سٹاف کے سامنے ہزار گیا اور پھر واپس پلٹ کر میں آیا۔ میں نے اس کا پرے ایک گھنٹہ انتظار کیا اور ہزار میں ہر گز اس کو تلاش کرایا۔ جب اس کا کوئی لہجہ نہیں ملا تو میں نے خود گاڑی میں اپنا سامان رکھا اور کوٹش کی کہ اپنے سفر کو آرام دہ بناؤں۔

پھر میں نے پہلی پادری سرے میں لکھ۔ پادری مالک کی لڑکی جیسی صورت تھی۔ اس کا چہرہ بڑا دلکش تھا اور اس نے موہوگی کے ہاتھوں کو چھوٹا بنا دیا تھا۔ جیسے ہی اس سے بات چیت شروع کی جاتی تھی تو اس کے ساتھ اس کی حرکتیں لکھوں کے حیرت کو دہی کر دیتے تھے۔ یہ انگریزی تہذیب کے معیار کے مطابق سبب لڑکی تھی۔ میں اس کو ہاتھ لکھتا ہوں کہ میں نے اس کے خواہشات ہاتھوں سے کھانے و پینے کی چیزیں کیں۔

شام کو میں نے اور ہیڈ کلرک دونوں پہاڑی پر واقع مکان میں ستر لنگ فوراً سے ملے گئے تاکہ ہم ان سے اپنے بارے میں دریافت کیں۔ مکان پر پہنچ کر ہم نے بیٹھ کر دیکھا کہ ہم ماضی کے لئے آئے ہیں۔ اس پر ملازم نے آکر ہمیں بتایا کہ "اس وقت تک انتظار کرو کہ جب تک ہمیں جانے کو نہیں کہا جائے۔" دو گھنٹے انتظار کرنے کے بعد ہمیں ماضی کی اجازت ملی۔ ہم ان کے سامنے گئے اور ہنس کر جواب کیا۔ اس نے فوراً ہیڈ کلرک سے پوچھا کہ کیا ایسا کوئی ضروری کام ہے کہ جس میں اس کی اشد ضرورت ہو۔ جب اس نے کہا ایسا کوئی کام نہیں تو ہمیں بغیر کچھ کے جانے کو کہا گیا اور حکم دیا گیا کہ ہم دس دن کے اندر اندر سورت پہنچ جائیں۔

مجھے اس بات کا موقع ہی نہیں ملا کہ میں اپنے لئے آگے سے کچھ بات چیت کر سکوں۔ ہر محل میں نے ستر بجی کا وہ خلا اس کے حوالہ کیا کہ جو انہوں نے میرے بارے میں لکھا تھا۔ اس نے ناگواری کے ساتھ میرے ہاتھ سے "یا" اس پر ایک سرسری نظر ڈالی اور فوراً ہی اسے پھاڑ دیا۔ اس کے بعد کہنے لگا کہ سے مجھ سے اور کچھ نہیں کہا سوائے اس کے کہ جو وہ ہیڈ کلرک سے کہہ چکا ہے اور یہ کہ کئی جیکب اسے میرے بارے میں کچھ باتیں بتا چکا ہے۔ مجھے اس کا یہ نرا لگھو اور اس کی آواز بھی اچھی نہیں لگی۔ اس تو یہ چلا کہ میں اپنا استعفیٰ اسی وقت دے دوں۔ لیکن ہیڈ کلرک جو میرے ساتھ کھڑا تھا اور جس نے میرے چہرے کو دیکھ کر میرے خیالات و جذبات کا اندازہ لگا لیا تھا، میرے ہاتھ کو دبا کر منع کیا کہ میں خاموش رہوں۔ چنانچہ میں نے ستر لنگ فوراً کو کچھ کے بغیر شب بھر کا۔ واپس گھر جاتے ہوئے میں نے اپنے دوست ہرنی ہیڈ کلرک سے کہا کہ اس ملاقات کے بعد میں "سریل" کہتی کی ملازمت سے خطر ہو گیا ہوں کیونکہ اس میں دغا "فول" ہے آگے کے سے یہ اس کو ذہل و خور ہونا پڑتا ہے۔ "کیا تم نے میں سنا" میں نے کہا "لاکھ فوراً سے کہا ہے کہ اس نے میرے بارے میں کئی جیکب سے کچھ سنا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ یہ میرے حق میں نہیں ہوگا۔ اس نے مجھے امید نہیں کہ اب میرا یہاں پر و موٹن ہو۔"

کہو۔

اس طرح میں دفتری ملائی سے آزاد ہوا کہ جس نے میری زندگی کے سات سال یہاں پر رہے کرائے تھے یہاں ہر روز تین روپیہ مہینہ کی خاطر میں اپنے قرائن سرجام دتا تھا۔ لب میں نے سموت سے اپنا وقت انگریز شاگردوں کو پڑھانے پر لگا دیا۔ ان ہی میں سے ایک مسٹر جی ہے اس کے تھا۔ یہ ایک اعلیٰ صلاحیتوں اور فہموں کا نوجوان تھا جس کو میں بہت پسند کرتا تھا۔ وہ علم کو حاصل کرنے کا اس قدر شوقین تھا کہ چند مہینوں کے اندر اندر اس نے ہندوستانی گجراتی اور فارسی زبانوں میں مہارت حاصل کر لی۔ اس نے میرا مطالعہ بھی خاطر خواہ دیا۔ اگرچہ اس زمانہ میں میری مالی حالت اچھی قسمی لیکن آمدنی و اخراجات کی وجہ سے میں عدم تحفظ کا شکار تھا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ میں کوئی مستقل ملازمت اختیار کروں۔ لہذا اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے میرے سر فراز علی کو لکھا۔ 13 اپریل کو مجھے یہ خبر ملی کہ میں اس امیر کے ایک لڑکے کو روز ایک مکتبہ انگریزی زبان سکھائوں۔ اگرچہ میری تنخواہ معمولی تھی، مگر چند روز بعد ہی میں میرے شاگرد نے مھوس کیا کہ زبان سیکھنے کے لئے ایک مکتبہ کافی نہیں ہے۔ اس نے میری تنخواہ بڑھا کر پچاس روپیہ مہینہ کر دی۔ ساتھ ہی میں منت کھاتا اور گاڑی کا انتظام تھا۔ اس پر میں نے اپنے ملے انگریز شاگردوں کو سائے سنا کر اس کے چھوڑ دیا۔

لو اب بھی مجھے چھ س واما کی ملازمت میں دیکھ کر خوش ہوا کہ جو صورت میں رہ گیا تھا۔ دوسرا داند بھری کی وفات پر بعد چلا گیا تھا۔ اس نے مجھے گولڈ سٹو کی نیچل اسٹری فٹ میں دی۔ یہ سے کسی انگریز دوست نے دی تھی۔ اس نے یہ درخواست بھی کہ میں اس کا فارسی میں ترجمہ کروں اور وہ میری اس نعت کے عوض مجھے مقرر رقم دے گا۔ میں نے اس کی یہ پیشکش بڑی خوشی سے قبول کر لی۔ میں نے تقریباً دو سو صفحات ترجمہ کیے۔ میں جیسے جیسے ترجمہ کرتا اس کو فوراً لو اب کی خدمت میں لے جاتا جو ہر صبح کو بڑے شوق سے پڑھتا تھا اسے حفاظت سے رکھتا۔

7 اگست کو مجھے میرے جعفر علی خان کا ایک رشتہ ملا جس میں مجھ سے درخواست کی گئی تھی کہ میں فوراً لو اب کی خدمت میں حاضر ہوں کیونکہ وہ جعفر کی بیماری میں مبتلا ہے۔ یہ بیماری اسے اس وقت گئی کہ جب وہ اسٹیر کا رنگ کو دیکھ کر دائیں آہٹا تھا۔ اس رشتہ کو دیکھتے ہی میں فوراً عمل کی طرف بھاگا۔ وہاں پہنچے پر میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر جے اس بیماری کو کس کے کہو ہے ہدایات دیتا ہوا تھا کہ اس کے ساتھ پانی لکھت تھا۔ میں کو میں

داخل ہوا تو میں نے لو اب کو برقی حالت میں دیکھا۔ اس کا چہرہ چمک گیا تھا۔ آنکھیں رھلیں تھیں۔ تھیں 'کواڈ کور ہو گئی تھی۔ درحقیقت میں نے اسے جس حالت میں دیکھا وہاں ہوا کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے قلبی دہرے اور اس کے لال جگر مصاحبوں نے اس کی زندگی کے دن پرے کرائے میں اس کی بہت مدد کی۔ مجھے اس کو اس حالت میں دیکھ کر افسوس ہوا اور سوچنے لگا کہ اس کی تمام دولت طاقت اور شان و شوکت اس کی زندگی بچانے میں کوئی مدد نہیں کر سکتی ہیں۔

اس دوران میں اطلاع دی گئی کہ لو اب کی بہتی بھری اور لڑکی اس سے ملنے آ رہی ہیں اس پر ہم سب لوگ فوراً کمرے سے باہر چلے گئے۔ ان ملاقاتوں نے بڑے آدمی کے بڑے ہوش و حواس کو اور بھی غم کروا دیا۔ ان کا چار بچے کے قریب موت نے اسے ان تمام پریشانیوں سے غماز دلا دی۔ اس طرح اسی سال کی عمر میں اس کی وفات ہوئی۔ آنکھیں سال تک اس نے پورے لو اب جس کی زندگی گزار لی۔

اس موقع پر اس کے فرزند داند کا فم پریشانی اور لڑکی حالی بیان کرنے سے باہر ہے۔ میں نے اس کو سمجھا کہ بحریہ ہے کہ وہ فوراً ایک خط اپنے باپ کو بھجوں میں لکھے کیونکہ اس وقت اسے ایسے شخص کی ضرورت ہے جسے تجربہ ہو اور جو حالات سے نمٹتا جانتا ہو۔ اس کے بعد میری درخواست پر اس نے شاہی خزانہ پر مقرر کیا دی کہ جس میں تمام حساب کتاب اور سرکاری ریکارڈ تھا۔ صبح کو ہم نے خزانہ کی سر فراز کر وہاں سے جیمز وٹھیں کے لئے روپیہ لیا 14 تو یہ دیکھ کر ہماری خزانہ کی انتہا میں رہی کہ صندوق میں کوئی روپیہ نہیں تھا۔ جبکہ 1333 روپیہ پہنچ گئے اور چار سو روپیہ لو اب کی بخش کی رقم لکھنے کے خزانہ سے چند دن ہوئے گئی تھی۔ وزیر نے ظاہر کیا کہ اسے اپنے آقا کی وفات پر اس قدر صدمہ کا شکار ہے کہ اسے کچھ پو نہیں کہ یہ روپیہ وہاں سے کیسے ثابت ہو گیا۔ اس کے انتہائی اس معاملہ پر خاموش رہے۔ ان کو دوبارہ سے تاکہ لکھا گیا اور سربراہ کروا۔ یہ میرے جعفر علی نے اپنے جگر سے پانچ سو روپیہ جیمز وٹھیں کے لئے لئے۔ یہ بھی دیا کے قریب ہیں کہ ایک شخص جس کی ملازمت انہی دو لاکھ روپیہ ہو، جب وہ مرے تو اس کے پاس اس قدر روپیہ بھی نہ ہوں کہ اس کے آخری طرکی بیماری کی جائے۔

لو اب کے مرنے کے بعد اس کے دادا کے رشتہ دار اور اس کی بھوی کر جیسے اس نے نظریہ رکھا تھا ان سب نے مل کر مرنے والے کے خاندان سے اقامت لینے کی باتوں سے۔ ۶ اکتوبر۔

دونوں مخالف جماعتوں نے ایک دوسرے پر الزامات لگا کر حکومت کو درخواستیں بھیجی شروع کر دیں۔ اس موقع پر یہ مناسب سمجھا گیا کہ سرسرازا علی کو بھیجنا چاہئے تاکہ وہ وہاں جا کر بذات خود اپنے لئے کہے 'ہو' اور اس کے بچوں کے لئے حکومت سے اپیل کر سکے اس مقصد کے لئے اس نے مجھ سے ساتھ چلنے کی درخواست کی، فلا تین اکتوبر کو میں سورت سے بمبئی کے لئے اس بڑے شریف کوئی کے ساتھ روانہ ہوا کہ جس کی فرہنگوار نور قلی قدر محبت میں 'میں نے وہ بیٹے گزارے۔ میں نے اس کی جانب سے حکومت کے لئے دو درخواستیں تیار کیں جسے اس نے بہت لڑاوا ہند کیا اور خوش ہو کر مجھے پانچ سو روپیہ کا انعام دیا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک تفریل خط اپنے ہاتھ سے لکھ کر مجھے بھیج دیا۔ جسے میں نے اپنے ریکارڈ میں بطور دستاویز رکھ لیا۔ وہ آخر میں گورنر سے تین مرتبہ ملا۔ اس کے بعد اسے حکومت کی طرف سے جواب دیا گیا کہ اس کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔ جواب ملنے کے بعد ہم نے واپس سورت جانے کی تیاریاں شروع کر دیں اور اس طرح نیم دسمبر کو واپس پہنچے۔ پندرہ دنوں بعد شی مرحوم نواب کی جائیداد کو حکومت نے ضبط کر لیا جبکہ دونوں پارٹیاں اس واقع میں رہیں کہ حکومت اعلیٰ سے کیا احکامات آتے ہیں اور نہیں اس میں سے کسی قدر صبر ملتا ہے۔

28 مارچ کو سورت کے بمبویٹ نے مجھ سے درخواست کی کہ میں فوراً وائیکٹ میں پوٹیشنل ایجنٹ کے پاس بطور شہادت پیش ہوں۔ میں فوراً وائیکٹ کے لئے روانہ ہو اور وہاں مجھے چھ پختہ گزارا ہارے جس کی وجہ سے نہ صرف میرا مالی نقصان ہوا بلکہ پریشانی بھی ہوئی۔

نواب کی وفات کے چودہ مہینے بعد ہندوستان کی حکومت اعلیٰ نے بمبئی حکومت کے ذریعہ یہ افسوسناک خبر پہنچائی کہ نواب کا خطاب ختم کر دیا گیا ہے اس کی تجاویز کوئی مٹی ہے۔ اس کے وہ رشتہ دار کے جو واقعی اپنی اہل و عیال کے مستقبل ہیں انہیں حکومت کی جانب سے دلچسپی نہیں گئی۔ یہ خبریں کر میرے امیر دوست دور اس کا جاندارانہ مشہور ہو گئے۔ اس فیصلہ پر میرے جملے اپنے ہیوں سے بخود کہہ انہوں نے رائے دی کہ وہ بمبئی جا کر اپنا کیس حکومت کے سامنے پیش کرے۔ اگر اسے وہاں کامیابی نہیں ہوتی ہے تو پھر اسے انگلستان جانا چاہئے۔ اس رائے کی مدد میں اس نے مشکل کے زریعہ پر بیٹھ کر جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ ہمارے ماجر ٹیم نے نیک مساحت سفر کر کے ہمارے سفر کے دن کا تعین کیا۔ اس طرح دسمبر کے مہینہ میں ہم

ایک بار پھر سورت سے بمبئی کے لئے روانہ ہوئے۔ اس بار سفر میں ہم گزار کرتے ہوئے گئے اور دسمبر کے آخر میں حلیٰ قصود پر پہنچے۔ ہم نے بمبئی میں پانچ ہفتہ قیام کیا۔ اس عرصہ میں میرے جملے میں نے گورنر سے تین مرتبہ ملاقات کی اور اپنا مقدمہ تحریری طور پر حکومت کے سامنے پیش کیا۔ ترجمان اسے کوئی فیصلہ کن جواب نہیں ملا تو میں نے پلایا کہ انگلستان جانا چاہئے اور وہاں اپیل کی جائے۔ اس سفر کے لئے اس نے ایک انگریز مسٹر۔ لی جے اسٹاکٹ اور مجھے بطور سیکرٹری اور مترجم کے ساتھ چلنے کی درخواست کی۔

چار فروری کو ہم سورت روانہ ہوئے اگر انگلستان کے طویل سفر پر جانے کی تیاری تھی۔ 22 مارچ 1884ء کو ہم اپنے گھر والوں اور دوستوں سے رخصت ہو کر سیلون کے راستہ دجا کے دوسرے کونے پر جانے کے لئے روانہ ہوئے۔ سیلون تک کے سفر کے لئے ہم نے سر جیمس کلرک مای اسٹیر کو کرایہ پر لیا۔ وہاں پہنچ کر ہم ایک ہوسے جہاز پر سوار ہوئے جس کا نام 'سینٹک تھا اور برنی ایڈوکیٹی سے قتل رکھا تھا۔

تیرھواں باب

13 تاریخ کی دہر کو ہم نے اپنے ذاتی اور سرکاری معاملات کو نپٹایا اور دوسری صبح کو ہم خدا کا نام لے کر کہ جس کی ذات کی لافور والی اللہ کی ایک اہم میں ہماری پوری سائنس اہل تائید قائم رہنے والی ہے اس طویل سفر پر روانہ ہوئے۔ چار تاریخ کو ہم نے دار سے وان گورلا ویکھل 13 تاریخ کو پتنگیروں کی نوآبادی کو سے گزرے۔ 16 کو بھین جزیروں سے گزرتے ہوئے منگور کو دیکھ۔ 17 کو کالی کٹ و کوئین کو دیکھ۔ 18 تاریخ کو تین بجے موسم اس قدر خراب ہو گیا کہ نہ صرف ہمارے ساتھی صحت و دماغ میں مصروف ہو گئے بلکہ جہاز کا عملہ بھی اس صورتحال سے پریشان ہو گیا۔ پتنگن و دیگر گرو ایک فرانسیسی تھا اور اس جہاز کو کمانڈ کر رہا تھا۔ اضطراب کے عالم میں حد میں سگاردہے اور شراب کا نشہ دماغ میں لٹے بھی اوپر چلا تھا اور بھی بچے۔ چہ گد میں اس کی چل قدمی کے راستہ میں بیٹھا ہوا تھا اس لئے ہر بار وہ میرے قریب سے گزرتا تھا۔ اس لئے ایک بار رک کر دیکھ سے کہنے لگا کہ:

"میرے دوست بڑھائی نس اور ان کے ساتھیوں سے کہو کہ صوبوں جیسا حوصلہ رکھیں اور ذرا سی ہوا کے نور سے نہ ڈریں۔" اسی شام کو ہم نے کیپ کیوون کو دیکھا۔ تمام بحیرہ عمان کی یہ چٹان خوبصورت منظر پیش کر رہی تھی۔ موسم کل کی طرح سے دوسرے دن بھی اسی قدر سخت تھا۔ یہ موسم آنے والے دنوں میں اسی طرح سے رہا۔ لب میں نے بھی خود کو اضطرابی عالم میں پایا۔ چہ گد پتنگیروں کی وجہ سے طبیعت کافی خراب ہو گئی تھی اور اس نے بے کراہی میں اصرار کر دیا تھا۔ پتنگن و دیگر گرو سے بتایا کہ ہم گلف آف منار آدم کے پل کے سامنے ہیں جہاں پر ہمیشہ طوفان موسم رہتا ہے۔ اس نے اس سے گزر کر حالات ہم پر چاہیں گے۔ اس کی یہ پیشین گوئی صبح 11 بجے ہوئی اور 20 تاریخ کی صبح کو ہم نے سلیمان کے خوبصورت پراگٹ دوگال کو دیکھا کہ جو ہم سے چالیس میل کے فاصلہ پر ہوگا۔

سلیمان کے خوبصورت جزیروں کا منظر اتنی دلکش ہوتا چلا گیا جتنا کہ ہم اس کے قریب

ہوتے چلے گئے آخر کار ہم بندر گاہ پر نظر انداز ہوئے۔ وہاں پہنچنے ہی کالے رنگ کے مقامی باشندوں نے ہمیں گھیر لیا۔ انہیں سمجھایا کہ ہم یہ نام ان کے قدیم جزیروں کے مقامی رہنے والے ہیں۔ ان کی زبان بھی کثرت معلوم ہوئی ایسے ہی جیسے کہ کسی شے میں کھنکریں ہم کر اسے ہڈی اور اس سے جو آواز پیدا ہو اسے سمجھنا زبان سمجھ کر۔ لیکن وہ انگریزی اچھی بولتے ہیں۔ جب تک ہم جہاز سے اترتے اور اپنا سامان بندر گاہ تک لاتے اس وقت تک شام کا اندھیرا ہو گیا۔ اس جلدی میں ہمیں کھانگیا کہ ہم ایک نکلس ہوٹل میں قیام کریں لہذا ہم وہاں پہنچے اور آرام کے ساتھ وہاں پر رہائش اختیار کی۔

صبح صبح جب ہم سو کر اٹھے تو ہماری حیرانی اور کراہیت کی اس وقت انتہا نہیں رہی کہ جب ہم نے صوبوں کے ایک غول کو بھانجے عراستہ اور ڈھانچے ہوئے اپنے کپڑوں کے قریب دیکھا۔ اس نفرت انگیز منظر کو دیکھتے ہی ہم نے فیصلہ کر لیا کہ اس جہاز کو فوراً چھوڑ دینا چاہئے۔ ہمارے معلوم کرنے پر بتایا گیا کہ اس جہاز سے میں کی صلاحات کے گھر ہیں۔ ان میں سے ایک گھر ایک بہت ہی شریف آدمی جس کا نام سکا مور کر ہے اس کی طبیعت ہے۔ اس نے صوبوں کے رہنے ہوئے یہ ہمیں کرنا ہے دے دیا۔ جہاں ہم فوراً ہی چلے گئے۔ یہاں ہم اپنے جہاز کی صحت کواری سے بہت متاثر تھے اس لئے کہ جہاز میں نے خود کی اصلاح کرنے کے بجائے اپنے ذہن کی اصلاح کر دی ہے۔ وہ اچھی پار پیچٹ کے قوانین کے تحت ہو چکے ہیں وہ کھاتے اور پیتے ہیں اور فصل تو بہت دیا نہیں کے اصرار کی پورا نہیں کرتے ہیں۔

اس جہاز سے کے جانور بحیرہ عمان سے مختلف نہیں ہیں۔ سوائے چند کے جن میں سے بعض ایک ہے۔ یہاں کے بعضی بحیرہ عمان کے جنگلوں کے پرورش کردہ باقیوں کے مقابل میں بہت زیادہ خوبصورت ہوتے ہیں۔ یہاں پر بخورے اور سفید رنگ کے بعضی بھی نظر آئے۔ جب یہ بحیرہ عمان میں کم ہی ملتے ہیں۔

دوسرے دن پانچ مقامی باشندے ہم سے ملاقات کے لئے آئے۔ یہ خوبصورت لوگ تھے جن کا گدی رنگ چمک رہا تھا۔ دیسے پرانی طرز کے لمبے تھے پٹے ہوئے تھے۔ ان کے صوبوں پر گھیبولی خوبصورت چنگیاں تھیں۔ انہوں نے جب خود کو متعارف کرایا تو معلوم ہوا کہ جزیروں کے سابق حکمرانوں کے وزیر ہیں اور ان کے اہلی صوبہ اور کے خاندان سے تھے۔ اگرچہ ان کا قدر عمل طور پر ختم ہو چکا تھا مگر مٹی ہوئی شان و شوکت ان کے ہونوں سے نظر آتی تھی۔ ان سے ہمیں جو گفتگو ہوئی اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ یہ

بوںگ نہ صرف وہیں بلکہ تمام ممالکات سے داخل تھے۔ اس ملک کی آبادی بدھ مت کو ماننے والی ہے۔ عام آدمی کو مرنے کے بعد دفن کیا جاتا ہے جبکہ بدھ مت پیشگو کرنے کے بعد جلایا جاتا ہے۔ اس جزیرہ میں دو عام نکاحوں ہیں۔ ایک کوڑھ اور دوسری نکل پٹ۔

22 تاریخ کو صبح مجھے احمد بن باقی ایک مسلمان کی جانب سے دعوت ملے۔ ملا کہ میں اس کے ساتھ اس کے گاؤں کے مکان پر ناشتہ کروں۔ یہ مکان درجنی کے ایک باغ میں واقع تھا۔ صبح کو آٹھ بجے میں نے گاڑی میں اس جزیرے کے دیہات کو دیکھا۔ یہ ہر طرف بنجر اور خوبصورت درختوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ راستہ میں جگہ جگہ پانی کے چشمے اور بھینسیں تھیں۔ میں اس کو سفر نہیں کریں گا کیونکہ اب ہی تھا کہ پیسے کوئی باغ میں چل قتل کرے اور تازہ ہوا و خوشبو سے خود کو تازہ کرے۔ جب میں اپنے میزبان کے باغ والے مکان پہنچا تو یہاں میرا استقبال ہوئی کر بخوشی سے کیا کہہ چکے ہم ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تھے۔ اس نے انگریزی میں شکوہ ہوئی۔ اس زبان میں میرا میزبان مہارت رکھتا تھا۔ قہوڑی دیر کے لئے میں نے اس شاندار باغ میں اس کے ساتھ چل قتل کی اس نے دارجنی کے علاقہ دوسرے مقام جہت کے درخت دکھائے جیسے لادینی کوٹھ اور جانگل۔ اس پر مسرت اور پر علم چل قتل کے بعد ہم ناشتہ کے لئے میز پر آتے۔ یہاں موسم کے مطابق خوش ذائقہ کھانے پینے ہوئے تھے اس دوران میں ایک بدلتا ہوا لکڑی کا لکڑی کا ریشہ دار تھا اور جس کا نام تیر صاحب تھا۔ دو ناشتہ کے لئے ہمارے ساتھ شریک ہوا۔ میرے میزبان نے اس سے چائے پلانے کو کہا۔ یہ دیکھ کر مجھے حیران ہوئی کہ وعدہ اور شکر کی جگہ جیسا کہ ہمارا دستور ہے اس نے تنک کالی مرچیں اور کھجور کی کالی حقدار ملائی۔ قند دے چائے ہو میں نے وہاں پی میرے لئے وہ کسی بھی بد ذائقہ دوا سے کم نہ تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اپنے دوستوں کو ناراض کروں اس لئے کھاتے وقت میں اس کی چند کھوتیں پی لیا کرتا تھا اور ظاہر ہے کہ تھا کہ میں اس سے ذائقہ سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔ بد قسمی سے قہوڑی قہوڑی کر کے پینے کو میرے میزبانوں نے یہ سمجھا کہ یہ مجھے پسند آئی ہے۔ اس لئے انہوں نے دوبارہ سے خاص میرے لئے چائے کے کپ کو بھر دیا۔ اب یہ مجھے پسند آئی نہ نہ اتنی میں نے اسے دو تندر انداز میں اپنے حق میں بٹولی۔ قہوڑی دیر کے لئے تو میرے پیٹ میں ایک سنگین پتھر آئی ہوئی اور اس کے اثر سے مجھے حلق بھی ہونے لگی لیکن میں نے ان سب تکالیف کو صحت سے برداشت کر لیا۔ یہاں میں ضرور کھوں گا یہ سب کچھ میری مخالفت کی سزا تھی کہ جس کا میں خطر تھا۔

جب ہم پیش کر چکے تو وہ مجھے دوسرے کمرے میں لے گیا کہ جہاں حصہ لایا گیا جو ہم نے طے بھر کے پیا۔ یہاں ہم نے ہندوستان کی حکومت پر بات چیت کی۔ پھر اس سے رخصت ہو کر اپنی رہائش گاہ پر آیا۔ جب میں نے اپنے دوستوں کو یہ احوال سنایا تو وہ اس سے جسے شک انداز ہوئے۔ لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے اس چائے کو پی کر یہ نتیجہ حاصل کیا۔ اس نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ میرے لئے بطور دوا کام

23 تاریخ کی صبح کو ہم نے بندرگاہ پر بنی بھیاک آواز سنی۔ ہم بھاگ کر وہاں گئے۔ اس کا سبب معلوم کریں۔ ہم یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ اسٹیرسٹیک سمندر کو چرنا ہوا لپٹے چاروں پہیوں سے شور مچاتا اور آسمان کی طرف دھواں اڑاتا رہا ہے۔ اگر کب سمندر کے اس دیو کو دیکھیں تو آپ اس شیطان کے بارے میں سوچنا پڑے گا کہ جو پتھر دھاوا سب کو لٹنے کے لئے چلا آ رہا ہے۔ تاریخ کو ہم اس قوی وکل جہاز میں سوار ہوئے اور خوبصورت بیچن کے جزیرے کو الوداع کہہ

جہاز پر ہمیں اس کے کمانڈر فخر سے حوالہ کرایا گیا۔ جس کا نام کپتین کیلاک تھا۔ وہ ایک عمدہ اہلکار کا شریف آدمی تھا کہ جس کا سائز بھر کی مطابق سے تھا۔ اس کے بعد ہمیں ہمارے کپتین دکھائے گئے۔ طوفان قسمی سے یہ جہاز کی دوسری اسلوری پر تھے۔ جہاز اگرچہ بہت بڑا تھا مگر ہم نے دیکھا کہ اس پر کتنی جہم ہے۔ اس پر جہاز کے عملہ کے علاوہ تقریباً تین سو مسافر تھے۔ احوال بکے لنگر اٹھ گیا اور اسٹیر اپنی طوفانی طاقت کے ساتھ بھی تیزی سے ہو سکتا تھا روانہ ہوا۔ ہم سب نے خود کو جہاز پر آرام دہ پایا۔ اس کی وجہ یہ تھی جہاز کا کپتان اور اس کا عملہ مسافروں کی سوانح کا خیال رکھتے ہوئے تھا۔ اس لئے مجھے یہ کہنے میں کوئی تردد نہیں کہ اس جہاز کے مسافر کھوں سے زیادہ یہاں آرام سے تھے۔ وہ اگرچہ کہ جو اس جہاز پر تھے وہ خوب کھانے و شراب پینے والے تھے۔ ان میں سب ہی چار پانچ یا بعض تو چھ بار دن میں کھانا کرتے تھے۔ مجھے یہ شیم کرنا پڑا ہے کہ خود ہماری بھوک بھی کسی سے کم نہ تھی۔ ہمیں ہر قسم کا کھانا جس کی قربانی کی جاتی تھی فوراً میا کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح ہمارے آرام کا ہر طرح سے خیال رکھا گیا۔

24 اپریل کو ہم نے سوکوتا جزیرہ کو دور سے دیکھا اس کا اندازہ ہمیں ایک دن پہلے ہی ہو گیا تھا کیونکہ بہت سے سمندری پرندے اس سمت میں اڑ رہے تھے۔ یہ سمندری پرندہ بوسٹون ہے کہ جس کی قدرت نے سمندر کے اوپر اڑنے کی ہے پناہ طاقت رکھتی ہے۔ ہم نے

جس جگہ سے اس جرمہ کو نکھا تھا وہاں سے اس کا حامد کرنی دو سو میل ہو گا۔ اس لئے یہ نتیجہ افتد کیا جا سکتا ہے کہ یہ جرمہ صبح کو اڑتے ہوں گے اور شام کو آدم کی غرض سے وہیں اتریں گے۔ میں چلے جاتے ہوں گے اس طرح یہ دن میں پانچ سو میل اڑتے ہوں گے یہ قارہ مطلق کی حالت کا ایک نمونہ ہے۔ کائنات کے ایک درجہ میں انسان اس کی شان اور آہٹ کو دیکھ سکتا ہے۔ اس کے لئے صرف دیکھنے والی آنکھ اور جسم کی ضرورت ہے۔ میر نے مسند کے اس حصہ میں ایک اور حیرت ناک چیز دیکھی۔ اڑتی ہوئی مچھلیاں۔ اس جگہ میں جو کہ ہمارے اسٹیمر پر اڑتی ہوئی چارو حصے "چند ہزار میل گر گئیں۔ ان میں سے ایک گوش نے پکڑ لیا۔ اس کو قریب سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ایک خوبصورت مخلوق ہے کہ جسے قدرت نے لاہر دے دیے ہیں، ان میں سے ایک پانی میں استعمال ہوتا ہے "دوسرا ہوا میں اڑنے کے لئے جب اس کو فراہم کیا گیا تو یہ حرے میں بھی اچھی تھی۔

۹ تاریخ کی صبح کو ہم عدنان پہنچ کر تقریباً دو بجے مسجد میں اس کا مصلحہ 2215 میل کا ہے۔ اب تک ہمارا یہ سفر انسانی قوتوں اور آرام و تھک کیوں سے یہاں تک پہنچا رہا ہے۔ ہر سکون تھا۔ یہاں پہنچنے پر اجازت دی گئی کہ جس کی مرضی ہو وہ ہمارے جا سکتا ہے۔ چنانچہ ہم سب فوراً اترے اور آٹھ دن کے وقفہ کے بعد خود کو نشہ کی آغوش میں ڈال دیا۔ یہاں پر بیچوں سے چلنے والی کوئی گاڑی نہیں ہوتی ہے، اس لئے ہمارے لئے سوائے اس کے اور کوئی دوسرا راستہ نہ تھا کہ گدھے کرایہ پر لے کر شہر دیکھنے جائیں۔ ہر دو گدھے شہر کا قصد دس میل ہے۔ کچھ ملکوں کی ٹھیکیاں دوسرے ملکوں کی برائیاں ہوتی ہیں۔ مثلاً افغانستان میں گدھے پر سوار ہوا امت کی شانی ہے۔ یہاں آپ کسی کو گدھے پر سوار نہیں دیکھیں گے۔ ہمارے تجربوں کے 'اس کا نہ کال کر کے اسیں گدھے پر اتار کر کے بھیجا جاتا ہے۔' ہادی جماعت کا مرید امیر جعفر علی خاں کہ جن کا وزن سترہ سٹون تھا، اس کے ہارے میں خیال ہو کہ کسی گدھے کے لئے اتنا وزن بڑا مشکل ہوگا۔ دوسرے وہ خود بھی اس کی سواری کے لئے تیار نہیں ہوا۔ اس نے ایک گدھے کو دو دوسرا ہاتھوں سے اٹھا کر ہوا میں بند کیا اور اس کے حربہ مالک سے کہا کہ جسے میں اپنے ہاتھوں سے اٹھا سکتا ہوں وہ کیسے میرا بوجھ برداشت کر سکتا ہے۔ اس نردبان ایک چمڑ والا بڑی لمبائی سے بھارت ہوا آد اور میں نے اپنے ایک سولے چمڑ کو اس قوی چمڑ شخص کی خدمت میں پیش کیا۔ جن سے اس پیش کش کو فوراً قبول کیا اور اس شخص کو ملاحظہ میں متفق رقم دی۔ اس کے بعد ہم گاؤں دیکھنے چلے۔ آپ نے جب تک اسے نہیں دیکھا ہے اسے شہر کہہ سکتے

ہیں۔ لیکن اگر آپ۔۔۔ اسے دیکھ لیا تو مجھے یقین ہے کہ آپ سے ہزاروں کی تلافی کا
میں نے کیا۔ یہ تو شہر ہے اور نہ گاؤں، بلکہ دیوانہ پازوں کے دیوانہ ہونے کا ہے اس
میں چند معمولی چیزیں ہیں جو کہ ایک سرکس میں واقع ہیں۔ ان سب کا کل رقبہ تین میل کے
تقریب ہوگا۔

جہاں تک اس کی فقیہانہ حیثیت کا تعلق ہے تو یہ ایک اہم جگہ ہے۔ لیکن صوری ہے کہ وہ جہاں مناسب دروازہ اور کچھ برج ہوئیں۔ مگر دوسری طرف جیسا کہ اس کا نام دھن ہے اور جس کے حق جنت کے ہیں، یہ اس نام کے باطل متضاد ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ ہر اس اور اس اصول پر رہ گیا ہے جیسا کہ ہم حسی غلام کو کافر کہتے ہیں۔ جہاں تک آپ کی نظر جائے جہاں پر کوئی سبزہ اور درخت نظر نہیں آتا ہے نہ ان جہاں پر سوائے ایک کنوئیں کے کہیں آباد پانی ملتا ہے۔ یہ کنواں حکومت کی عمرانی میں ہے اور پانی کو اونچی قیمت پر فروخت کیا جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایک ایسی جگہ کے جہاں پانی ہو اور نہ سبزہ نہ دھن جانوروں کے واسطے کچھ اگر نہ کھا جائے تو بہتر ہے۔ یہاں کے لوگ مغلوب الحال اور دیکھنے میں اتھالی بچے نظر آتے ہیں۔ وہ بچے جو کورنگے سرجم پر صرف ایک لنگی پہنے رہتے ہیں۔ مجھے جہاں پر صرست پانچ یا چھ لوگ نظر آئے کہ جنہوں نے پکڑیاں پہنے ہوئے تھیں۔ ان میں سے ایک اور کسی یہود تھا، جو کہ ان عرب لوگوں کا امام ہے اور ایک اقلیت سمجھی جاتی ہے کہ جو گرنے والی ہے وہاں ہمارا چرچا تھا۔ ہم نے ایک سایہ دار چست کے نیچے قیام کیا کہ جو ایک ہندوستان آج کی تھی۔ یہاں ہم نے کھانا پلایا، کھانا پھر سونے کے لئے بیٹ گئے۔ ہم اس قدر تھک گئے تھے کہ رات گہری نیند سونے اور صبح اس وقت اٹھے کہ جب سورج کی شعاعیں ہمارے چہروں پر پڑیں۔ وہ پانچ دھوکہ داشتہ کے بعد ہم نے واپس اپنے اسی محل پر چاہا مگر یہ کہ یہ جگہ کا دن تھا اس لئے یہ طے ہوا کہ ہم لہار کے بعد روانہ ہوں گے۔ لہار کے وقت پر ہم مسجد جانے کے لئے روانہ ہوئے کہ جہاں سے کہہ کا لہار بھی لڑا اور دور نہیں تھا۔ یہاں پر سید نے بڑا اچھا دھڑا کیا اور لہار پڑھائی۔ اس کے بعد ہم ہندو گھر پہنچے اور یہاں حجاز پر سوار ہو کر مدینہ کو اور اربعہ کیا۔

چے تاریخ کو ہم باب المذہب سے گزر کر بحر قزوق میں داخل ہوئے۔ انگریزوں کی کوفہ
موجود کہتے ہیں۔ وہی پہنچنے کے قریب حولا کے مائے آئے اور سمندر کے پائیں جانب
پھوٹے پھوٹے جزیروں کے پاس سے گزرے۔ میں نے قلعہ نما کے ذریعہ اس بات کو
نوٹ کیا کہ اس جگہ کے مشرق سے آہستہ آہستہ ہوا رہا ہے۔ جب میں نے یہ بات

ساتھیوں کو بتائی تو اس پر یقین کرنے کے بجائے مجھ پر جیسے گئے اور کہنے لگے کہ انگریزی کتبوں کے پڑھنے کے بعد میرے ذہنی مظاہر کمزور ہو گئے ہیں۔ "یہ کیسے ممکن ہے؟" انہوں نے کہا کہ "خدا کا مقدس گھر اور اس کائنات کا مرکز" کیسے اپنی جگہ بدل سکتا ہے۔"

دوسرے نے دعائی میں کہا کہ میں نے یقیناً اپنے انگریز دوستوں کے ساتھ مل کر طوب شراب پی لی ہوگی، اس لئے یہ ہو چکا کہ ۲۰ ہے وہ حقیقت سے دور ہے۔ "اس دوران گفتگو میں میرے تیسرے دوست نے کہ جو ایک حکیم تھا، لشت پر پتھر دے دئے اور اپنے نوجوان آقا سے کہا: "کیا پہلی کس نے اس سے پہلے اس قسم کی مستقل باتیں سنی ہیں؟ ہر وہ شخص کے جو حج القدس ہے کبھی یہ نہیں کہے گا کہ کہہ اپنی پوزیشن بدل سکتا ہے۔" ان تمام باتوں کو میں نے خاموشی سے بغیر ایک لفظ بولے۔ اس کے بعد میں نے اپنے موقف کو ایک اور جوت کے ساتھ دہرایا۔ ایک عرب طالع جو ملک سے ہمارے ہمارا ہے آیا تھا اس نے دیکھ کر کہا اسی سمت میں پڑھی جس کی جانب میں نے بتایا تھا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس عرب نے اسی سمت کو پڑھی جس کا شمار میں نے کیا تھا؟" میں نے یہ بات اپنے دوستوں سے پوچھی۔

انہوں نے فوراً جواب دیا کہ "ہمارا خیال ہے کہ وہ یہودی ہے، لیکن ہم ایک حرم کے ذریعہ اس سے کچھ سوالات پوچھیں گے اور اس اہم موضوع پر اس سے گفتگو چاہیں گے۔" انہوں نے ایسا ہی کیا اور اپنی وقت کا انہیں ایسا ملے ملا۔ سب سے پہلے تو یہ ہو کہ ایک نوجوان قرائسی جو حرم تھا، اس سوال کے پوچھنے پر خوب ہنس دلا۔ اس پر عرب نے اس کا بڑا طریقہ جواب دیا اور کہنے لگا کہ سور اور قارہ میں کہ جہاں مسلمان آباد ہیں وہ سب اسی سمت میں نماز پڑھتے ہیں۔ "اگر تم ہندوستانی" اس نے پوچھا تو ہنسے کہا "اس خدا اور اس کے پیغمبر پر ایمان رکھتے ہو تو جب وہ کہتے ہیں اس پر عمل کرو اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو پھر جہنم کی آگ کے لئے تیار رہو۔"

رات کو ہم نے شہر ہمدان کی روٹیاں دیکھیں، وہ مشہور ہمدان گاہ کہ جہاں تمام ہندوستان کے مسلمان جو حج کے لئے جاتے ہیں، پیسے یہاں پر ہمارے ترے ہیں جہاں تک لفظ ہمدان جس کے معنی رادی کے ہیں، اس کا تعلق ہے، میں نے کسی کتب میں پڑھا ہے کہ جب ہمارے ہمدان کو جنت سے نکالا گیا تو حضرت آدم کو سیلون میں بھیجا گیا اور جو اس علاقہ میں نہیں۔ وہ دونوں کچھ عرصہ وہاں میں بچھتے رہے۔ "خدا کا مقدس گھر اور اس کائنات کا مرکز" کیسے اپنی جگہ بدل سکتا ہے۔"

دیں یہ ایک دوسرے سے طلب پوزیٹو خاتون نے بیساکہ کہا جاتا ہے، آخری عمر میں یہ جو بات ظاہر کی کہ اسے اس سرزمین پر ملے جیسا کہ جہاں اس سے پہلے حرم قدم رکھے تھے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب یہاں اس کا انتقال ہوا تو اسے اس جگہ دفن کیا گیا۔ چنانچہ لانا قدم سے اس جگہ کو بدھ کہا جاتا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ اس شہر کے کسی علاقہ میں ایک پورے سائز کی قبر ہے جو اہل حوا کا مزار کہلاتا ہے۔

7 اور 8 اپریل کے دن آرام سے گزرے۔ لیکن آٹھ مارچ کو شیل کی جانب سے ملے دلی ہوا کی وجہ سے مسند طوقالی ہو گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ عام طور سے مسند کا یہ حصہ بیشہ غلام کی حالت میں رہتا ہے۔ یہ صورت حال 12 شام تک رہی، یہی تک کہ ہم سوچ کی ہمدان پہنچ گئے۔ یہ ملک سے 1300 میل کے فاصلہ پر ہے۔ ہم جہاز سے ایک کشتی میں سوار ہوئے تاکہ وہ ہمیں ہمدان تک لے جائے۔ اس کشتی کو چونکہ ہم نے کرلیہ پر لیا تھا اس لئے اس میں ہم آٹھ ہندوستانی انگریز سیکرٹری مسٹر پی ایس اسکات اور اس کی بیوی و بچے کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ اس کشتی میں ہمیں سووی اور دوسری کلاپ کا تجربہ ہوا۔ چونکہ مسند میں پانی بچے چلا گیا تھا اس لئے وہ نشین میں رہیں جاتی تھیں۔ شام ہوتے ہوئے اس قدر سووی ہو گئی تھی کہ اس نے ہم سب کو بے چارہ کر دیا۔ سب سے زیادہ بری حالت میر جعفر علی خاں کی ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنی حفاظت سے اپنے کونٹ کو اسٹیم پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ میں نے اسے اپنا کونٹ دیا، مگر اس نے مذہب انداز میں سووی چھٹکس کو قبول نہیں کیا اور کہا ہے کہ یہ اس کے ساتھ سے بہت چھوٹا ہے۔ اس دوران میں اس نے مشورہ دیا کہ در کس کشتی میں پڑے جس سے ہمارے بارے میں کسی کو علم نہیں۔ ان میں سے ایک مسٹر اسکات نے ملے لیا ہے۔ کیا میں دوسرا کبیل اس کے لئے لا سکتا ہوں؟ جب میں وہ کبیل لے گیا تو مسٹر اسکات نے مجھے اس کے لیے سے روک دیا اور مجھ سے اس طرح سے مخاطب ہوا کہ جیسے ہم ایک دوسرے سے بالکل واقف نہیں۔ اس نے کہا کہ چونکہ وہ چلا ہے کہ جس نے اس کبیل کو لیا ہے اس لئے اب وہ اپنے باپ پتھر کو بھی یہ کبیل لینے نہیں دے گا۔ میں نے اس سے طاقت سے کہا کہ اس کبیل کی مجھ کو ضرورت نہیں بلکہ یہ تمہارے آقا کے لئے چاہئے۔ اس پر اس نے جواب دیا کہ "اپنے آقا سے چاکر کہہ دو کہ میں اس دنیا میں کسی اور کے لئے مرنے پر تیار نہیں۔" لیکن یہ سب کچھ آقا سے لینے کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ وہ یہ سب کچھ من دھا اور دیکھ بھی رہا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزوں کے کردار میں کس

لہجے اور خوبصورت تھی۔ محل کے ستون ایک ہی چارے سے تراشے ہوئے تھے۔ ان پر اس قدر عمدہ پالش تھی کہ وہ آئینہ کی طرح چمک رہے تھے۔

میں حکومت کا ایک عمدہ رکن جو شاندار لباس میں بیٹھ تھا، لنگر چلا۔ جب ہم شیل کی جانب ایک کمرے میں داخل ہوئے تو یہاں ہم نے مشہور نند شہزادے محمد علی پاشا کو دیکھا۔ وہ سالہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ سرخ ترکی ٹوپی اور نیلے رنگ کا کونٹ۔ جب ہمارا تعارف کرایا گیا تو ہم نے ایک ایک کر کے پہنائی نس کے دائیں ہاتھ کو بھرا اور ترکی آداب کے مطابق اس کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد ہم اس کے دائیں جانب دیوار پر بیٹھ گئے۔ میر معطر علی خاں نے اسے دو قیمتی کشمیری شال بطور تحفہ پیش کئے جو اس نے خوشی سے قبول کر لئے۔

جب اس کے بعد دائمی شروع ہوئیں جن کو ایک دوسرے تک پہنچانے کے لئے تین حرموں اور تین لہلوں کا استعمال ہوا۔ میں انگریزی میں سسر جلدی کو تھا تاہم وہ اس کو فرنگ میں بڑائی نس کے حرم کو فراہمیں میں تھا اور پھر اس کو ترکی میں پاشا تک پہنچانا تھا۔ ایک دوسرے کی خدمت پہنچنے کے بعد میرے نو جوان آگے بولنا شروع کیا۔ اس نے اس خوشامد اسلوب کو اختیار کیا جو انگریزوں کو غائب کرتے وقت کیا جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ اس نے بڑائی نس کی بھی حکومت کے بارے میں بہت کچھ سنا رکھا ہے کہ کس طرح سے وہ ذاتی دلچسپی لے کر حکومت کو دانشمندانہ طریقہ سے چلا رہے ہیں۔ وہ خود کا شکر ادا کرتا ہے کہ اب اس نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ لیا ہے۔ اس نے جو بارے میں متفقہ وہ اس کے سامنے ہے۔

اس پر پوچھے پاشا نے جواب دیا کہ: "کچھ تو ہم نے کیا ہے مگر ابھی بہت کچھ کرنے کے لئے ہے۔" اس کے بعد بڑائی نس نے ہندوستان میں انگریزی حکومت کے بارے میں سوالات کیے جن کا جواب مختصر طور پر دیا گیا۔ اس کے بعد کافی کافی تھی اور ہم سب کو فوج کی گئی۔ ہم ایک ایک کر کے اٹھے وہ اپنے اپنے باتھوں کو بوسہ دے کر جو کہ ترکی آداب میں سے ہے ہم نے ہوا نس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔ اس نے کسی طرح سے پانہ جیسے گھریلے اپنے دوستوں کے نام پر شراب پیتے ہیں۔ کافی کے بعد ہمیں منظم شخصیت سے رخصت ہو کر کمرے کے لئے روانہ ہوئے۔ میں خوشی تھی کہ ہم پاشا سے ملے اور اس سے گفتگو کی۔ اگرچہ یہ ایک ان پڑھ شخص ہے لیکن اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے ترقی کرتا ہو۔ تھرائی کے درجہ تک جا پہنچا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے یورپ میں کریم دیل لور ہوا

پارٹ اور ہمارے ہاں حیدر علی ورنجیت سنگھ۔

محمد علی پاشا درمیانی قدم کا دھلا پکا منگھٹ میں تھلا تھا۔ اس کا رنگ تقریباً گور تھا۔ اس کا سر گول اور خوبصورت تھا۔ اس کا ہاتھ اونچا اور چوڑا تھا کہ جس پر کئی جھوٹے نظر آتی تھیں۔ اس کا چہرہ بیضی تھا کہ جس پر بھونکی سفید دھڑکی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات متحرک رہے۔ اس کے لباس عتیق تھے۔ اس کا تاب عتیق تھی۔ کان آنکھیں ہلکی اور تیز تھیں۔ بو گہری بخور کے نیچے پر جب نظر آتی تھی۔ اس کے بارے میں مجھوی تاثر عجیب کی کا تھا۔ اس کی چال ڈھال سے اس کی ذہنی صلاحیتوں کے بارے میں پتہ چلتا تھا کہ جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتی تھیں۔ ادب و آداب اور قیصرش اس کا انداز انتہائی دل بھانے والا تھا۔ اس وقت اس کی عمر اسی سال کی تھی اس نے تقریباً پچاس سال تک مصر پر حکومت کی۔

18 تاریخ کو ہم ایک چھوٹے اسٹیر پر سوار ہو کر دیوانے بنگلی سے بکھر رہے تھے۔ دیوانے کے دونوں کنارے کے متاع عریضے خوبصورت تھے۔ ہم نے دیوانے میں کئی گھر چھوئے کو دیکھا کہ جو اپنے بھار کے تعاقب میں دوڑ رہے تھے۔ انیس ہمارے اسٹیر کی آواز نے بھی پریشان نہیں کیا۔ انہیں قدرت نے بے انتہا توانائی دی ہے۔ اس لئے وہ خود رفتاری کے ساتھ صافوں کے ساتھ با ان کے ہوا کے خلاف جھومتے ہیں۔

17 تاریخ کو ہم مشہور نند سکندریہ کی یادگار پہنچے۔ اس وقت یہ مصر کے بڑے شہروں میں سے ہے۔ نند قدیم میں یہ مشرق میں تجارت کا مرکز تھا۔ یہاں پر ہم نے مسٹر جلدی کی من "سردارنگ" سے دوں قیام کیا۔ ایک سے خوبصورت اور صحت مند شخص ہے۔ اسٹیر سے ہمارا مسلمان اترنے میں مدد کی بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ یہ مسٹر لارنگنگ خود تھے۔ اس شریف بھائی سے جو کہ انتہائی سادہ اور صاف تھا ہمارے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کیا۔ ہمیں اپنے تھلے لے گیا کہ وہاں سے ہم "ریڈ" ارشم دوہوں کو خوب دیکھ سکتے تھے۔ جب ہم اس کے گھر پہنچے تو اس نے مسٹر لارنگنگ سے ہمارا تعارف کرایا۔ وہ خازن خوبصورتی اور ترقی میں تھے۔ اس نے ان دونوں کو صرف بتایا تو ہی شاعر کا کام ہے۔ یہ کسی آرٹسٹ کا کہ جو اس کی تصویر میں رنگوں کے ذریعہ اس کے دلکش خدوخال اور تندرستی نیکوں کو اجاگر کر سکتے۔ میں حسیہ کرنا ہوں کہ بحیثیت منتظر میں اس کی تعریف کرنے سے محذور ہوں۔ یہ خوبصورت خاتون کئی زبانیں جانتی تھی لیکن وہ صرف دو باتیں بولتی تھی۔ لڑائیں میں اپنے شوہر سے اور علی میں ہم سے اور اپنے ملازموں سے۔ یہ پہلا موقع تھا

کہ میں نے کسی عورت کے متعلق سے اس سائنٹیفک زبان میں فصاحت و بلاغت کے مادیوں کو اس طرح سے کھرا ہوا دیکھا ہو۔ اس کا سبب و سبب یہی امر تھا کہ ہمارے مضمین کو جسے دکنش انداز میں پڑھ کر لیا کرتی تھی۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ جب بھی میں نے اس سے بات کی تھی یہ احساس ہوا کہ میں کسی جنت کی حور سے گفتگو کر رہا ہوں۔ مسٹر رارنگ پورے عصر میں سب سے زیادہ خوش قسمت انسان تھا کیونکہ اس کو خدا نے مدت ابھی چیزوں سے نوازا رکھا تھا۔ اچھی صحت، خوبصورت بیوی، ایک صحت مند بچہ، اچھی عادت، اچھی قسمت، اچھا نام اور خوش حال۔ میں نے دعا کی کہ وہ بیحد خوش و مسرت کی زندگی گزارے۔

کھانا چوری کیا گیا۔ ہمارے ساتھ یہ خوبصورت جوڑا بھی شریک طعام تھا۔ دوپہر کو ہمارے لئے گاڑی کا انتظام کیا گیا۔ ہم سکندریہ کے شہر سے ہوتے ہوئے ایک گاڑی پاؤں گئے کہ جو مسٹر فرین کا تھا۔ یہ مسٹر رارنگ کا سر تھا۔ یہاں ہمیں اس وقت تک رہنے کا موقع ملا کہ جب تک اسٹیئر کے ذریعہ پاکستان روانہ ہوئے۔

دوسرے دن ہم نے مسٹر فرین سے ان کے گھر پر ملاقات کی۔ انہوں نے بغیر کسی تکلف کے ہمارا استقبال کیا۔ وہاں پر اسوں نے اپنے طارحوں سے غنی کے ساتھ کھانا کھا دیا اور پورا پورا خیال رکھیں اور ہماری ہر ضرورت کو پورا کریں۔ شام کو ہمیں مسٹر فرین کے ایک دوسرے نام مسٹر شراناری دسی نا جو پوٹلی فونسل ہے، اس کے ہاں کھانے کی دعوت دی گئی۔ اس کا گھر کسی محل کی طرح سے آراستہ و بے آراستہ تھا اور کسی بھی شہزادے کی رہائش کے لئے موزوں تھا۔ یہاں بھی ہمارا استقبال ہمارے شریف میزبان اس کی خوبصورت بیوی اور اس کی دو بیویاں نے کیا۔ یہ دونوں بیویاں اپنی خوبصورتی اور دلکشی میں مسٹر رارنگ سے بھی بڑھی ہوئی تھیں۔ مکان میں ہر قسم کے سجاوٹ چیزیں تھیں۔ ہماری اس قدر خاطر تواضع ہوئی کہ بیہوشان میں ہمارے چھائی دوستوں نے نے بھی اس طرح سے ہمارے ساتھ سلوک نہیں کیا تھا۔ دس بجے رات کو ہم گھر میں ہوئے۔ ہمارے دہوں میں ان نیک و نیکوں کے لئے ہے تھا عزت و احترام کے جذبات تھے۔

ہمیں سکندریہ میں چھ دن قیام کرنا پڑا۔ اس عرصہ میں میں شہر کے اندر و باہر یہاں کی غرض سے جانا رہا اور جب بھی موقع ملا میں نے لوگوں سے مصالحت اٹھائی تھیں۔

ہمت سے میرائی مصنفوں نے ہمارے علم کی کمی کی اس منصب کی بنا پر کہ جو انہیں ہمارے لئے ہے، کہیں اور دوسرے مشہور مورخوں کے علاوہ ہمارے عظیم حضرت

میرے یہ الزام لگوا ہے کہ انہوں نے سکندریہ کے مشہور کتب خانے کی کتابوں کو اس شہر کے پانچ ہزار محاسن میں بطور ابدی من استعمال کر لیا۔ یہ اس قسم کی بات ہے کہ جیسے ڈاکٹر اسمتھ نے اپنی کتاب میں تین جگہ یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں کے نظریہ میں چھ اوسے اور ان کے عقیدے کی زیارت کے لئے لوگ وہاں بطور حج جاتے ہیں۔ اسی طرح سے ڈاکٹر قلیپ پریس نے اپنی کتاب میں حضرت سلیمانی کے مسئلہ نمبر 57 پر لکھا ہے کہ ایک مسلمان اپنے نسب کے مطابق بن میں تین مرتبہ وضو کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مصنف جب بھی کسی موضوع پر قلم اٹھائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس سے پوری طرح واقف ہو۔ اسے موضوع کی جانچ پڑتال اور کھس علم کے بعد ہی اس کے بارے میں اپنی رائے دی جائے۔ سب سے پہلے تو اس میں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام نے دئے دلوں کو یہ سکھایا ہے کہ تمام کافرات کو پاک سمجھو اور انہیں بھی اپنے پاؤں تلے سے لادو، نہ ہی انہیں گندی و ناپاک جگہ پر چھو، کیونکہ ان میں خدا کے پاک کا نام لکھا ہوا ہو سکتا ہے۔ یہ مورخوں نے ان کے جہانوں کے اس رویے سے بالکل غفلت ہے کہ جو بائبل بھی پڑھیں کرتے ہیں اور وہ اس کے صفحات اگر بوسیدہ ہو جائیں یا پھٹ جائیں تو انہیں بے دردی سے پھینک دیتے ہیں۔

اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ ظیفہ عربیہ ہم دیں۔ کیونکہ انہوں نے تو بیت المقدس جانے پر یہ حکم دیا تھا کہ وہاں کی عیسائیوں کی حکومت کی کتاب سے مرمت کرائی جائے۔ انہوں نے تو چھٹی میں اس لئے لازماً نہیں پڑھتی تھی کہ اس کے بعد مسلمان اس جگہ کو مقدس سمجھ کر کہیں اسے مسجد میں تبدیل نہ کریں۔ اس کے علاوہ عمر بن العاص جو کہ ساتویں صدی میں یہاں آیا دیکھیں کہتے تھے اور خود ایک اچھے شاعر تھے وہ بھی اس قسم کے جھوٹی اور افتخار حکم پر عمل نہیں کرتے۔

29 تاریخ کو دوپہر کے وقت ہم نے اپنے میزبانوں کو الوداع کہا اور گھٹ پور پول اسٹیئر پر سوار ہو کر اسکندریہ کی بندرگاہ سے روانہ ہوئے۔ اس جہاز کے کپتان ہمیں اینٹیک سے زیادہ آرام دہ معلوم ہوئے۔ اس جہاز پر مسافروں کا خیال بھی زیادہ رکھا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ جس قدر پاکستان کی طرف جاتے ہیں اس قدر انگریزوں میں قیاد اور دشمنی پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ ہمارا جہاز اسکندریہ سے چل کر سمندر خاموشی و پرسکون تھا۔ 26 تاریخ کو ہم سے دور سے کیشن کا جزیرہ دکھلا۔ 28 تاریخ کو ہم اپنا پہنچ گئے۔ چونکہ یہاں اسٹیئر کو کوئلہ لینا تھا اس لئے وہاں ایک دن کے لئے رکتا پڑ گیا۔

29 تاریخ کو ہمارا سفر ہمارے شروع ہوا۔ اسیر کا انھی شہر چلنا ہوا پوری حالت سے سمجھ کر چلتا ہوا آگے بڑھا۔ ہم نے مانا کا جزیرہ ایک بیٹے دھپر کو پہنچا، رات کو ہم سسلی کے خوبصورت جزیرے کے قریب گزرے۔ یہاں پر مختلف افغان پوری طرح سے نظر آ رہا تھا جو اپنی "تشی" لٹائی کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہ دن ہویہ رات ایک خوبصورت منظر پیش کرتا ہے۔

4 تاریخ کی دھپر کو ہم جزیرہ پہنچے۔ جزیرہ میں پورے کی خرابی کی وجہ سے یہاں ہمیں ایک دن رکتا ہوا۔ مسافروں کو اجازت کی گئی کہ وہ ساحل پر جا سکتے ہیں۔ لہذا ہم نے بھی اس سے فائدہ اٹھا کر شہر دیکھنے چلے گئے کہ جو کبھی مسلمانوں کے قبضہ میں تھا اور اب اس پر انگریزوں کی حکومت ہے۔ میں شہر میں رہا ہوں کہ میں جزیرہ کے قلعہ کے حکام اور مشیخہ کو دیکھ کر حیران و ششدر ہو گیا۔ یہ دین کے اعلیٰ تفسیر قسوں میں سے ایک ہے۔ یہ ایک بڑی چٹان پر واقع ہے کہ ہر سمت میں بکھی ہوئی ہے۔ اس کے ایک طرف اطلالہ ایک مسجد ہے اور دوسری طرف بحر مدہ۔ اس کی وجہ سے اسٹین کا ملک باریب نظر آتا ہے جو کہ اس سے ایک فاصلے کے ذریعہ ملتا ہوا ہے۔ جزائر کی چٹان کے ارد گرد گیلیوں اور کارڈز کے لئے کمرے بنائے گئے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے اوپر نظر میں ہیں۔ ان کے اندر مودار ہیں کہ جن سے چاروں طرف گولہ باری ہو سکتی ہے۔

712 میں یہ اعلیٰ تفسیر قلعہ مسلمان جنرل طارق علی لود نے فتح کر لیا تھا۔ اس کے بعد سے اس کا نام بدل کر جنرل طارق ہو گیا تھا۔ اس سے موجود نام جزائر نکلا ہے۔ تقریباً 780 سال تک یہ مسلمانوں کی حکومت میں رہا۔ لیکن پھر 1402ء میں غریزہ کے بادشاہ ابو حیدر اللہ اور اس جانشینوں کی غارتگی کی وجہ سے یہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کے بعد نے اسٹین کے حکمران یہاں حکومت کرتے تھے۔ 212 سال تک یہ ان کے قبضہ میں رہا۔ یہاں تک کہ 1704ء میں شہت نے اسے انگریزوں کے حوالہ کر دیا۔ جو کہ اب تک اس کے قانونی حکمران ہیں۔ اس شہر کی آبادی ملت جزائر کے قریب ہے۔ آبادی میں انگریز، یودی اور پرتگیزی شامل ہیں جو پہلی یہاں قیامت ہیں ان کی تعداد در ہزار ہے۔

5 تاریخ کی رات تک ہوا کی مرمت ہو گئی اور وہاں سے اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ خاص طور پر سمندر، خوشگوار، ماحول، کپتان اور اس کے عملہ کا تعاون، ان سب نے ہی کرنا ہے۔ سفر کو بہت بخیر 10 مئی کو ہمارا جزائر ایک جگہ رکا ہوا "درتک" کے نام سے تھا یہاں پر مسافروں کو کچھ دن رکتا ہوا اور ان کے معائنہ کے بعد جب ہمیں ہماری بیگ کے

جراثیم سے آزاد طور صحت مند پانی 7 جزائر کو آگے جانے کی اجازت لی۔ جب ہمارا جزائر تقریباً 12 تھا اس رات میں ایک دن میر دوست مسٹر رٹل جو بحال میں مدہم تھا وہ میری کہیں میں آ کر اور مجھے سوتے سے اٹھا کر اور کہنے لگا کہ ہمارے جزائر کے قریب میں مقامی لڑکیوں کو دیکھا گیا ہے۔ اگرچہ سڑی بہت خفیہ اور ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے میں اس سڑی میں اتنی جلدی نہیں کا ہادی نہ تھا لیکن لڑکیوں کو دیکھنے کے شوق میں میں نے خود کو شال میں لپیٹا اور اپنے دوست کے ساتھ باہر آیا۔ جب میں عرش پر گیا تو دیکھا کہ ہمارا جزائر عجیب و غریب ماحول میں گھرا ہوا ہے۔ ہمارے بائیں جانب خوبصورت میدان پھیلا ہوا تھا۔ دوسری جانب آگل آف وائن تھا، جہاں شاندار پہاڑ اپنی سفید چٹانوں کے ساتھ سمندر میں ابھرا کھڑ تھا۔ ہمارے جزائر کے ارد گرد بہت سی چھوٹی کشتیاں تھیں، ان میں اور تماشہ بینوں کے ساتھ ساتھ خوبصورت لڑکیاں بھی تھیں۔ پہلی نظر میں تو ان کی خوبصورتی سے میری آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔

اسنے طویل عرصہ کے بعد کسی کو جب کچھ لوگوں کے لئے قرطینہ میں رکھا جسے نور اس بات کی اجازت نہ دی ہے کہ اس کے ارد گرد جو بھی اچھی چیزیں ہیں ان سے کوئی رابطہ بھی رکھ سکے تو میں سمجھتا ہوں کہ کسی بھی انسان کے لئے یہ سب سے زیادہ تکلیف دہ عمل ہے۔ ہم نے لیمن دن اس طرح سے گزارا۔ چوتھے دن اس وقت ہماری خوشی کی انتہا نہیں رہی کہ جب ہمارے جزائر نے حرکت کی۔ ایک لمحہ کے بعد یہ سوتھ چھین کی گوی میں حفاظت کے ساتھ داخل ہوا۔ اس حفاظت سفر کے لئے ہم نے خدا کا شکر ادا کیا۔

در ہم چلتا قدم پر اترے تو ہم نے دیکھا کہ یہ کشادہ صحت ہے۔ جس کا فرش تمام کا تمام کلمے چتر سے بنا ہوا ہے۔

چند ہی منٹوں میں وہ گھوڑا گاڑیاں ہمارے دوپیکہ آئیں۔ ہم ان میں سوار ہو کر مشہور رشتہ شریعتیہ روانہ ہوئے۔ گلی کے بعد گلی اور چوراہے کے بعد چوراہا جس طرف سے بھی ہم گزرے وہ تمام فرش بند صاف نور ترتیب کے ساتھ تھے۔ ان پر عورتیں و مرد بچے نظر آتے تھے۔ تمام عورتیں خوبصورت تھیں جبکہ مرد صحت مند تھے۔ امراء اور بزرگوں کے محلات اپنی طرز تعمیر کی وجہ سے صاف نظر آتے تھے۔ انہیں میں سے ایک گھر میں میں نے دیکھا کہ وہ شریف لوگ اپنی لباس پہنے پتے سہل پہل ڈالے ہوئے ہیں۔ اس سے میں نے یہ اندازہ لگا یا کہ شاید ان کے ہاں کوئی موت ہوئی ہوگی۔ جب میں نے مسٹر اسکاٹ سے جو میرے قریب بیٹھا ہو تھا یہ سوال کیا تو اس نے ہنس کر کہا کہ اب تک یہاں پر پڑنا دستور ہے کہ کچھ لوگ اپنے ہاں پر پڑاؤ لگاتے ہیں۔ اس لئے یہ مانتی تھانی نہیں کہ فیشن ہے۔ ہر حال میں یہ شرک کہ جس کی آبادی میں لاکھ کے قریب ہوگی یہاں دنیا کی تمام دولت جمع ہے۔ ہم ان عجائبات اور حیران کرنے والی چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے بروک سڑک پہنچے اور یہاں ایک عالی شان عمارت میراث ہوئی میں اترے۔

اس ہوٹل میں وہ ساری سوتیلی تھیں کہ جن کی ایک شہزادے کو ضرورت ہوئی ہے۔ یہاں ہم تین دن تک ٹھہرے۔ لیکن پھر ہمارے رہنا اس کے بہت زیادہ کرایہ سے خوفزدہ ہو گیا۔ ہم وہ سو روپے روزانہ تھا۔ اس لئے ہم نے ایک نجی مکان نمبر 7 ملہن اسٹریٹ میں کرایہ پر لیا۔

آخر کار ایک طویل سفر کے بعد ہم نے یہاں پر رہائش اختیار کی۔ اب ایک ایسی سرزمین پر تھے کہ جہاں سورج لگا کنور ہے کہ جیسے وہ چاند ہو۔ قطب ستارہ یہاں پر عروج ہے۔ بجوای طود پر یہ سرزمین درخت ہے۔ لوگ انہیں مذہب اور مستند ہیں۔ یہاں کی زبان رسم و آداب ہم سے بالکل مختلف ہیں۔ یہاں پر ہی تقریباً تین لوگوں کے ہاتھوں میں ہمارے ملک کی تقدیر ہے۔ میرا یقین ہے کہ جو کچھ بھی ہے یہ سب خدا کی مرضی سے ہے کہ جس کی وجہ سے یہ چھوٹا سا جزیرہ جو دنیا کے نقشہ پر ایک قہقہہ کی طرح نظر آتا ہے اس کے قعر میں دنیا کا بڑا حصہ ہے اور جو قعر میں نہیں ہے وہ اس سے نکل رہا ہے۔

16 مارچ کو میں سال سے تین سال بعد اپنے پرانے دوست اور آکا ٹینٹن ایسٹ وک سے ملا۔ ان سے مل کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔

چودھواں باب

14 مئی کو صبح سات بجے ہم کشم پلاس کے قریب اترے یہاں ہمارا سامان بغیر کسی دقت کے گزر گیا۔ یہاں ہم ایک عہد ہوٹل میں ٹھہرے جو پورے ہوٹل کے نام سے مشہور تھا۔ یہاں سے شہر اور متعدد دکانوں کو ابھی طرح سے دیکھا جا سکتا تھا۔ ہماری جماعت کو یہاں کے مقامی لوگ اس طرح سے دیکھ رہے تھے کہ جیسے ہم دہلی کے ساتھ بھڑوں میں سے ایک ہوں۔ میں نے اتفاق سے قادیان سے ایک ترکہ پاس خرید لیا تھا اس لئے لوگوں نے میری گفتگو پر مجھے زیادہ نہیں گھبراہ۔ میرے دوستوں میں 'سولے میر جھڑ کے' سب بازار چلنے کے لئے بے تھکن تھے۔ اس لئے بیشتر کے فوراً بعد وہ اپنے معمولی سے ہندوستانی لباس میں مارکیٹ چلے گئے۔ جہاں لوگوں نے نہ صرف حیرانی سے انہیں دیکھا شروع کر دیا بلکہ ان کے پیچھے ایک مجمع جمع ہو گیا۔ اس صورت حال سے ناراض ہو کر وہ لوگ کچھ غریبے بغیر واپس ہو کر آگئے۔ ہوٹل میں داخل ہوئے دقت انہوں نے واپس مڑ کر ان لوگوں کو دیکھا جو تجسس کے دہانے ان کے ساتھ آئے تھے۔ حاضرین نے دوسرے نوجوانوں "ہرا" اس پر ہر طرف سے یہی آوازیں کئے لگیں۔ اس پر ہمارے طویب بدو الدین نے فہم سے کہا "صنید شیطان" پھر مجھ سے صاحب ہو کر کہنے لگا کہ "ان لوگوں کو کس ذات اور عمر کا کوئی احترام نہیں ہے۔ میرا دین چاہتا ہے کہ ان لوگوں کو بھڑا دیں۔"

۱۳ یہاں سے گریں تعلیم صاحبہ میں نے کہا "دورہ اس ہوٹل اور آپ کے لئے معیشت کھڑی ہو جائے گی۔ یہ لوگ کسی سے نہیں ڈرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ یہ لوگ بہت زیادہ تجسس ہیں۔ لیکن ان لوگوں نے آپ کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا ہے۔ لہذا ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔"

15 آدھ کی صبح کو ہم ریل کے ذریعہ لندن روانہ ہوئے۔ اس میں بیٹھ کر ہمیں اندازہ ہوا کہ سفر کس قدر طویل ہوتا ہے۔ راستہ میں ہم خوبصورت کھیتوں "درختوں" "چشموں" گاؤں "شہروں اور قصروں کا نظارہ کرتے گئے۔ ریل کی تیزی میں یہ مناظر آنکھوں کے سامنے آتے و جاتے تھے۔ یہ ایک عجیب و غریب تجربہ تھا جو ہمیں ہوا۔ جب ریل اپنی منزل پر دی

ہم نے ایک ہفتہ گھر میں خاموشی سے گزارا۔ میرا مطلب ہے میرا چہرہ اور ان کے ملازم گھر رہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے اس وقت بھی آرام نہیں کیا جب کہ میں گھر پہنچا تھا۔ میرا کام بحیثیت سیکرٹری اور حرم کے بڑا چلن ہوا تھا۔ کیونکہ میرے ساتھیوں میں سے کسی کو انگریزی نہیں آتی تھی اس لئے ہر جگہ میری ضرورت پڑتی تھی بات ثابت ہو یا تجارتی بین دین۔

اس دوران میں نے دو لوگوں سے دوستی کر لی جو کہ یہاں کے معاشرے میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے ان میں سے ایک الفراء، عظم تھا اور دوسرا آد پس فورڈ ان میں پہلا ایک ناچر تھا جبکہ دوسرا پارلیمنٹ کا ممبر۔ ان دونوں حضرات کی دوستی کی وجہ سے یہاں کے بارے میں میری معلومات میں اضافہ ہوا۔ پھر میں نے بہت سی عکسیں کچھ شیعہ کے بغیر دیکھیں۔ 24 تاریخ کو ہمارے مہمان دوسرے ہمیں شرکی مشہور چھپیں دکھانے لے گئے۔ پہلی چیز جو ہم نے شہر میں دیکھی وہ شاندار پہلی تھی۔ خاص طور سے "آئین برج" اور "سورنگنگ" 'برج' ہمیں یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ ان دو بیکل پلیں کو کس طرح سے لوہے کے بڑے بڑے ستونوں کے ساتھ ملا کر بنایا گیا ہے۔ اس سے ہم نے یہ اندازہ لگایا کہ اس جگہ میں لوہے کی کانیں ہوں گی۔ کیونکہ ان پلیں کے علاوہ ہم نے لوہے کا استعمال اور عمارتوں میں بھی دیکھا۔ کوئی مکان ایسا نہیں تھا کہ جہاں لوہے کی رنگ نہ ہوں کچھ مکانات کی تو چھت بھی لوہے کی تھی۔ کچھ پختات کی لوہے کے جھگڑوں سے حفاظت کی گئی تھی۔ ابوہر ابوہر گھوڑے کے بعد چھت ہل کھنڈل گئے۔ یہ ایک ایسی عمارت ہے کہ جو میرے خیال سے دنیا میں اپنا ہمسر نہیں رکھتی ہے۔

جہاں پر مجھے جو چیز پسند نہیں آئی وہ لائبریری مکتبوں اور ہتوں کی موجودگی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ یہ سب بڑی خوبصورتی اور آہٹ کے اصولوں پر تراشے گئے ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ان کی پوجا نہیں کی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ پرائیویٹ فرسٹ کلاس جہاز نہیں ہے۔ لیکن ایک مذہبی عمارت جو کہ مذہبی فرنگس کی ادائیگی کے لئے ہو چاہے وہ معمولی ہو یا شاندار اسکو مانا جاتا ہے تاکہ عبادت گزاروں کی توجہ و حفا اور عبادت سے نہ بھٹکے۔ کھنڈل دیکھنے کے بعد ہم ایک آئین دور راستے میں داخل ہوئے جو دھندلے کے نام سے مشہور ہے۔

25 تاریخ کو ہمارے مہمان دوست مسٹر و مسز عظم نے ہمیں اعلیٰ اور کی دعوت دی۔ شام کو آٹھ بجے ہم اس عمارت کی طرف گئے۔ داخل ہو کر دیکھا کہ یہ ایک گل تھا جو

لوہے کے ستونوں پر کھڑا تھا۔ اس کا اندرونی حصہ شاندار تھا۔ اس کے اندر ہی حصہ میں چھوٹے چھوٹے کمرے و پاس تھے کہ جن میں چار یا پانچ لوگ بیٹھ سکتے تھے۔ ہر مہلی اور شاہی خاندان کی نشستیں بیچ کے دائیں جانب تھیں۔ ہماری نشست بیچ کے بالکل سامنے تھی اور اس قطار میں تھی کہ جہاں شاہی خاندان بیٹھا ہے۔ ہم آگے گئے وہاں آرام سے بیٹھ رہے اور اس محل کی شان و شوکت سے مسحور ہوئے رہے۔ ہم نے دیکھا کہ یہاں جو عکس کی مدد تھی اسے اپنی مرض سے زیادہ کم کیا جا سکتا تھا۔ چراغوں کی طرح کو کسی بھی وقت کم کر کے رات کا سا پیدا کیا جاتا تھا اور کبھی وہ انکا روشن ہوتے کہ دن کا لگتا ہوا تھا۔

مازے اچھے بچے چوڑے اٹھائے گئے۔ وہ خوبصورت خواتین کے جنوں نے انتہائی غیر شاندار لباس پہن رکھا تھا اور ایک بوڑھا آدمی کے جہان کے پاپ کی نمائندگی کر رہا تھا۔ یہ تینوں بیچ چلے۔ انہوں نے کچھ گایا۔ میرا خیال ہے کہ وہ کوئی تاریکی گیت ہوگا۔ گیت کے ساتھ موسیقی بھی تھی۔ انہوں نے جو رقص کیا اس سے ان کی اس فن میں مہارت ظاہر ہوئی تھی۔ خواتین جب رقص کرتے ہوئے گومتی نہیں تو ان کا لباس ہواشیں اڑ کر ان کے جسم کے اس حصہ کو لہلاہ کرنا تھا کہ جسے دیکھنا و غلامی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس قسم کی باتوں سے مجمع کو بھانا تھا۔ ہم نے میز پر سے توفل اٹھایا مگر انہوں نے جو کچھ گایا اس کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکتے۔

جب ہماری شناسائی یہاں کے امراء اور اشراف لوگوں سے ہوئی تو کوئی شام ایسی نہیں ہوئی تھی کہ اس میں ہمیں دعوت نہ ملتی ہو۔ اس لئے ہماری شانیں سبوز تفریح اور اچھی صحبت میں گزرے گئیں۔ جہاں تک میرا تعلق تھا اگر مجھے اپنے چیف کے ساتھ کیس جانا نہیں ہوتا تھا تو میں بھیج دیتا تھا۔ خاص طور سے یہ اراکین جمہوریت پسند بھی کیا اور کبھی اپنے دوست اور شاگرد کھنڈل کی۔ پھر شبن کے ساتھ جو یہاں بہت اچھے عالم اور دل آویز چہرے کے امراء آتے ہوا تھا۔

27 تاریخ کو میں نے مسٹر و مسز ایڈوک کے ہمراہ کھانا کھایا اور ان کے ساتھ خوبصورت شام گزاری۔ انہوں نے اپنے دوستوں اور قریبی رشتہ وادوں کو مجھ سے ملوانے کے لئے بلوایا تھا۔ کچھ تاریخ کو ہمیں ایک فنیسی ہال کے لئے دعوت دی گئی۔ یہاں ہم نے لوگوں کو غلامی لکوں کے لباس میں دیکھا۔ ایک صاحب جنہوں نے امریکی لباس زیب تن کر رکھا تھا جب وہ میرے قریب گزرا تو وہ مجھے نہ صرف لباس بلکہ عادات سے بھی متاثر

معلوم ہوا کہ میرے چیف کے دادا نے جب اسے دیکھا تو اس سے جان ملتا اور سلام کر کے کہہ دیا اس سے پوچھا کہ وہ شیراز سے کب آیا ہے؟ لیکن وہ حقیقت ہم نے دھوکہ کھا تھا کیونکہ اس شخص نے ہماری دیت کے بجائے سکرارکھاری طرف دیکھا۔ اس نے جب انگریزی بولی تو چند چلا کہ وہ انگریز ہے اور اس کی دماغ بھی تھلی ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی تردد نہیں کہ اس کی لٹری راجسی اصل کے مقابل میں بھڑکی۔

30 تاریخ کو اپنے چیف کے ساتھ میں لیڈن ہال اسٹیٹ میں انڈیا ہاؤس گیا۔ وہ اس کو مکان کیجے ہیں مگر وہ حقیقت یہ عمل ہے۔ اس میں کئی کمرے اور ہال ہیں جو کہ خوبصورت سے سجے ہوئے ہیں۔ یہی وہ جگہ ہے کہ جہاں میرے پیارے وطن کی قسمت ان 24 آدمیوں کے ہاتھ میں ہے کہ جو آخری ایشیائی ایٹم بھڑکی کیتی کے وار کٹر کھاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ انڈیا کی حکومت کو یہاں سے چلاتے ہیں۔ ہماری آمد پر وہ قریب ہمیں محل کے درمیان میں جو کمرے میں وہاں لے گئے جہاں ہم جیتھین اور ڈینی سے ملے کہ جو اس کے قریب میں ہوا تھا جیتھین کا نام جان شیفر تھا اور اس کے ڈینی کا نام سریشی دی ناگ۔ دونوں اشخاص سنجیدہ اور ذہین معلوم ہوتے تھے۔ ان دونوں نے پورے مذاق سے ہمارا استقبال کیا۔ پچھلے سریشی دی ناگ نے فارسی میں گفتگو شروع ہوئی۔ لیکن جب اسے ہمارے مطالبہ کو سمجھانے میں وقت ہوئی تو اس نے ترجمہ کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دی۔ چنانچہ میں نے نوجوان چیف کی جانب سے پورا کیس پیش کیا اس میں جہاں ضرورت پڑی میں نے اپنی طرف سے اضافے کر دیئے۔ ان دونوں حضرات کے بعد کس سے میں نے جو نتیجہ اخذ کیا وہ یہ تھا کہ ہمارے نوجوان چیف کا اپنے حق کے لئے یہاں پر اتنا ایک طاقتور اور شہنشاہی فعل تھا کہ وہ اپنے ملک میں رہتے ہوئے صرف انہیں لکھ کر بھی کر سکتا تھا۔ اس کے لئے کوئی ضرورت نہ تھی کہ یہ طویل سفر کیا جاتا اور اتنا پیسہ خرچ کیا جاتا۔ انہیں اس بارے میں کوئی زیادہ علم نہ تھا یا پھر وہ بھی نہ تھی کہ انہیں کے آدمی لاڈلائیں ہر گودہ جہاں کے جائیداد قلم کی ایک جیتھین نے میرے چیف کو تمام حقوق سے محروم کر دیا اور اسی لئے وہ مجبور ہوا کہ اصرار کے لئے یہاں آئے۔

آدھ گھنٹے کی اس گفتگو کے بعد ہم نے ان عقیم شخصیتوں سے رخصت لی۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے پاس ہندوستانی معاملات کی ذمہ داری ہے۔ بعد میں ایک ہمدرد شخص کے ہمراہ ہم اوی کی طرف پر گئے کہ جہاں آخری کمیٹی کا میونیم ہے۔ یہاں پر دنیا بھر سے حج کی ہوئی تھی شہاد ہیں۔ یہاں ہمارا تعارف تین سالوں سے کرایا گیا۔ چار شخصیات جو کہ

ہندوستانی لفظ کا معنی ہے "پروفیسر دس" جو کہ بنا ہوا مشرقی علوم کا اسکالر ہے اور کرل ڈیور ایچ سکس۔ یہ خیاں کرتے ہوئے کہ مشنری ٹیکسیر نے چونکہ اورو لٹ کس ہے میں نے ہندوستانی میں ان سے ایک طویل جلسہ ہوا۔ لیکن انہوں نے کہ وہ اس زبان کا لفظ نہیں سمجھتے بلکہ اس کے جس میں اس نے کئی مفید کتابوں کی تصنیف کی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پروفیسر ایک عالم شخص ہے اس کا اندازہ اس گفتگو سے ہوا کہ جو اس نے ہمارے ساتھ کی تھی۔ تیسرے آدمی کے چار میں معلوم ہوا کہ وہ ڈائریکٹروں میں سے ایک ہے اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا رکن بھی ہے۔ وہ سہا دلا اور خوش شکل تھا دیکھنے میں وہ کوئی عرب امیر معلوم ہوا تھا۔ طویل حور تک ہندوستان میں رہنے کی وجہ سے وہ ہماری زبانوں اور ہماری عادات و رسمیت سے بخوبی واقف ہے۔ اس لئے یہ ملاقاتی بات ہمارے لئے باعث مسرت ہوئی۔ اس کی ہوائی اور خوش اخلاق کی وجہ سے اس سے دوستی کرنے کا دل چاہا۔ ان کے قیام کے دوران میں اس سے اکثر ملنا ہوا اور اس سے گفتگو کرتا رہا۔ اس کا رویہ میرے ساتھ بیش بہا رواں دواں تھا۔ میں نے اسے ایک اعلیٰ خصوصیات رکھنے والا اور فہم و ذراک سے ہمراہ شخص یاد۔

ایک شام مشنری لٹم مجھے رائل ایشیائی نیشن لے گئے۔ یہاں میری شناسائی تین یا چار اشخاص سے ہوئی کہ جن کے نام میں اب فراموش کر چکا ہوں لیکن انہوں نے میرے ساتھ ہندو جیہ مسوک کیا۔ انہوں نے مجھے اپنے قریب بٹھا دیا اور ہر چیز میری سمجھ میں نہیں آئی تھی اس کی پوری پوری وضاحت کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ انگلستان میں وہ لوگ کہ جو ہمدرد و عروج میں سب سے اچھے ہیں وہی سب سے زیادہ صلب اور خائستہ ہیں۔ یہاں پروفیسر فرلا نے جی خوبصورتی سے انالوی پر بکھیر دیا۔ پچھلے کئی سالوں سے یہ میرا پسندیدہ محفل تھا۔ اس لئے مجھے یہ کتنا پڑتا ہے کہ میں نے اس بکھرے ہوئے کچھ سمجھا۔ وہ میں ایک حال کی صحت اور کتابوں کے مطالعہ کے بعد بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ مشنری لٹم نے میرے لئے یہ اجازت بھی لے لی تھی کہ میں بغیر کسی فیس کے جہاں چاہوں وہاں جا سکتا ہوں۔ انہوں نے صوبائی نمبرتے ہوئے بیٹھ جا رہے تھے ہتھال اور کالج آف سرچر کے پیرسٹرنٹ سے یہ اجازت لے لی تھی کہ جب بھی ان کے ہاں انسانی جسم کی جراحت ہو تو وہ مجھے دیکھنے کی اجازت دے دیں گے۔

کم دنوں کو ہمارا تعارف کرل فی رو سے ہو۔ اس نے اور اس کی بیوی نے ہمیں اپنے گھر آئے کی دعوت دی۔ اس کی بیوی ایک اعلیٰ مرتبت خاتون تھی۔ اس کی دونوں لڑکیاں

سبہ حد ضعیفی تھیں۔ اعلیٰ تعلیم نے ان کی غویوں میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد ہم ایسٹ انڈیا ہاؤس ایک بار اور گئے۔ یہاں سے ہمیں مسٹر پین فورڈ پرنس میڈیم اور لادو جیکل گارڈن نے گئے۔

لادو تاریخ کو چونکہ اڈار تھا، اس لئے پورا شہر دربان اور سہان قلب اس دن نہ تو کوئی دکان کھل ہوئی تھی۔ نہ کوئی گاڑی تھی۔ نہ اونٹیں، نہ بکریاں اور دلوں میں اور سے اور جاتی نظر آتی تھیں۔ لیکن تمام لوگوں نے اپنے گھروں میں صاف ستھرے لباس پہن رکھے تھے۔ ہمارے انگریز ملازموں نے بھی رات کو ہی اپنا کام ختم کر لیا تھا اور دن کو وہ بھی صاف لباس پہن کر عمارت کے لئے جمع ہو چکے تھے۔ اڈار ان کا سب سے بڑا محلہ تھا جس طرح کہ ہندو مسلمانوں میں اور ہندو یودیوں میں۔ بہت جھڑپیں اور حمل میں سلجھ کے ملنے کے لئے ہے۔ اڈار کے لئے نہیں۔ چونکہ یہ چٹائی کا دن تھا اس لئے ہم تقریب کے لئے اپنی ٹیٹ ایم ایلٹ چپے گئے۔ جہاں تازہ ہوا سے مٹھ انداز ہو کر ہم گھر آئے۔

نئی تاریخ کی صبح کو ہم نے ایک عالم شخص جگا رام ڈاکٹر پر دنگ تھا اس سے ملاقات کی اور اس کی عالمانہ مشق سے بہت کچھ سیکھ دیا۔ پھر کو ہم ہاؤس آف لادو اور پارلیمنٹ گئے۔ یہاں ہم نے شکر کے مسئلہ پر صوفیہ رائے سنی۔

چار تاریخ کو مجھے جامع ہسپتال کی طرف سے دعوت ملے۔ یہاں پر ڈاکٹر کھر اور مشر پین کوٹ، جیوٹ جیوٹ ساہو سہائی سے پیش آنے والوں نے پورے ہسپتال کا پھر لکھوایا اور پھر ایک لاش کی جراثیم دکھانے لے گئے۔ اس کو دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ ہم جو جانوروں کے تشکیلات فارسی و عربی میں پڑھتے ہیں وہ سب قیاسات پر مبنی ہیں اور کسی کو انسانی جسم کے بارے میں بھل راقیت اس وقت تک نہیں ہو سکتی ہے جب تک کہ وہ اس کی جراثیم نہ کرے۔

پانچ تاریخ کو ہم ایس کوٹ میں رہیں دیکھتے گئے۔ یہ شہر سے چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں لوگوں کا ایک مجمع تھا جو بے دیکھ رہا تھا کہ کون سا گھوڑا جیتے گا اور کون سا ہارے گا۔ ان رہیوں میں لوگ کئی چیزیں دیتے و بیچتے ہیں۔ اس رہیوں میں جو گھوڑے شرکت کرتے ہیں، میرے خیال میں وہ دنیا کے بہترین گھوڑے ہوتے ہیں۔ ہمیں یہاں تقریب سے زیادہ غرض نہ تھی بلکہ یہ مقصد تھا کہ ہم اپنے سکران کو قریب سے دیکھ سکیں۔ ہمارا یہ مقصد پورا ہو گیا۔ ہم نے سمجھ لیا کہ وہ دن کے شہر کو آداب کیا۔ جس کا جواب انہوں نے بڑی شائستگی سے دیا۔ ہمارا خیال ہے کہ ہمارے پاس 'چرے' اور بکریوں کو اماندے بننے

ہمارے جواب نے شاہی جوڑے کی توجہ ہماری طرف کر دی۔ ان کے ساتھ جو درباری تھے وہ بھی ہمیں دیکھ کر چمکے ہوئے۔ لیکن اس میں عام لوگوں جیسی بے ہوشی نہ تھی۔ جن لوگوں کو خدا کے برز صفت رہتا ہے، ان کے دماغ بھی اعلیٰ ہوتے ہیں۔

سات تاریخ کو ہم سیل انجینئرنگ کے انسٹی ٹیوشن پاؤس گئے اور یہاں اس کے صدر مسٹر وانگر سے گفتگو کی۔ اس کے سیکرٹری مسٹری، من پائی سے بھی ملے۔ یہ دونوں حضرات انتہائی قابل تھے۔

آٹھ تاریخ کو ہم رائل ایسٹ انڈیا کمپنی کے دفتر گئے۔ یہاں پر ہم نے بیانیہ پراڈاکٹر فالکونر کا پتھر ملا۔ اس کے بعد ہمارے سابق گورنر جنرل لارڈ آکلینڈ نے تقریب کی۔ جس کو ہم نہیں سمجھ سکے۔ انہوں نے اس قدر مشکل زبان استعمال کی کہ جو ہم غیر لکھنویوں کے لئے لاطینی تھی۔ چونکہ یہ تقریب ہماری سمجھ سے باہر تھی اس لئے ہم نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے مارڈالور احمد سے بات چیت کی۔

9 تاریخ کو اڈار کے دن میں ایک انگریز دوست کے ہمراہ رشڈ کے گاؤں گیا۔ وہ تاریخ کو میں نے ایک جنگ میں شرکت کی۔ جو کہ آرٹ کی بہت اعلیٰ صنعت و تجارت کے لوگوں کی ایک سوسائٹی نے منعقد کرائی تھی۔ اس کی صدر رت پرنس الیٹ نے کی۔ ہماری یہ عزت افزائی تھی کہ ہماری نظریں ایک کال سٹریٹ کے قریب تھیں۔ میری ان کے ساتھ بڑے دستار داخل میں بہت جیت ہوئی۔ جب پرنس آئے تو سب نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ ہم نے اپنے انشائی طریقہ سے انہیں آداب کیا۔ پرنس نے سب کا شکریہ ادا کیا اور انہیں پر کرسی صدارت پر جا بیٹھے۔ اس کے بعد ایک کے بعد ایک کر کے ہر صنعت کار نے اپنی مثال اپنی چیزیں پرنس کو دکھائیں اور ان کی تعظیم و تائید۔ پرنس اور دوسرے لوگوں نے ان چیزوں کی تعریف کی۔ حاضرین کی طرف سے بھی انہیں داد و تحسین سے نوازا گیا۔ اس کے بعد ہم نیچے اتر کر ایک ہال میں گئے کہ جہاں مینشن کی گئی اشیاء تھیں۔ جب ہم ان اشیاء کو دیکھ رہے تھے تو ایک بار پھر پرنس سے ہماری ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کمال سہولت سے میرے پیچ سے ذی سوال پوچھا کہ جو انگریز پوچھتا ہے یعنی "کپ کو یہ کب لگا؟" میں نے زیر کر کے اس کا جواب دیا۔ یہ ہمیں بہت اچھا لگا۔ دوسرا سوال تھا کہ ہم نے انگلستان میں سب سے اچھی بات کیا دیکھی؟ میں نے اپنے پیچ کی طرف سے جواب دیتے ہوئے کہا کہ "اعلیٰ خاندان کے لوگوں کی شائستگی سب سے اچھی لگتی ہے۔" اس پر پرنس کے چہرے پر اچھی سی مسکراہٹ آئی۔ پھر وہ آگے بڑھے۔

اس طرح پرنس سے یہ اہارا جاوٹائی اعلیٰ قسم ہوا۔
اسی دہر کو ہم نے ایک چینی ٹرانس دیکھی اور رات کو بیس ہال میں شرکت کی جو کہ
پہلے والے کے مقابلے میں زیادہ اچھا تھا۔

ہم پرنس میوزیم کی اپنی پہلی والی سیر سے مطمئن نہیں تھے۔ اس لئے پھر وہ تدریج کو
دوبارہ وہاں گئے اور وہ سب چیزیں دیکھیں کہ جو پہلے نہیں دیکھ سکے تھے۔ اس کے بعد ہم
ریسٹ مشنریہ دیکھنے گئے کہ جو گو تھک ٹریڈ فیر کی ایک شاخ اور ٹرانسپورٹ عمارت ہے۔
کہا جاتا ہے کہ اسے انگریزی سونے نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کی تعمیر کی تاریخ 1221ء ہے۔ اس
مگرچہ میں کوڑ (گنے والوں کی جگہ) کا جو فرش ہے اس سے میں نے بہت متاثر ہوا۔ یہ
پتھریل کیا ہوا ہے اور اس میں رنگ برنگے چتر لگے ہوئے ہیں۔ اس کا سامنے والا حصہ
کہ جو سیلیمان کا دروازہ کہلاتا ہے دیکھنے والے کے سامنے ایک شاخدار مہر پیش کرتا ہے۔
اس مقدس جگہ میں ہی انگلستان کے مشہور لوگوں کے جیسے ہیں مگر اس قدر نہیں کہ چنے
ہینٹ ہال میں ہیں۔ ایک شانستہ لوجوان اہلست ہمیں مغربی دروازے پر لے گیا جہاں سے
ہم نے اس کے اندر دینی منظر کو اچھی طرح سے دیکھا اور ہم اس کی اور بھی قسمت اور ستونوں
کی قطاروں کو دیکھ کر بڑے متاثر ہوئے۔ اس کی اوپر والی گیلری میں شیشے والی کمریوں کی
قطار تھی کہ جن سے گزر کر روشنی اندر آتی تھی۔ مگر روشنی چکاچوند پیدا نہیں کرتی تھی
بلکہ محض ایک احساس دلاتی تھی۔ اس کی سیر کرانے کے بعد اچھت ہمیں اس ہال میں لے
گیا کہ جہاں انگلستان کے حکمرانوں کی تاج پوشی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ وہ چلی کی کرسی
کہ جس پر یہ بیٹھے ہیں وہ پرانے فیشن کی ہے۔ ہم نے جانے سے پہلے اس کرسی کو چھوا
جو کہ اسہار کی سیٹ ہے۔ وہاں سے اچھت کی دہائش گاہ پر گئے جو کہ ایسے کے قریب ہی تھی
جہاں ہم سب کی معجزہ مشروب یعنی پانی سے خاطر کی گئی۔ اس کے بعد ہم نے اپنے بھران
سے صلیب اور اپنے ہلال کے موضوع پر بات کی۔ میرا بیٹا تو گھر چلا گیا اور میں یہاں
سے اپنے دوست کیپٹن پرنس کے ساتھ آرمیبل ایلیجی بی جرنل جو کہ بورڈ آف کنٹرول کا ممبر
ہے اس سے ملنے چلا گیا۔

نیکرٹری ہم سے خوش اخلاقی کے ساتھ ملا۔ وہ ہمیں حالہ لوجوان تھا۔ جس نے مجھ سے
ہندوستان کی حکومت کے بارے میں کئی سوالات کیے جن کا جواب میں نے اپنی حکومت کے
حق میں دیا مگر میں نے دیکھا کہ وہ میرے جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔ کیپٹن پرنس نے
اس سے کچھ دیر گفتگو کی۔ اس کے بعد ہم اس سے رخصت ہوئے۔

24 تاریخ کو ہم لاہور اگلے کے ہاں شام کی پارٹی میں گئے۔ یہاں ہمارا تعارف وائس
کاونسل ہوئے لیکن اور ان کی بیگم سے ہوا جو کہ انگلستان کی تین ترین عورتوں میں سے
تھیں۔ مجھے یہ عزت افزائی ملی کہ میں نے اس جنت کی حور کے ساتھ چلنے کی گئی۔ اس کے
ساتھ ہاتھیاں تھیلیں اور دونوں میں ہار کر اسے خوش کیا۔

25 تاریخ کو میں نے اڑیا ہاؤس میں گورنر آف ہندوستان کی میٹنگ میں شرکت کی۔
یہاں میں نے مسٹر سیلون کی تقریر سنی جس میں انہوں نے ہندوستان میں برطانوی حکومت
اور وہاں کے لوگوں کی فلاح و بہبود کے بارے میں کہا۔

25 تاریخ کو ہم نے بورڈ آف کنٹرول کے صدر لاہور ایجن سے ملاقات کی۔ گھنگو کے
دوران ہمیں احساس ہوا کہ ہندوستان کے معاملات کے بارے میں ان کا رویہ دوسروں کے
مقابلہ میں بالکل جدا تھا۔

27 تاریخ کو ہم نے شام کی ایک پارٹی میں شرکت کی کہ جہاں پر ٹرانسپورٹ عورتوں
اور مردوں کا مجمع تھا۔ یہاں پر میری ملاقات علی کے عالم کرمل رائٹر سے ہوئی جس سے کہ
میں تیس سال قبل دیرا میں ملا تھا۔ میں نے اسے یاد دلایا کہ دونوں جگہ جہاں ہم ایک
دوسرے سے ملے وہ کس قدر مختلف ہیں۔ اس نے کہا کہ فرق صرف جگہ میں نہیں وقت
میں بھی ہے۔ میں ایک بار اس کے گھر پر بھی لے گیا۔ مگر وہ ہم سے ملاقات کے لئے نہیں
آیا۔ شاید وہ خود کو ابھی تک ہندوستان ہی میں سمجھتا تھا اور پتہ نہیں تھا کہ اب وہ آزادی
کی سرزمین رہا تھا کہ جہاں ہم سب برابر تھے۔

28 تاریخ کو ہم ریجنٹ پارک میں عجیب و غریب جج "دیورانا" دیکھنے چلے گئے۔ اس ہاؤس
والی جگہ پر جب ہم پہنچے تو ہمیں ایک تاریک کمرے میں لے جایا گیا جہاں ہم کرسیوں پر
بیٹھ گئے۔ ہاں جگہ بیٹھ کر ہمیں ڈر ہوا کہ نہ جانے اس تیرہویں کمرے میں ہمارے ساتھ
کہا سلوک کیا جائے۔ لیکن موسیقی کی آوازوں نے ہمارے غلط فہمی کو دور کر دیا۔ پھر اچانک
ہمارے سامنے کمرہ صبح کا منظر آیا اس میں ہم نے ایک مٹھی کل والے بڑی بیٹھے
والے کو دروازے کے کنارے دیکھا جہاں اس نے کشتی سے اپنا سلمان اتارا۔ وہ خود سردی سے
کاپ دہا تھا۔ اس کی بھائی اور چھ کشتی میں سو رہے تھے۔ اس میں دریا اور پانی کی سوجھیں
بالکل قدرتی معلوم ہو رہی تھیں۔ دروازے کے کنارے سے ایک گل دکھایا گیا کہ جس میں رہنے
والے اپنے اپنے کاموں میں مصروف نظر آ رہے تھے۔ اس دوران صوبہ جھڑی سے چلتا
فرسٹ ہو گیا اور اس کی شہائیں چاروں طرف پھیل گئیں۔ پھر شام ہو گئی۔ یہاں پر منظر

بدل گیا۔ اس قدر تبدیلی آئی کہ سبزی بیچنے والا ایک طوبسورت لڑکی میں تبدیل ہو گیا۔ اب آسمان پر ستارے نظر آنے لگے۔ چاند کوئلے سے ابھرنا دکھائی دینے لگا اور اپنی لاطم روشنی سے پورے منظر کو منور کر دیا۔ کل بھی جھگڑا نظر آنے لگا جہاں لپ اور جہاز فالوس روشن تھے۔ اس کے بعد یہ منظر بھی آہستہ آہستہ غائب ہو گیا۔ اس کے بعد پھر اندھیرا ہو گیا اور دور سے موسیقی کی آواز آنے لگی۔ اس کے بعد صبح کی روشنی دوبارہ سے ہوئی۔ اس بار چرخ کے اندر مٹی جس کو دکھایا گیا۔ شروع میں یہ خلی تھا مگر دوسرے ہی لمحہ میں عیون گزاردوں سے بھرا ہوا نظر آیا۔ صبح دوبارہ میں بدلی اور پھر چند لمحوں میں شام ہو گئی اور رات ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی یہ شام ہم ہوا اور ہم پاؤں کچر کے ساتھ اس کمرے سے باہر آئے۔ اس مکان کا راز یہ تھا کہ یہ مکان ایک طرف تو بائبل پر تھا مگر دوسری طرف اس میں کھڑکیاں تھیں کہ جن سے روشنی کل کر سامنے پردے پر پڑتی تھی اور اس سے نظر کا دھوکہ ہوتا تھا اور ہم یہ مقررہ دیکھتے تھے لیکن پتلی کیسے حرکت کرتا تھا؟ چاند سورج کیسے نکلتے تھے؟ صبح و شام کیسے ہوتی تھی؟ اور وقت کیسے بدلے گا؟ یہ سب باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔

لذا جب ہم گھر آتے ہیں تو دیکھ تو پریشان تھے اور کچھ مطمئن کہ ہم نے جو کچھ دکھا وہ ایک یا تجربہ تھا۔ میرے کچھ ساتھیوں کا تو خیال تھا کہ یہ مکان بدردھول کا مرکز تھا۔ 29 تاریخ کو مجھے کالج تک سرچشمو کو دیکھنے کی اجازت مل گئی۔ جہاں میں پروفیسر اردن سے ملا۔ اس نے اپنے اسٹنٹ کو کہا کہ میں اب بھی دیکھنا چاہوں وہ مجھے دکھائیے اور ہر چیز کی تفصیلات سے مجھے آگاہ کرے۔ میں نے ساری عمارت کو گھوم کے دیکھا۔ ان انسانی جسموں کو بھی دیکھا کہ آرمے اور پورے طالب علموں کے مطالعہ کے لئے ترتیب سے رکھے ہوئے تھے۔ طالب علم ان کے مطالعہ کے بعد تھوڑے وقت میں اور آسانی سے انٹری کے مضمون میں باہر ہو سکتے تھے۔

یکم جولائی کو ہم نیشنل میٹری دیکھنے گئے۔ یہاں سے ایک ٹیبلر کے کہ جہاں پر ڈور ہاڑی گر لٹا دکھاتا تھا۔ ہم اس کی شہد ہاڑی سے بہت متاثر ہوئے کہ جس میں اس کی ہندوستانی خوراک ناز کرنے لگی۔ ایک شک جھلی سے فرکوش برآمد ہوا گھڑیوں کو بند کر دیا۔ مدالوں کو ٹک لگا دی اور پھر انہیں دوبارہ سے اصلی حالت میں لے آیا۔ مگر ہمارے ہندوستانی ہاڑی گر ان کے مقابلہ میں اعلیٰ پایہ کے ہیں۔

یورپین ہاڑی گروں کو جدید زمانہ کی تمام سہولتیں میسر ہیں کہ جن کو استعمال کرتے

ہوئے وہ بہتر طریقہ سے اپنا شو دکھاتے ہیں۔ جس ہال میں وہ کرتب دکھاتے ہیں اسے جب چاہیں روشن کرتے ہیں اور جب چاہیں وہاں اندھیرا ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہندوستانی ہاڑی گر کھلے میدان میں لوگوں کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور اس قسم کے کرتب دکھاتا ہے کہ جس میں تھوڑا پرے سائپ کو لٹک جاتا ہے۔ اس کا منہ خون سے بھر جاتا ہے۔ پھر ہاڑی گر اس کی دم سے سائپ کو زبرد بر تھ کر لیتا ہے۔ ایک ہندوستانی ہاڑی گر اپنے بچے کو گھڑ گھوڑتا ہے اور اپنی بیوی کا گلا کاٹتا ہے۔ آپ ان کے دھوکوں سے خون بہتا ہوا دیکھتے ہیں لیکن پھر آپ دیکھتے ہیں کہ سب ٹھیک ٹھاک ہے۔

میں نے خود ایک مرتبہ ایک ہرمن ہاڑی گر سے دوستی کر لی تھی جس کا نام لال بھات تھا۔ وہ یہ ظاہر کرتا تھا کہ اسے دیوی دیوتاؤں کی طرف سے یہ صلاحیت رویت کی گئی ہے کہ وہ یہ شہد ہاڑی کرے۔ قدیم زمانے میں لوگ ان ہی شہدوں کو گلوے لکھتے تھے۔ ایک بار میں اپنے دو یورپین دوستوں کو جن کے نام ڈاکٹر جے بیچ اور ڈاکٹر ویلیو لیکرٹ تھے انہیں سورت لے گیا کہ جہاں وہ رہتا تھا وہ دونوں ڈاکٹر اس پر بڑے حیران ہوئے کہ وہ ٹھنسی تلی بھا کر الپچی اور چھالی ہاتھ سے نکال لیتا تھا۔ اس نے میرے ایک دوست سے کہا کہ وہ اس کی زمو کی انگوٹھی کو مضبوطی سے پکڑ لے جہاں سے وہ دو ڈیٹین منٹ میں غائب ہو گئی اور ڈاکٹر لیکرٹ کے کٹ کے اندر سے لی۔

جولائی کا پہلا ہفتہ سستی و کالی کے ساتھ گزرا۔ میں دبیر کو کہیں سکشن گارڈن میں شامل قدمی کرنے چلا چلا کرتا تھا جہاں میں ایک یا دو گھنٹہ بیٹھ کر فطرت کے حسن سے لطف اٹھاتا تھا۔

دس تاریخ کو میں اپنے چیف کے ساتھ پولی ٹیکنک انسٹی ٹیوٹ گیا تو کہ ریجنٹ سٹیٹ میں واقع ہے۔ گیارہ تاریخ کو ہم اس شہر کی عدالت دیکھنے گئے جہاں ہماری ملاقات لاؤڈ چائٹر سے ہوئی۔

دوسرے دن میرے چیل نے ہم دیا کہ میں رومی شہزادے کو اپنے ٹیبلر میں آنے کی دعوت دوں کہ جہاں ہم نے ایک پوکس اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ میں نے فوراً اس پر عمل کیا اور شہزادے تک یہ پیغام پہنچایا جس نے یہ دعوت فوراً قبول کر لی۔ جب میں شہزادے سے ملنے گیا تو اس کے ساتھ ایک لہیا صحت مند اور خوبصورت انگریز نوجوان بیٹا ہوا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اسے میری گفتگو سے دلچسپی پیدا ہوئی ہے۔ جب شہزادے نے یہ دیکھا تو اس نے مجھے اس سے مدد مانگ کر لیا۔ اس کا نام لاؤڈ جان الفنس تھا جو کہ

ہر اس کا گورنر وہ چکا تھا۔ مجھے اس سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ میری تھوڑی دیر کی محنتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس کی ذہنی صلاحیتیں بھی اس طرح سے اعلیٰ ہیں جیسے کہ وہ ظاہری طور پر نظر آتا ہے۔

شام کو شہزادہ وقت پر آگیا اور ہم سب مل کر تصویر کئے۔ رات کا شو قابل تریف تھا۔ اس تصویر کے گھوڑے انسان کی زبان اور موسیقی کی دھنوں کو اچھی طرح سے سمجھتے تھے۔ کیونکہ وہ موسیقی کی نلے اور انگلیات پر دوڑتے تھے، پلٹتے تھے اور کھڑے ہو جاتے تھے۔ ان میں سے ایک گھوڑے پر ایک خوبصورت لڑکی کھڑی ہو گئی اور پھر اسے پوری تیزی سے اسیچے پر دوڑایا۔ اس دوڑ کے دوران اس کے ایک ساتھی نے اس کی طرف گہرے جھنجکی جو اس نے جاہک دتی سے ہوا میں پکڑ لی جس کو اس نے اچھالتا شروع کر دیا۔ مکمل یہاں پر ہی پورا نہیں ہوا۔ وہ ہر بار ایک نئی گیند پکڑتی تھی اور اسے اچھالتی تھی یہاں تک کہ اس کے پاس سات گیندیں ہو گئیں کہ جنہیں وہ اچھال رہی تھی اور پکڑ رہی تھی۔ اسی دوران گھوڑا بار بار دوڑے جا رہا تھا۔ اس کے بعد جین سے جنگ کو ایکٹ کیا گیا۔ اس طرح سے یہ شام ختم ہوا۔

17 تاریخ کو ہم نے سنا کہ شہر میں ایک ہونا آیا ہوا ہے۔ لہذا ہم اسے دیکھنے کے لئے چلے گئے اس کا قہ 28 اونچ تھا اور عمر تیرہ سال تھی۔ اس میں پونہ وال کسی قسم کی جسرالی ترقیاتی نہیں تھی۔ نہ تو اس کے تجھے بڑے ہوئے تھے اور نہ ہی اس کی پیٹھ پر کوب تھا۔ وہ جزل نام نصب کھلاتا تھا۔ اس سے بات چیت کے بعد ہمیں انداز ہوا کہ وہ ذہنی طور پر صحت مند ہے۔ وہ نظری کی یونیفارم پہنے ہوئے تھا۔ سر پر وردی والی ٹوپی اور ایک طرف تلواری لگی ہوئی تھی۔ اس بہت میں وہ بڑا شاندار نظر آتا تھا اور ساتھ میں اسے دیکھنے والے چہنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ خاص طور سے اس وقت کہ جب وہ محبت کے گیت گاتا تھا اور کسی لڑکی کے ساتھ رقص کرتا تھا جو کہ اس سے کئی گنا بڑی ہوتی تھی۔

24 تاریخ کو ہمیں مسٹر لاٹم نے دعوت دی کہ ہم دھرم میں ان کے گھر ایک دن گزاریں۔ لہذا ہم صبح جلدی ٹرین سے روانہ ہوئے ایک محنت کے اندر اندر وہاں پہنچ گئے۔ یہ شہر خوب آباد ہے اور دریا سے نہر کے کنارے واقع ہے۔ چونکہ ہمارے میزبان اجازت لے لی تھی اس لئے ہم اس کے مشہور قلعہ کو دیکھنے گئے۔ اس کے بعد مسٹر لاٹم کے گھر ہم نے پورا دن گزارا۔

31 تاریخ کو ہمارے دوست مسٹر راگین راج میں کھانے کی دعوت دی۔ ہم لندن سے

ایک اسٹیر میں روانہ ہوئے اور آدھ گھنٹے میں وہاں پہنچ گئے۔ گرین وچ کا شہر دوا کے کنارے واقع ہے اور کافی آباد ہے۔ یہاں پر قمار ملاہوں کے لئے ایک بہترین اسپتال ہے۔ یہ شہر اپنے خوبصورت پارک اور رصدگاہ کی وجہ سے بھی مشہور ہے جو کہ ایک پھاڑی کی چوٹی پر ہے۔

آگسٹ کا مہینہ کام کاج میں گزر گیا۔ ایک دن میں بازار میں جا رہا تھا کہ کسی نے بتایا کہ کچھ امریکی مسی ہال میں آئے ہوئے ہیں۔ میں وہاں گیا اور داخلہ کی لیس ادا کر کے ہال میں داخل ہوا کہ جہاں ریڈ انڈین جن کی تعداد نو ہوگی وہ کھالوں کا لباس پہنے، پھول اور تھکوں کو سر پر لگائے انسانی غیر مذہب حالت میں کھڑے تھے۔ ان کا رنگ انسانی گندمی تھا۔ دیکھنے میں وہ بالکل جنگلی نظر آتے تھے۔ جسمانی طور پر وہ متوسط وزن اعضاء رکھتے تھے سوائے ہاتھوں کے جو بہت پٹکے تھے۔ وہ جو زبان بولتے تھے وہ آواز سے مراد ہی لگتی تھی۔ ایک انگریز ان کی ترجمانی کر رہا تھا وہ جو کچھ کہہ رہے تھے وہ بالکل سیدھی سادھی اور نظری باتیں تھیں۔ وہ اپنے جسم اور ماتھے کو ہندوؤں کی طرح پینٹ کئے ہوئے تھے۔

اس دن مجھے مسٹر ہلسٹورڈ کی جانب سے لمبی سکوپ کی شکل میں ایک خوبصورت تحفہ ملا۔ اس کو میں نے ٹیگما ہٹ کے ساتھ قبول کر لیا۔ میرے نزدیک اس تحفہ کی اس لئے بڑی قدر و قیمت تھی کیونکہ یہ اس شخص کی جانب سے تھا کہ جو میرے ملک اور خود میری فلاح و بہبود کا خیال رکھتا ہے۔

26 تاریخ کو ہمیں خبر ملی کہ ہماری ملکہ مسٹر کے ہاں شہزادے کی ولادت ہوئی ہے۔ اس پر ایشیائی رسم کے مطابق میرے چچ نے مبارکباد کا خط لکھ کر مجھے دھرم کے قلعہ بھیجا کہ جہاں ملکہ عظیم تھیں۔ میں نے وہ خط سیکرٹری کو دیا اور اس کا جواب لے کر دھرم ہی کو واپس آگیا۔

27 تاریخ کو ہم نے لاڈل بلوم فیلڈ کے لئے ایک تجارتی خط لیا اور کینٹن ٹی پر ملن کی ہرہائی میں ان سے ملنے کے لئے دہلیج روانہ ہوئے۔ ہمیں اطلاع دی گئی کہ ہم دھرم میں ان سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ اس عرصہ میں ایک امریکی ہمارے میزبان کر رہا تھا اس نے ہمیں مختلف چیزیں دکھائیں۔ دراصل یہ سرچارلس فوربس تھے کہ جنہوں نے ہمیں دہلیج چلنے کا مشورہ دیا تھا۔ انہوں نے ہمارے قیام کے دوران ہماری ہر طرح سے مدد کی اور ہماری مشکلات کو دور کرنے کی کوشش کی۔ یہ ایک دل رقص ہندوستان کے سرپرستوں میں سے تھا۔

اس عرصہ میں ہمارے چیف کو کورٹ آف ڈائریکٹرز سے کی درخواست کا جواب مل چکا تھا اور جج جین نے یہ یقین دلایا تھا کہ اس کے معاملات کا انصاف کے ساتھ جائز لیا جائے گا۔ اس لئے میں نے اپنے چیف کو اس پر آمادہ کیا کہ اب اس خواہش اور محرومی میں زیادہ عرصہ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں اور جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے رخصت ہونا چاہیے۔ چنانچہ ہم نے واپسی کے لئے جہاز میں اپنی سہیلیں مخصوص کرائیں۔ اس کے بعد ہمیں جو ایک مہینہ کا وقت ملا اس میں ہم دوستوں سے ملے اور وہ تجلیں دیکھیں جو باقی رہ گئی تھیں۔ آخری زمانہ میں ہماری دوستی سلطان ترکی کے سلیم سید اہن الدین ال علی سے ہوئی کہ جسے ال آخری کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ہمیں اس سے کئی بار ملنے کا موقع ملا غلیفہ اسلام کے اس نامور محلے کے کسی موطوعات پر گفتگو رہی۔ میرے چیف نے اسے ہندوستان کی فنی ہوئی ایک جتنی کموار اس کو پیش کی۔ 12 مئی کو ہم نے اس سے آخری ملاقات کی۔ اس موقع پر اس نے اپنی محبت اور دوستی کا یقین دلایا۔ رخصت کے وقت اس نے میرے چیف کو ایک قیمتی ترکی کتاب پیش کی اور ایسی ہی کتاب وصول کر کے مجھے دی۔ ہندوستان کی حکومت کے بارے میں ایک طویل گفتگو کے بعد ہم اس سے جدا ہوئے۔ ہم نے اسے یقین دلایا کہ جب بھی ترکی کے غلیفہ کو ہماری خدمات کی ضرورت ہو ہم اس کے لئے ہر وقت آمادہ ہیں۔

اب یہاں میں انگریزوں کے کردار کے بارے میں کچھ کہنا چاہوں گا۔ وہ مکمل طور پر قانون کی پابندی کرتے ہیں اور اپنے سے اعلیٰ عہدیداروں یا رجب والوں کے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں۔ ان میں وطن سے محبت کا جذبہ دوسری تمام اقوام کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ اپنی عورتوں پر وہ اتماد کرتے ہیں ان کی اطاعت کرتے ہیں اور ان کے آگے اعتدال کی حد سے زیادہ فروتنی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ درحقیقت اس ملک میں عورتوں کو بہت زیادہ آزادی دے دی گئی ہے اس کے نتیجے میں جو خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں وہ قابل غور ہیں۔

اب میں 1844ء سے 1854ء کے دور کو نہیں چھیڑتا۔ اس عرصہ میں میں نے کئی ٹیپ و قراء کیے۔ ان کی تفصیل کے لئے مجھے ایک دوسری کتاب لکھنی ہوگی۔ میرا ارادہ ہے کہ یہ میں اس وقت لکھوں گا کہ جب میں میرے محظروں کی ملازمت سے ریٹائر ہو کر اپنے وقت کا لگ بھگ ہوں گا۔

مظہر ہے کہ ہم نے 13 اکتوبر کو انگلستان پہنچا اور 12 نومبر کو بمبئی پہنچ گئے۔ ٹیپ و قراء کے لئے ہم خدا کے شکر گزار ہیں۔

یہاں ہم چند دن تک ٹھہرے رہے۔ اس دوران میں ہم نے سرکاری کاموں میں وقفہ گزارا۔ آرتھل گورنر سے ملاقات کی۔ اس کو دوستوں اور کنبی کے اعلیٰ عہدیداروں کے خطوط پیش کیے۔ دوستوں سے ملاقاتیں کیں۔ اس کے بعد میرا چیف سمندر کے ذریعہ صورت چلا گیا جبکہ میں نے شکل کا راستہ اختیار کیا۔ اس طرح 5 دسمبر 1844ء میں اپنے خواہش اور پیارے گھر پہنچا۔ میری بیوی اس طویل سفر کے بعد مجھے دیکھ کر بے انتہا خوش ہوئی اور میں خود بھی اپنی بیوی سے مل کر بے انتہا مسرور ہوا کیونکہ وہی اس دنیا میں میری پر غلوں ساتھی اور رفیق ہے اور ہر خوشی و غمی میں میرے ساتھ برابر کی شریک ہے۔

ظاہر ہے کہ اس سفر کی وجہ سے میرے چیف اور خود میری مالی حالت اپنے اپنے رتبہ کے مطابق متاثر ہوئی۔ لیکن ایک حادثہ جس سے میرا چیف دوچار ہوا کہ اس کی عہدہ بندی کی وقت تھی جو اس کے لئے دولت اور رتبہ کی وجہ تھی۔ اس کا انتقال 9 جنوری 1843ء کو جب وہی کی بیماری میں ہوا۔ 15 جنوری 1847ء کو میری بیوی بھی بیضہ کی بیماری میں مبتلا ہو کر دارقانی کو سدھاری۔ اس حادثہ کا اثر مجھ پر اس قدر تھا کہ میں نے اس دنیا کو تھک لے کر فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن میرے دوستوں اور ساتھیوں نے خصوصیت سے میرے چیف نے دوبارہ سے مجھے دنیاوی انجمنوں میں پھنسا دیا اور دوبارہ سے میری گردن میں دنیا کی لٹائی کا طوق ڈال دیا۔

12 جولائی 1847ء کو ہندو پیر میری شادی ولایت خانم سے ہوئی کہ جو نجیب القسام بیگم کی منہ بولی بیٹی تھی۔ اس شادی سے میرے ایک لڑکا اور تین لڑکیاں ہوئی ہیں۔ خدا ان سب کو اپنی اہل میں رکھے۔ میری گھریلو زندگی میں اب بڑھ گئی ہیں۔ میری عمر کافی ہو چکی ہے۔ میری آمدنی میری فحلی کی ضروریات سے کم ہے۔ لیکن میں نے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے ہر چیز اس پر چھوڑ دی ہے۔ کہ نہ خدا نے بڑے پلے کھانا پیدا کیا اور ہر مخلوق جو کہ اس کے سامنے زانو رہتی ہے۔ (آمین)